آداب اسلامی

مؤلفین

مدرسین حوزہ علمیہ قم المقدس

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان
قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

آداب اسلامی

مؤلفین

مدرسین حوزہ علمیہ قم المقدس

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب ________ آداب اسلامی
تالیف ________ مدرسین حوزہ علمیہ قم المقدس
عربی حوالہ جات و تصحیح ___ مجاہد حسین حرّ
پروف ریڈنگ ______ مبشر مہدی، خانم آر چوہدری
کمپوزنگ ________ اختر علی۔قائم گرافکس۔جامعہ علمیہ۔ڈیفنس کراچی 0345-2401125
ناشر ________ مصباح القرآن ٹرسٹ۔لاہور۔پاکستان
تعداد ________ ایک ہزار (۱۰۰۰)
طبع ________ اوّل
قیمت ________

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔الفضل مارکیٹ۔اردو بازار۔لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم و تفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاء اللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب ''آداب اسلامی'' حوزہ علمیہ قم المقدس کی مدرسین کی تالیف شدہ کتاب ہے اس میں قرآن وسنت کی نگاہ میں اخلاق و آداب اسلامی کو بیان کیا گیا ہے اس کتاب میں احادیث کے عربی متن اعراب کے ساتھ رکھا گیا تا کہ طلاب و مقررین کرام اور خطبائے عظام کے لئے ایک سہولت ہو۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن ایک خود مختار ادارہ ہے اس کے بانی مرحوم حجۃ اسلام والمسلمین مولانا سید صفدر حسین نجفیؒ تھے انہوں نے اس ادارہ کا ایک الگ ٹرسٹ تشکیل دیا تھا جو اپنے پہلے دن سے اپنے اخراجات کا خود انتظام کرتا ہے۔

مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

www.misbahulqurantrust.org

E Mail:

misbahulqurantrust@yahoo.com

misbahulqurantrust@hotmail.com

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطلع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کی ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

تقریظ

از حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ شبیر میثمی

فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ مجھے اخلاقیات کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

اخلاقیات کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے لیکن آج کے اس افراتفری دور میں اخلاقیات پر جس قدر کام کیا جائے کم ہے۔ایک طرف لادینیت اور یورپی تہذیب کی یلغار ہے تو دوسری طرف مسلم ممالک کے سربراہان کی دین کی طرف کم توجہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اخلاقیات پر بھرپور کام کیا جائے خاص کر معصومین علیہم السلام کے فرامین کو لوگوں میں زیادہ سے زیادہ بیان ورائج کیا جائے تاکہ معاشرہ اپنی صحیح راہ کی طرف گامزن ہوسکے۔

لائق تحسین ہیں مصباح القرآن کے کارکنان کہ جنہوں نے اس شعبہ کو بھی خالی نہیں چھوڑا اور حوزہ علمیہ قم المقدس کے علمائے کرام کی مرتب کردہ کتاب ''آداب اسلامی'' کو شائع کررہے۔

خداوند عالم مصباح القرآن ٹرسٹ کے بانی حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی نور اللہ مرقدہ کی روح کو جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ عنایت فرمائے اور اس ادارے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔(آمین)

طالب دعا
شبیر میثمی

فہرست کتاب

اسلام سماجی دین ہے ____ 17

۱۔نماز جماعت ____ 20

۲۔نماز جمعہ ____ 21

۳۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر ____ 22

۴و۵۔خمس وزکات ____ 22

اسلامی اخوت ____ 25

والدین کے حقوق ____ 32

۱۔والدین کے ساتھ نیک برتاؤ ____ 32

۲۔بداخلاقی سے پرہیز ____ 35

۳۔شفقت اور نرمی ____ 39

صلہ رحمی ____ 41

رشتہ داروں سے قطع تعلق ____ 46

پڑوسی کے حقوق ____ 49

پڑوسیوں کواذیت دینا! ____ 53

معاشرتی زندگی کا طریقہ ____ 58

حسن خلق (خوش احلاق ہونا) ____ 59

خوش اخلاقی کے نتائج ____ 63

تواضع ____ 67

تواضع کے حدوداور اس کی علامتیں ____ 70

تواضع کے نتائج ____ 71

وفائے عہد ____ 76

وفائے عہد کی اہمیت 78
بردباری ا 84
تو اس کا راہ حل کیا ہے؟ 85
ا۔غصہ 85
بردباری ۲ 93
حلم وبردباری 93
حلم وبردباری سے متعلق روایتیں: 94
غصہ کو پی جانے سے متعلق روایتیں: 96
اخلاقی بردباری 98
عفواور چشم پوشی 102
عفوودرگذر کا فرق 105
انتقام کی طاقت کے باوجود غلطی کو معاف کردینا 107
عفو کے مواقع 109
انصاف 112
عدل وانصاف سے متعلق ایک اخلاقی یاددہانی 117
خدہ پیشانی اور مذاق 120
کشادہ روئی کے فائدے 121
ہنسی مذاق 123
الف: وہ روایات جن میں ہنسی مذاق کی تعریف کی گئی ہے۔ 123
ب: وہ روایات جن میں ہنسی مذاق کی مذمت کی گئی ہے۔ 124
تعاون 130
مومنین کے درمیان صلح وصفائی 139
مومنین کے درمیان صلح وصفائی (مصالحت) کرانا 142
یتیموں اورغریبوں کی سرپرستی 148

عیادت ______ 157
الف: عیادت ______ 157
ب: عیادت کرنے کی تاکید ______ 160
ج: عیادت کرنے کا طریقہ ______ 161
خوشی اور غم میں شرکت ______ 166
۱۔ دعوت قبول کرنا ______ 167
۲۔ تعزیت ______ 169
ملاقات اور مہمان نوازی ______ 174
ضیافت (مہمان نوازی) ______ 177
ضیافت کے آداب ______ 178
سلام ______ 183
سلام کا طریقہ ______ 187
مصافحہ و معانقہ ______ 191
حدود کی رعایت ______ 194
۱۔ شخصی حدود ______ 195
۲۔ عیب چھپانا ______ 196
۳۔ امانت داری ______ 198
دوست اور ساتھی ۱ ______ 203
دوست اور ساتھی ۲ ______ 211
غیبت ۱ ______ 221
۱۔ غیبت کی تعریف ______ 221
۲۔ غیبت کی حرمت ______ 223
غیبت ۲ ______ 230
۳۔ غیبت کی وجوہات ______ 230

۱۔تسکین قلب	230
۲۔فخر ومباہات	231
۳۔توہین	231
۴۔حسد	231
۵۔دوسروں کی نقل	231
۶۔پیش بندی	232
۷۔اظہار تعجب	232
۸۔اظہار ترحم	232
۴۔غیبت کی مستثنیات	233
۱۔انصاف کا مطالبہ	233
۲۔مشورہ	233
۳۔خبردار کرنا	234
۴۔برائیوں کا سد باب	234
۵۔جرح وتعدیل (عادل یا فاسق ثابت کرنا)	234
۶۔عرفیت	235
۷۔مذہب میں نئی ایجاد کرنے والے	235
۸۔کھلے عام گناہ کرنے والا	235
۵۔غیبت سننا	236
تہمت وبدگمانی	239
تہمت	239
بدگمانی	241
بدگمانی کے اثرات	242
چغل خوری اور استہزاء	248
چغل خور کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے	250

تمسخر، استہزاء ____ 252

حسد ____ 257

حسد کی تعریف اور مراتب ____ 257

حسد کے چار مراتب ہیں ____ 258

حسد قرآن مجید کی روشنی میں ____ 258

حاسد اور حسد اور روایات کی روشنی میں ____ 259

حسد کے اسباب ____ 264

جھوٹ ____ 267

جھوٹ کی تعریف ____ 268

جھوٹ! قرآن کریم کی روشنی میں ____ 268

جھوٹ؛ روایات معصومین کی روشنی میں ____ 269

سچ قرآن اور احادیث کی روشنی میں ____ 272

جائز غلط بیانی (جھوٹ) ____ 274

ہنسی مذاق کے لئے جھوٹ بولنا ____ 275

توریہ ____ 276

خاتمۂ سخن ____ 278

ہماری گفتگو کا خلاصہ ____ 278

علم اور عالم کی فضیلت ا ____ 284

الف: علم اور عالم کی اہمیت قرآن مجید کی نگاہ میں ____ 284

ب۔ احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علم اور عالم کا مرتبہ ____ 286

ج۔ احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طالب تعلیم و تعلّم کی اہمیت ____ 288

سوالات: ____ 291

علم اور عالم کی فضیلت ۲ ____ 292

د۔ احادیث اہل بیتؑ میں علم اور عالم کی فضیلت ____ 292

ہ۔جاہل پر عالم کی فضیلت اور برتری ____ 296
و: صحیح تعلیم کا انتخاب ____ 298
استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض اور آداب ا ____ 301
مشترکہ فرائض اور آداب ____ 301
ا۔خلوص نیت ____ 301
خلوص نیت کیسے حاصل ہوتا ہے؟ ____ 303
استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض اور آداب ۲ ____ 309
۲۔علم اور عمل ____ 309
استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض ۳ ____ 317
۳۔غرور سے پرہیز ____ 317
۴۔توکل ____ 318
۵۔تقویٰ اور اصلاح نفس ____ 319
۶۔نیک اخلاق ____ 321
۷۔عزت نفس ____ 321
۸۔دینی اقدار کی حفاظت ____ 322
استاد کے فرائض ا ____ 325
ا۔اپنے بارے میں استاد کے فرائض ____ 325
استاد کے فرائض ۲ ____ 332
۲۔شاگردوں سے متعلق استاد کے فرائض ____ 332
استاد کے فرائض ۳ ____ 337
۳۔کلاس میں استاد کے فرائض ____ 337
طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں ا ____ 343
ا۔اپنے بارے میں طالب علم کے فرائض اور ذمہ داریاں ____ 343
۲۔استاد سے متعلق طلاب کے فرائض ____ 346

طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں ۲ ____ 350
۳۔کلاس میں طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں ____ 350
دارالاقامہ (ہوسٹل) میں رہنے کے آداب ____ 352
شادی ____ 355
شادی کی اہمیت: ____ 355
شادی کے فوائد ____ 358
شوہر اور زوجہ کے حقوق ____ 363
بیوی کے اوپر شوہر کے حقوق ____ 363
شوہر کی گردن پر زوجہ کے حقوق: ____ 366
محنت ومشقت کی قدر و قیمت ____ 371
کسب معاش اور تجارت کے آداب ____ 380
۱۔مسائل تجارت سے واقفیت ____ 380
۲۔ذخیرہ اندوزی سے پرہیز ____ 381
۳۔دعا ____ 383
۴۔قسم سے پرہیز ____ 384
۵۔برائیوں کا تذکرہ ____ 385
۶۔انصاف: ____ 385
۷۔غرباء کے ساتھ نرم رویہ ____ 386
۸۔ملاوٹ سے پرہیز ____ 387
نظافت وآرائش ۱ ____ 389
۱۔بدن کی صفائی ____ 390
۲۔حمام کے آداب ____ 391
۳۔لباس کی صفائی ____ 394
نظافت وآرائش ۲ ____ 398

۴۔مسواک 398

مسواک کے فائدے 400

مسواک کا طریقہ 401

۵۔بال کٹوانا 402

ناخن کاٹنا 404

نظافت وآرائش ۳ 408

۷۔عطریات اور خوشبو کا استعمال 408

۸۔گھر اور اس کے اطراف کی صفائی 411

ماحولیاتی صفائی 414

بیت الخلاء کے آداب 417

۱۔لوگوں کی نگاہ سے دور 417

۲۔شرمگاہ چھپانا 418

۳۔قبلہ کی سمت سے بچنا 419

۴۔خاموش رہنا 420

۵۔بقیہ آداب 421

کھانے پینے کے آداب ۱ 424

۱۔حلال اور پاک غذا 424

۲۔ہاتھ دھونا 425

۳۔دسترخوان پر بیٹھنے کا طریقہ 426

۴۔کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا 427

۵۔نیت 428

۶۔کھانا شروع کرنے کا طریقہ 429

کھانے پینے کے آداب ۲ 432

۷۔کھانے کا طریقہ 432

۸۔ پرخوری سے پرہیز 434
۹۔ایک ساتھ کھانا کھانا 437
۱۰۔ایک ساتھ کھانا کھانے کے آداب 438
عبادت 441
۱۔عبادت......مقصد خلقت وبعثت 441
۲۔عبادت کی فضیلت 443
۳۔عبادت وبندگی کی حقیقت 444
۴۔بامعرفت عبادت 445
۵۔عبادت کے اسباب 445
۶۔عبادت کی قسمیں 447
نماز کی فضیلت 450
۱۔نماز کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں 450
۲۔احادیث پیغمبرؐ میں نماز کی اہمیت 452
۳۔احادیث ائمہ طاہرین علیہم السلام میں نماز کی عظمت 454
آداب نماز 457
۱۔اجزاوشرائط کا خیال 457
۲۔بارگاہ الٰہی کے حضور 457
۳۔نشاط وولولہ 459
۴۔خضوع وخشوع 460
۵۔حضور قلب 460
۶۔نماز کا احترام 462
۷۔اول وقت کا خیال 462
۸۔زینت وآرائش 463
۹۔نماز جماعت 464

روزہ کی اہمیت ____ 466
۱۔روزہ میرے لئے ہے ____ 466
۲۔روزہ سپر ہے ____ 468
۳۔روزہ کے اسباب ____ 469
۴۔روزہ کے معنوی اثرات ____ 470
۵۔روزہ کی حد ____ 471
قرآن مجید کی فضیلت ____ 473
۱۔قرآن مجید کی فضیلت ____ 473
۲۔تلاوت قرآن کی فضیلت ____ 474
۳۔قرآن مجید کی تعلیم کی فضیلت ____ 476
۴۔حفظ اور فہم قرآن کی فضیلت ____ 478
۵۔قرآن مجید کی تلاوت سننا ____ 479
تلاوت قرآن کے آداب ____ 482
۱۔ظاہری آداب ____ 482
۲۔قرائت قرآن کی جگہ ____ 483
۳۔تلاوت کی مقدار ____ 484
۴،۵۔استعاذہ اور تسمیہ ____ 485
۶۔ترتیل ____ 485
۷۔دلنشین آواز ____ 486
۸۔حزن اور خشوع ____ 486
۹۔تدبر ____ 487
۱۰۔قرآن مجید میں دیکھ کر اس کی تلاوت کرنا ____ 488
دعا وزیارت کی اہمیت ____ 490
۱۔دعا کی منزلت ____ 490

۲۔دعا کی قدرومنزلت اوراس کے آثار 493
۳۔زیارت اولیاء 494
دعاوزیارت کے کچھ آداب وشرائط 498
الف: آداب دعا 498
ا۔معرفت پروردگار 498
۲۔امیدورجاء 499
۳۔غیراللہ سے قطع امید 499
۴۔حضورقلب 500
۵۔تضرع اوررقت قلب 500
۶۔بسم اللہ سے ابتداء کرنا 500
۷۔حمدوثنائے الٰہی 500
۸۔نبیؐ وآل نبیؑ پردرودوسلام 501
۹۔نبیؐ وآل نبیؑ سے توسل 501
۱۰۔اعتراف گناہ 501
۱۱۔پاک اورحلال غذا 502
۱۲۔دعاپراصرار 502
۱۳۔اجتماعی شکل میں دعا 502
۱۴۔دعاکے ساتھ عمل بھی 503
۱۵۔بارگاہ الٰہی میں حاجات پیش کرنا 503
ب: آداب زیارت 504
ا۔غسل ونظافت 504
۲۔زیارت پڑھتے وقت قبلہ رخ ہونا۔ 504
۳۔باادب رہنا۔ 504
۴۔ماثورزیارت پڑھنا 504

۵۔نماز زیارت ____ 504
۶۔تلاوت قرآن ____ 504
سفر کے مقاصد اور فوائد ____ 506
سفر کے جائز مقاصد ____ 507
۱۔حصول علم و معرفت ____ 507
۲۔دین کی حفاظت ____ 509
۳۔حج و زیارت ____ 509
۴۔لقمہ حلال کی تلاش ____ 510
سفر کے فوائد ____ 510
سفر کے آداب ____ 513
۱۔رفیق سفر کا انتخاب ____ 513
۲۔حقوق کی ادائیگی ____ 514
۳۔لوازمات سفر ____ 514
۴۔دعا و ذکر خدا ____ 515
۵۔صدقہ ____ 516
۶۔مروت ____ 517
۷۔تحفہ و تحائف ____ 518

باب۔ ا

اسلام سماجی دین ہے

دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کا ایک خاص امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ ایک معاشرتی اور سماجی دین ہے اور اس نے صرف انسان کے انفرادی ضروریات یا روحانی پہلوؤں اور نفسیانی خواہشات کو ہی مدنظر نہیں رکھا بلکہ اسے دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

البتہ سب سے پہلے اس اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کی مشترکہ خواہش اور قلبی تمنا یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کامیاب وکامران ہوجائیں، مختصر یہ کہ ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں سب سے بہتر اور برتر ہو نیز دنیا کی اعلیٰ ترین چیزیں اس کے پاس ہوں، اس کے پاس دنیا کا سب سے بڑا عہدہ ہو اور ترقی وکمال کی سب سے اعلیٰ منزل پر پہنچ جائے اور اسکی زندگی میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہے اور ہمیشہ کامیابیاں اسکے قدم چومتی رہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو مال ودولت اور ترقی وکمال نیز کامیابی وکامرانی سے نفرت کرتا ہو اور ہر انسان کی فطرت میں جہاں ترقی اور کمال کا شوق اور نیز دوسروں پر برتری کا جذبہ پایا جاتا ہے وہیں اس کے اندر یہ خواہش بھی موجود ہوتی ہے کہ اس کی ترقی اور کمال کے سفر میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کی ترقی کی رفتار میں کچھ لمحات کے لئے رکاوٹ یا ٹھہراؤ پیدا ہوجائے تو وہ اس کی وجہ سے رنجیدہ، ملول اور غمزدہ نظر آنے لگتا ہے۔

اور یہ وہی خصوصیت اور فطری چیز ہے جسے علماء اسلام نے فطرت ''حبّ کمال'' کا نام دیا ہے۔ چنانچہ دنیا میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں یہ فطری چیز نہ پائی جاتی ہو یا اس کے بارے میں کوئی شک وشبہ پایا جاتا ہو یہی وجہ

ہے کہ دنیا کے مختلف ادیان و مذاہب کے درمیان اس مسئلہ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا بلکہ سب نے متفقہ طور پر اس صفت کو قبول کر کے اپنے اپنے طریقے سے یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح انسان کو سعادت و کمال سے ہمکنار کر دیں۔

البتہ ان کے درمیان یہ اختلاف ضرور پایا جاتا ہے کہ واقعی کمال اور سعادت کسے کہا جاتا ہے۔ اور اس تک پہنچنے کے راستے کیا ہیں؟۔

وہ الٰہی ادیان ہوں یا مادی اور غیر الٰہی مذاہب ان سب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اسی بات کا دعویدار ہے کہ صرف اس کا بتایا ہوا راستہ ہی حقیقی سعادت و کمال تک پہنچاتا ہے۔

ہم نے عرض کیا! کہ ترقی و کمال کی تمنا اور اس کی محبت کے ساتھ ساتھ ہر انسان کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ اس کے کمال اور ترقی میں کبھی کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر انسان کے دل میں ایسے کمال اور ارتقاء کی تمنا موجود ہے جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو اور اگر اس کو مان لیا جائے تو یہ وہی کمال ہے جس کی طرف اسلام نے تمام انسانوں کو دعوت دی ہے یعنی قرب الٰہی اور خداوند عالم تک رسائی، کیونکہ اس عالم ہست و بود میں صرف خداوند ہی عالم کمال مطلق کا مالک ہے۔

اسلام کی نظر میں کوئی بھی انسان اسی وقت کمال حقیقی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے کہ جب وہ خدا سے نزدیک ہو جائے اور خداوند عالم سے نزدیک ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے واجبات کو ادا کیا جائے اور محرمات سے پرہیز کر کے اس کی رضا حاصل کی جائے کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے خداوند عالم کے علاوہ ہر چیز ایک دن فنا ہو جانے والی ہے، اسی لئے ذات خدا کے علاوہ کوئی بھی چیز انسان کی خواہش بقا کا جواب نہیں بن سکتی ہے۔ لہٰذا جو حضرات مال و دولت کو خوش بختی اور سعادت سمجھتے ہیں وہ بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں کیونکہ مال و دولت چاہے جتنا زیادہ کیوں نہ ہو جائے پھر بھی وہ ایک محدود اور فانی چیز ہے اس کے علاوہ خود انسانی زندگی میں ایسے بے شمار مواقع اور مشکلات سامنے آتے ہیں جو مال و دولت سے بھی حل نہیں ہو پاتے کیونکہ دولت کے زور پر ہر چیز حاصل نہیں کی جاسکتی ہے لیکن خداوند عالم ہر چیز کا خالق ہے اور اس کی ذات والا صفات ہی جمال و کمال اور ہر خیر کا سرچشمہ اور مرکز ہے اور وہ تمام اشیاء کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔ لہٰذا اس پر توکل اور بھروسہ کے ذریعہ ہی انسان حقیقی بے نیازی اور ابدیت کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

اس بارے میں قرآن مجید یہ اعلان کر رہا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ [1]

---

[1] سورۂ فاطر آیت ۱۵

انسانو تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہواور اللہ صاحب دولت اور قابلِ حمد وثنا ہے

تو گو یا انسان خداوند عالم (جو کہ غنی مطلق ہے) کے سامنے فقیر نہیں بلکہ مجسمۂ فقر ہے۔

امام حسین علیہ السلام علوم ومعارف سے معمور اپنی دعائے عرفہ میں پروردگار کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں:

لَمَاذَا وَجَدَ مَنْ فَقَدَكَ وَمَا الَّذِي فَقَدَ مَنْ وَجَدَكَ.

پروردگارا! اس نے کیا پایا ہے جس نے تجھے کھودیا ہے اور اس نے کیا کھویا ہے جس نے تجھے پالیا ہے۔

اس جملہ میں امام حسین علیہ السلام نے اس اہم حقیقت کو روشن کیا ہے کہ خداوند عالم کا وجود ہی سب سے کامل واکمل وجود ہے لہٰذا جس کا رخ غیر خدا کی طرف ہوگا وہ گمراہی وضلالت اور عدم کی وادی میں پہنچ جائے گا۔لیکن جو خداوند عالم سے وابستہ رہیگا وہ کمال کی طرف رواں دواں رہ کر بے نیازی کی اس منزل پر پہنچ جائے گا جہاں اسے کسی کمی اور نقص کا احساس نہ ہوگا۔

جب اسلام نے قرب الٰہی کو انسان کا سب سے اعلیٰ مقصد کمال وسعادت قرار دیا ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس منزل تک پہنچنے کے لئے اسلام نے کس راستہ کی تعلیم دی ہے؟ اور اسکے لئے کیا طریقہ بتایا گیا ہے؟۔

مذکورہ سوال کا جواب خداوند عالم نے اس آیۂ کریمہ میں بیان فرمایا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا [1]

جو بھی اس کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ بنائے۔اس آیۂ شریفہ میں بشریت کے خدا تک پہنچنے کی دوشرطیں قرار دی گئی ہیں۔

۱۔اعمال صالحہ کو انجام دینا۔

۲۔اخلاص اور عبادت خدا میں شرک سے پرہیز۔

اسلام کی نظر میں کسی بھی انسان کو حقیقی سعادت اسی وقت نصیب ہوسکتی ہے جب وہ اسکے اوامر ونواہی کی مکمل پابندی کرے یعنی واجبات کو بجالائے اور محرمات سے پرہیز کرے کیونکہ اس سے خداوند عالم راضی وخوشنود ہوتا ہے اور یہی خداوند عالم کی حقیقی بندگی ہے اور اسی سے انسان کو حقیقی آزادی میسر ہوسکتی ہے۔

جب ہم کسی بھی حکم الٰہی پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں اس حکم کا سماج اور معاشرہ سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور نظر آتا ہے اور بہت ہی کم کوئی ایسا حکم شرعی نظر آئے گا جس کا تعلق صرف ایک فرد سے ہو اور اس میں دوسروں کو نظر انداز کردیا گیا ہو یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے عبادت کو خداوند عالم کی وسیع رحمت تک پہنچنے کا واحد اور تنہا ذریعہ قرار دیا

[1] سورۃ کہف آیت ۱۱۰

ہے البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس عبادت کی بناء پر انسان اس سماج اور معاشرہ سے بالکل الگ ہوکر رہ جائے جس میں اس نے آنکھ کھولی ہے اور جس میں پروان چڑھا ہے یا پہاڑوں، جنگلوں اور غاروں کے اندر گوشہ نشینی اختیار کرلے اور بقیہ دنیا سے کوئی رابطہ ہی نہ رکھے بلکہ اس کے برعکس لوگوں کی خدمت کرنے اوران کے مشکلات میں ہاتھ بٹانے یا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور آپسی بھائی چارہ سے بھی قرب خدا حاصل ہوتا ہے اور یہ بھی خداوند عالم کی عبادت ہی ہے۔

اسلام میں جہاں بہت سارے احکام براہ راست اجتماعی اور معاشرتی امور سے تعلق رکھتے ہیں وہیں اکثر عبادات کو بھی باجماعت (یا ایک ساتھ اجتماعی شکل میں) ادا کرنے کا حکم بھی موجود ہے حتیٰ کہ اعتکاف جوکہ ایک مستحبی عمل ہے اور بظاہر اس کے ذریعہ صرف کسی ایک فرد کی اصلاح ہوتی ہے مگر یہ اعتکاف بھی اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب اسے کسی جامع مسجد میں انجام دیا جائے اور اگر اس دوران مسجد سے باہر نکل گیا تو اعتکاف باطل ہوجاتا ہے لیکن اس میں بھی بعض ضروریات کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے جن کے بارے میں غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان ضروریات کا تعلق کسی نہ کسی سماجی معاملہ سے ہے جیسے مریضوں کی عیادت وغیرہ کرنا۔

اور دوسرے یہ کہ وہ انسانی اقدار جن پر حقیقی سعادت کا دارومدار ہے ان کا استحکام بھی انہیں آپسی روابط اور تعلقات سے وابستہ ہے۔

بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ انسانی وجود کے اعلیٰ اقدار جیسے ایثار ومحبت، اور قربانی وغیرہ کے جوہر اس وقت تک کھل کر سامنے نہیں آسکتے جب تک انسان دوسروں کے درمیان رہ کر زندگی بسر نہ کرے۔

مذکورہ گفتگو کی روشنی میں ہم ان بعض اسلامی احکام کا تذکرہ کررہے ہیں جن میں اجتماع، سماج اور معاشرے کو ہی مد نظر رکھا گیا ہے، اور انکے فوائد ایک ساتھ پوری جماعت یا قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔

ا۔ نماز جماعت

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نماز جماعت (جو پروردگار عالم کی عبادت و بندگی کا سب سے اہم ستون اور علامت ہے) یہ ایک انفرادی عبادت ہے کیونکہ ہر انسان خداوند عالم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسے تنہا بھی پڑھ سکتا ہے لیکن اسلام کی نگاہ میں نماز جماعت کی اتنی اہمیت ہے کہ اسی کو اصل طریقۂ نماز بتایا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ [۱]

اور نماز قائم کرو۔ زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو

چنانچہ میدان جنگ میں جہاں ہر طرف سے دشمن کے حملوں کا خطرہ موجود رہتا ہے اور ہر سمت مستعدی کے ساتھ نظر رکھنا پڑتی ہے وہاں بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت ہی کے ساتھ نماز ادا کی۔

خاص طور سے امام حسین علیہ السلام نے روز عاشورہ نرغۂ اعداء میں گھرے ہونے کے باوجود تیروں کی بارش میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کی جس کے لئے آپ کے ایک جانثار صحابی جناب سعید بن عبد اللہ آپ کے سینہ سپر ہو گئے اور دشمن کے تیروں کو اپنے بدن پر روکتے رہے اور آخر کار امام کے سامنے جام شہادت نوش فرمایا یہ سب قربانیاں صرف نماز جماعت کے لئے ہی پیش کی گئیں تھیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا مِنْ عِلَّةٍ [۲]

جو شخص مسجد میں آ کر مسلمانوں کے ساتھ نماز (جماعت) نہ پڑھے اس کی نماز، نماز نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی عذر ہو۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء و مراجع کرام نے اپنے رسالۂ عملیہ میں نماز جماعت سے غیر حاضری کو شرعاً قبیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ مسلمان کے لئے کسی عذر اور مجبوری کے بغیر نماز جماعت کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح اگر نماز میں پڑھے جانے والے سوروں یا اذکار کو دیکھا جائے تو چاہے کوئی فرادیٰ ہی نماز پڑھے تب بھی اس میں جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں جیسے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ.

اور آخر میں جب نمازی سلام پڑھتا ہے تو اس میں بھی جمع کے صیغے موجود ہیں جیسے:

السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ.

جس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ فرادیٰ نماز میں بھی ہمیں دوسرے مومنین کا خیال رکھنا چاہئے۔

۲۔ نماز جمعہ

اسلام نے روز جمعہ نماز جمعہ کو نماز ظہر کا بدل قرار دیا ہے اور اس کی بے شمار اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے، اور یہ

[۱] سورۂ بقرآیت ۴۳

[۲] وسائل الشیعہ ج ۸ ص ۲۹۳

نماز صرف جماعت کے ساتھ ہی پڑھی جاسکتی ہے اس کے علاوہ اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نماز سے پہلے امام جماعت خطبہ میں لوگوں کے سماجی اور معاشرتی مسائل پر بھی روشنی ڈالے اور ان کے اوپر ایک دوسرے کی مشکلات حل کرنے کے لئے زور دے۔

۳۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کو رواج دینے اور برائیوں کو روکنے کی کوشش کی جائے۔قرآن مجید نے انہیں دونوں فرائض کی بناء پر مسلمانوں کو سب سے بہتر امت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ[۱]

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں کثرت سے روایات موجود ہیں جنہیں ہم اختصار کی بناء پر ترک کر رہے ہیں البتہ اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ ان دونوں فریضوں کو صرف اسی لئے حکم شریعت قرار دیا گیا ہے تا کہ سماج اور معاشرہ کے اخلاقیات کو سنوار کر اسے ہر قسم کی برائیوں اور انحرافات سے محفوظ رکھا جاسکے۔

۴و۵۔خمس وزکات

خمس وزکات کو بھی اسلام نے مالداروں کے اوپر اسی لئے واجب قرار دیا ہے تا کہ ان کے ذریعہ اسلامی حکومت غرباء وفقراء اور قوم کے دوسرے ضرورت مند افراد کی کفالت کرے اور دوسرے اہم کاموں کو انجام دے سکے۔

زکات اتنا اہم فریضہ ہے کہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں متعدد بار اس کا ذکر کیا ہے قرآن میں شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں نماز کے ساتھ زکات کا تذکرہ نہ پایا جاتا ہو۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ[۲]

نماز قائم کرو زکات ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

---

[۱] سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰

[۲] سورۂ بقرہ، آیت ۴۳

یا دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ[1]

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکات ادا کی۔

سماج اور معاشرے کے بارے میں اسلام کے اور بھی کافی احکام موجود ہیں جن میں سے ہم نے فی الحال چند نمونے ہی ذکر کئے ہیں اسی طرح جہاد، حج، اتحاد، مسلمانوں کے معاملات کا خیال رکھنا، نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا، یتیموں اور غریبوں کی امداد یہ سب بھی اسلام کے اجتماعی احکام ہی ہیں اور مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو سعادت تک پہنچانے کے لئے ان کو معاشرتی اور سماجی حقوق ادا کرنے، ایک دوسرے سے مستحکم تعلقات رکھنے اور آپسی میل جول، محبت اور امداد و تعاون کا راستہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔

اور اگر ہم ان چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں مندرجہ ذیل دو باتیں بھی قبول کرنا ہوں گی۔

۱۔ کسی بھی سماج اور معاشرہ کے تمام افراد کے ایک دوسرے پر کچھ نہ کچھ حقوق ضرور ہیں جن کو ادا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ ہر سماج اور قوم کے لئے کچھ نہ کچھ اخلاقی اور (سماجی) ضوابط اور اصول ضروری ہیں جن کی پابندی سے ہی ہر شخص کی شخصیت کی قدر و قیمت معین ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص ان حقوق کا خیال نہ رکھے اور ان کو ادا نہ کرے تو لوگوں کی نگاہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی اور وہ ہر ایک کی نگاہ میں ذلیل رہتا ہے۔

آئندہ اسباق میں ہماری یہی کوشش ہوگی کہ ان حقوق کو مختصر طور سے بیان کر دیا جائے تاکہ ان کو جاننے کے بعد ہم سب ان پر بخوبی عمل پیرا ہو سکیں۔

---

[1] سورۂ حج، آیت ۴۱

خلاصہ

اگر کوئی انسان ترقی اور کمال کی آخری منزل تک پہنچنا چاہے تو اسلام کی نظر میں اس کا واحد راستہ قرب خدا کا حصول ہے۔

جب ہم اس بات پر ایمان لے آئے کہ خدا کے علاوہ ہر چیز فانی ہے تو پھر خدا پر توکل کے سہارے ہی ہم حقیقی کمال تک پہنچ سکتے ہیں اور اس کے لئے خداوند عالم نے یہ دو شرطیں قرار دی ہیں:

۱۔عمل صالح

۲۔توحید اور بندگی میں اخلاص (شرک سے پرہیز)۔

اور یہ دونوں شرطیں اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب شریعت کی مکمل پابندی کی جائے اور سماجی حقوق ادا کئے جائیں نہ یہ کہ انسان تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

سوالات

۱۔''حب کمال فطری چیز ہے'' اس کا کیا مطلب ہے؟

۲۔اسلام کی نظر میں ابدی سعادت حاصل کرنے کی شرط کیا ہے؟

۳۔صرف دوسروں کے ساتھ تعلقات قائم رکھ کر ہی کیوں ہم سعادت ابدی تک پہنچ سکتے ہیں؟

۴۔نماز جماعت کی اہمیت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟

۵۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے میں قرآن مجید کی ایک آیت بیان کیجئے؟

۶۔اسلام میں خمس اور زکات کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں ہے؟

باب۔ ۲

اسلامی اخوت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے جو بنیادی قدم اٹھائے ان میں ایک اہم قدم یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے درمیان الفت ومحبت اور بھائی چارہ کو فروغ دینے کے لئے انصار ومہاجرین میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اور ان کے درمیان اخوت و بھائی چارہ کا صیغہ بھی پڑھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کے تمام قبیلوں کے درمیان مدتوں پرانی رنجش اور خون خرابہ کا خود بخود خاتمہ ہوگیا اور اس کی جگہ بھائی چارہ اور پیار ومحبت نے لے لی اور سب ایک دوسرے کے شانہ بشانہ ایک جان ہوکر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشاروں پر دین کے لئے اپنی جان نچھاور کرنے لگے۔

اسلام کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں اور کوئی قوم یا قبیلہ نیز کوئی رنگ ونسل ایک دوسرے پر فوقیت نہیں رکھتا اور دولت یا غربت، برتری اور فضیلت کا معیار نہیں بلکہ اس کی نظر میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے علاوہ برتری کا ہر معیار بے بنیاد ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے کہ ہم نے تمہاری پہچان اور تشخیص کے لئے تمہیں مختلف قوموں، قبیلوں اور رنگ نسل اور زبانوں کے اعتبار سے خلق کیا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ سب باتیں تمہاری برتری اور فضیلت کا سبب نہیں ہیں بلکہ تمہارے نیک اعمال اور تقویٰ تمہاری فوقیت اور برتری کا سبب اور معیار ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ.[1]

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دیئے ہیں تا کہ

[1] سورۂ حجرات، آیت ۱۳

آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں مومنین کے گوش گذار کررہا ہے کہ تمہارے درمیان یہ الفت ومحبت اور بھائی چارہ خدا کی نعمت ہے ورنہ بغض وحسد اور کینہ کی آگ نے تمہیں ہلاکت کے دہانے پر پہنچادیا تھا۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۖ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ.[1]

اور اللہ کی رسی کو مظبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اسی طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معصومین علیہم السلام نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اخوت وبرادری کے استحکام پر زور دیا ہے اور مومنین کے درمیان زیادہ سے زیادہ بھائی چارہ اور قربت پیدا کرنے کی کوشش کی اسی لئے اسکے اخروی فوائد اور ثمرات بھی بیان فرمادیئے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ومن اخی اخا فی الله اله درجة فی الجنة لا ینالها بشیءٍ من عمله.[2]

اگر کوئی شخص کسی برادر مومن کو خداوند عالم کے لئے اپنا بھائی قرار دے تو خداوند عالم اس کے لئے جنت میں ایک ایسا درجہ قرار دے گا جس تک اس کا کوئی اور عمل نہیں پہنچ سکتا ہے..................

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

يَنْصَبُ لِطَائِفَةٍ مِنَ النَّاسِ كَرَاسِي حول الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وُجُوْهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، يفزع الناس و هم لا يفزعون و يخاف الناس و هم لا يخافون و هم أولياء الله الذين لا خوف عليهم و لا هم يحزنون، فقيل من هم يا رسول الله؟ قال: هم المتحابون فی الله تعالی۔[3]

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳

[2] حقائق ص ۳۱۸

[3] احیاء العلوم کتاب آداب الصحبة والمعاشرة

روز قیامت کچھ لوگوں کے لئے عرش کے چاروں طرف کچھ کرسیاں رکھی جائیں گی اوران کے چہرے چودہویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اس دن لوگ گڑگڑا رہے ہوں گے مگر وہ پرسکون ہوں گے،لوگ خوف زدہ ہوں گے مگر انہیں کوئی ڈر نہ ہوگا، وہ اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن وملال، دریافت کیا گیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ خدا کے لئے محبت کرنے والے حضرات ہیں۔۔۔

آپ سے یہ بھی نقل ہوا ہے:

إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: وَحَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَزَاوَرُونَ مِنْ أَجْلِي ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَنَاصَرُونَ مِنْ أَجْلِي، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَصَافَوْنَ مِنْ أَجْلِي وَحَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَبَاذَلُونَ مِنْ أَجْلِي.[۱]

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میری بناء پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں نیز میری محبت ان کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نقل کیا ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

أَيُّ عُرَى الْإِيمَانِ أَوْثَقُ

ایمان سے زیادہ کونسی رسی سب سے زیادہ مضبوط ہے؟

اصحاب نے عرض کیا: خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر آگاہ ہیں اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے کہا نماز، بعض نے زکوٰۃ اور بعض نے روزہ یا حج وعمرہ کا ذکر کیا اور کچھ نے جہاد کا نام لیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِكُلِّ مَا قُلْتُمْ فَضْلٌ وَلَيْسَ بِهِ وَلَكِنْ أَوْثَقُ عُرَى الْإِيمَانِ الْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ وَتَوَالِي أَوْلِيَاءِ اللهِ وَالتَّبَرِّي مِنْ أَعْدَاءِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.[۲]

جو کچھ تم لوگوں نے بیان کیا ہے ان میں ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی فضیلت ضرور ہے مگر ایمان کی سب سے مضبوط رسی یہ ہے کہ خدا کے لئے محبت کرو اور خدا کے لئے بغض ونفرت کرو اور اللہ کے اولیاء (دوستوں) سے دوستی اور اللہ کے دشمنوں

[۱] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۸۶

[۲] بحار الانوار جلد ۶۹ صفحہ ۲۴۲

سے دشمنی رکھو۔

جس طرح اسلام کی نگاہ میں ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہونا ضروری ہے اسی طرح دوستی اور دشمنی بھی رضائے الٰہی کے لئے ہونا چاہئے کیونکہ اسے بعض روایات میں دین کا رکن اور بعض میں دین کا اصل کہا گیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام میں ہر دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ کی خوشنودی ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [1]

بیشک تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

مومنین کی دوستی اور محبت کی بنیاد خدا پر ایمان اور اس کی اطاعت ہے اور اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے تمام مادی معیار اور احکام بیکار و بے بنیاد ہیں۔

جو لوگ کسی شخص سے اس کے مال و دولت یا عہدہ کی بناء پر محبت کرتے ہیں یا اس کا احترام کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں ان کی محبت میں پائیداری نہیں پائی جاتی بلکہ جیسے ہی ان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں یا اس کی دولت اور عہدہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اسی دن یہ سب محبتیں بھی خاک میں مل جاتی ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پرانا محبوب دشمن بھی ہوجاتا ہے لیکن اسلامی اقدار پر استوار ہر دوستی دائمی ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی دراڑ نہیں پڑتی کیونکہ اس کا معیار اللہ کی محبت ہے جس میں کسی قسم کے کھوکھلے پن کا امکان نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دینی محبت اور بھائی چارہ تمام مادی اقدار جیسے رنگ و نسل اور مال و دولت وغیرہ سے بلند و بالا ہے اسی لئے صدر اسلام میں ہر شخص نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے تھے۔

ایک دن وہ تھا جب عرب قبیلے صرف اپنے اونٹ، اولاد اور اموال کی کثرت پر ہی نہیں بلکہ اپنے مُردوں اور قبروں کی کثرت پر بھی فخر و مباہات کیا کرتے تھے اور عرب کو غیر عرب پر اور گورے کو کالے پر فوقیت دیتے تھے، لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاہلیت کے ان تمام اقدار پر خط بطلان کھینچ دیا اور بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ کو اپنے اصحاب میں شامل کرلیا اور زید بن حارثہ کی شادی اپنی پھوپھی کی بیٹی جناب زینب سے کرادی، یا جناب جویبر (جو افریقہ کے ایک فقیر باشندے تھے) کا عقد ایک ثروتمند اور مشہور شخص کی بیٹی زلفا کے ساتھ کرادیا کیونکہ آپ کا یہ فرمان ہے کہ

---

[1] سورۂ حجرات آیت ۱۰

اَلْمُؤْمِنُ کُفْوُ الْمُؤْمِنَة

ایک مومن دوسرے مومنہ کا کفو اور ہمسر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ غیر خدا سے محبت کرنا ایک قسم کا شرک بھی ہے کیونکہ جب محبت کا رخ کسی کے ظاہری یا باطنی حسن و جمال کی وجہ سے غیر خدا کی طرف مڑ جائیگا تو چونکہ یہ جمال درحقیقت خداوند عالم کا عطا کردہ ہے اور وہ مصدر کمال و جمال ہے لہٰذا اس سے چشم پوشی کر کے کسی دوسرے کی طرف رخ کرنا شرک ہے۔

اسلام نے خداوند عالم کی جس محبت کی ترغیب دی ہے اس کی محبت میں اس کے چاہنے والے اور اس کے محبوب بندے لازمی طور پر شامل ہیں جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ کی محبت سے ذکر الٰہی کا شوق پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان کی ذات میں خداوند عالم کے صفات نمایاں رہتے ہیں اور خلاصہ یہ کہ ان کے ذریعے قرب خدا حاصل ہوتا ہے۔

رضائے الٰہی کے لئے محبت اور نفرت کی بنیاد پر ہی دشمنان خدا اور کافرین سے دشمنی اور دوری یعنی تبرا کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے۔

آیت کریمہ نے اسی بات کو ایک خوبصورت انداز میں یوں بیان کیا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [1]

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں۔

گویا ان کے درمیان بیحد الفت و محبت پائی جاتی ہے، اور محبت الٰہی نے ان کو ایک بنا دیا تھا اور اسی محبت کی بناء پر وہ دشمنان خدا کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔

زیارت عاشورہ میں اس عہد الٰہی کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

إِنِّي سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَة [2]

قیامت تک میری صرف اس سے صلح اور دوستی ہے جس سے آپ کی صلح اور دوستی ہو اور اس سے میری دشمنی ہے جس سے آپ حضرات کی جنگ اور دشمنی ہے۔

خداوند عالم کی سچی محبت کا اندازہ دو چیزوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ واجبات الٰہیہ کی پابندی اور محرمات سے پرہیز کیونکہ وہ انسان ہرگز سچا نہیں ہوسکتا ہے کہ جو محبت کا دم بھرتا ہو مگر اپنے محبوب کی اطاعت نہ کرے۔ کیونکہ خداوند عالم یقیناً ہم سے محبت کرتا ہے اسی لئے اس نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا

---

[1] سورۂ فتح آیت ۲۹

[2] مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا

ہے اور ہم یہ نعمتیں لینے کے بعد اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں تا کہ اپنے دل میں موجود اس کی محبت کا ثبوت دے سکیں اور یہی نہیں بلکہ اس شکر سے نعمتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [۱]

اگر تم ہمارا شکر ادا کرو گے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے۔

اس شکر کے نتیجہ میں اسے اتنی نعمتیں ملتی ہیں کہ وہ انسان کو اس کے اعلیٰ ترین درجہ اور مقام تک پہنچا دیتی ہیں۔

۲۔محبت الٰہیہ کا لازمہ یہ ہے کہ انسان سماجی معاشرتی اور اجتماعی واجبات اور حقوق بھی ضرور ادا کرے جیسے والدین کی اطاعت اور ان کو راضی رکھنا، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور صلۂ رحم، غرباء مساکین کی امداد اور ان سے محبت، نیز دشمنان خدا سے نفرت اور دوری وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے دوستی اور دشمنی کے تمام معیار معین کر دیئے ہیں کہ کہیں سے محبت کی جائے اور کس سے نفرت ہو جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ. [۲]

ایمان والو! خبردار مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنانا............

یہ ارشاد الٰہی بھی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ. [۳]

اے ایمان والو! خبردار میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بنانا۔

اس سے اسلامی وحدت اور بھائی چارہ کے عہد و میثاق کی عظمت کا پتہ چلتا ہے جو خالص عقیدۂ توحید کی آغوش میں پروان چڑھا ہے اور یہی (وحدت) اس عقیدہ کا جوہر اور اس کی پہچان ہے۔

---

[۱] سورۂ ابراہیم آیت ۷

[۲] سورۂ انبیاء آیت ۱۴۴

[۳] سورۂ ممتحنہ آیت ۱

خلاصہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلا اہم قدم یہ اٹھایا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کا عقد پڑھایا جس کے نتیجہ میں اسلامی سماج اور معاشرے میں بے مثال محبت اور برادری اور وحدت و اتحاد پیدا ہو گیا اور تمام مسلمانوں کے درمیان قربت اور محبت کی ایک بے نظیر فضا قائم ہوگئی!!

خداوند عالم نے تقویٰ و پرہیز گاری کو ہی فوقیت اور برتری کا معیار قرار دیا ہے اور آپسی روابط اور تعلقات کو خداوند عالم کی محبت اور دشمنی کی بنیاد پر استوار کرنے کی تاکید کی ہے۔

خداوند عالم کی محبت یا دشمنی کا اندازہ واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز کے ذریعہ لگایا جا سکتا ہے یا یہ کہ خدا کے نیک بندوں کی محبت ہو اور اس کے دشمنوں سے محبت اور تعلقات کے رشتے توڑ لئے جائیں۔

سوالات

۱۔ اسلام میں برتری کا معیار کیا ہے؟ سورۂ حجرات کی ایک آیت ذکر کیجئے!

۲۔ مومنین کے درمیان بھائی چارہ کی اہمیت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ذکر کیجئے؟

۳۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی سب سے محکم رسی کس چیز کو قرار دیا ہے؟

۴۔ اسلام نے ہمیں کس مقصد کے تحت اولیاء الٰہی کی دوستی کا حکم دیا ہے؟

۵۔ قرآن کریم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ ؐ کے اصحاب ؓ باوفا کی کیا صفات بیان کی ہیں؟

۶۔ خداوند عالم سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کا لازمی نتیجہ کیا ہے؟

باب۔۳

والدین کے حقوق

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اسلام o ایک اجتماعی اور معاشرتی دین ہے اور اس کے ماننے والے صرف رضائے خدا کے لئے اور اس کی راہ میں قدم اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے سے تعلقات اور رابطہ رکھتے ہیں۔

اسلام نے ہمیں معاشرے اور سماج میں زندگی بسر کرنے کے اصول بھی اچھی طرح بتا دیئے ہیں تا کہ ان کی معرفت کے بعد ان پر عمل کر کے ہم خدا کو خوش کر سکیں اور اس کے نتیجہ میں دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکنار ہو جائیں۔

چنانچہ اگر ہم دوسروں کے بارے میں اپنے فرائض اور واجبات ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے ان سے متعلق ان تمام حقوق کو جاننا ضروری ہے جو ہماری گردن پر ہیں۔

آئندہ دروس میں ہم مومنین پر ایک دوسرے کے واجب اور ضروری حقوق کا تذکرہ کریں گے لیکن فی الحال اس درس میں اولاد کے اوپر والدین کے حقوق کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ

اسلام میں اولاد کے اوپر والدین کا حق سب سے اہم اور واجب حق قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اپنی عبادت کا حکم ایک ساتھ دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا [1]

اور آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوجائیں تو خبردار! ان سے اف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اوران سے ہمیشہ شریفانہ گفتگو کرتے رہنا اوران کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اوران کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگاران دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا ہے۔

ان آیات کریمہ میں خداوند عالم نے جہاں اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے وہیں انہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کا حکم بھی دیا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا" میں احسان کے معنی کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

الْإِحْسَانُ أَنْ تُحْسِنَ صُحْبَتَهُمَا وَ أَنْ لَا تُكَلِّفَهُمَا أَنْ يَسْأَلَاكَ شَيْئاً مِمَّا يَحْتَاجَانِ إِلَيْهِ وَ إِنْ كَانَا مُسْتَغْنِيَيْنِ.

ان کے ساتھ حسن سلوک (احسان) کا مطلب یہ ہے کہ اچھی طرح ان کی ہم نشینی میں رہو اور اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی ان کی خدمت میں حاضر کردو چاہے وہ مستغنی ہی کیوں نہ ہوں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اولاد کے اوپر والدین کا کیا حق ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ. [2]

(مختصر یہ سمجھ لو) کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں

یعنی آخرت میں انسان انہیں والدین کے ذریعہ جنت یا جہنم تک پہنچے گا جیسا کہ اسی بات کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے:

الْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ. [3]

جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے

اگرچہ اولاد کے اوپر والدین کے حقوق کے بارے میں بکثرت احادیث موجود ہیں مگر اسکے باوجود ماں کے حقوق

---

[1] سورۂ اسراء آیت ۲۳ تا ۲۵

[2] الترغیب والترہیب ۳/۳۱۶

[3] کنز العمال ح ۴۵۴۳۹

اور مرتبہ کے سلسلہ میں مزید تاکید اور اولویت پائی جاتی ہے جیسا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے رسالہ حقوق میں اس کی طرف یوں اشارہ پایا جاتا ہے:

فَأَوْجَبُهَا عَلَيْكَ حَقُّ أُمِّكَ ثُمَّ حَقُّ أَبِيكَ ثُمَّ حَقُّ وُلْدِكَ ثُم.

اس کے بعد خداوند عالم نے تمہاری گردن پر تمہاری والدہ کا حق واجب قرار دیا ہے اس کے بعد تمہارے والد کا حق ہے اور پھر تمہاری اولاد کے حقوق ہیں آخر میں آپ نے ماں کے حقوق کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

فَحَقُّ أُمِّكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّهَا حَمَلَتْكَ حَيْثُ لَا يَحْمِلُ أَحَدٌ أَحَداً وَ أَطْعَمَتْكَ مِنْ ثَمَرَةِ قَلْبِهَا مَا لَا يُطْعِمُ أَحَدٌ أَحَداً وَ أَنَّهَا وَقَتْكَ بِسَمْعِهَا وَبَصَرِهَا وَ يَدِهَا وَ رِجْلِهَا وَ شَعْرِهَا وَبَشَرِهَا وَ جَمِيعِ جَوَارِحِهَا مُسْتَبْشِرَةً بِذَلِكَ فَرِحَةً موبلة [مُؤَمِّلَةً] مُحْتَمِلَةً لِمَا فِيهِ مَكْرُوهُهَا وَ أَلمه و ثقله و غمه [أَلَمُهَا وَ ثِقْلُهَا وَ غَمُّهَا] حَتَّى دَفَعَتْهَا عَنْكَ يَدُ الْقُدْرَةِ وَ أَخْرَجَتْكَ إِلَى الْأَرْضِ فَرَضِيَتْ أَنْ تَشْبَعَ وَ تَجُوعَ هِيَ وَ تَكْسُوكَ وَ تَعْرَى وَ تُرْوِيَكَ وَ تَظْمَأَ وَ تُظِلَّكَ وَ تَضْحَى وَ تُنَعِّمَكَ بِبُؤْسِهَا وَ تُلَذِّذَكَ بِالنَّوْمِ بِأَرَقِهَا وَ كَانَ بَطْنُهَا لَكَ وِعَاءً وَ حِجْرُهَا لَكَ حِوَاءً وَ ثَدْيُهَا لَكَ سِقَاءً وَ نَفْسُهَا لَكَ وِقَاءً تُبَاشِرُ حَرَّ الدُّنْيَا وَ بَرْدَهَا لَكَ وَ دُونَكَ فَتَشْكُرُهَا عَلَى قَدْرِ ذَلِكَ وَ لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا بِعَوْنِ اللهِ وَ تَوْفِيقِهِ.[1]

ماں کا یہ حق ہے کہ تم یہ یاد رکھو کہ اس نے تمہارے بوجھ کو (اپنے شکم میں) اتنے دن تک اٹھایا ہے جس کو کوئی دوسرا وہاں رکھ کر نہیں اٹھا سکتا اور اس نے تم کو اپنا خون دل پلایا ہے اور ایسی غذا دی جو دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا اور اس نے اپنے کان، آنکھ، ہاتھ، پیر، بال اور کھال بلکہ اپنے پورے وجود کی تمام توانائیوں کے ساتھ بخوبی ہنستے اور مسکراتے ہوئے اپنی تمام ناگواریوں اور مشکلات کے ہر بوجھ کو با آسانی اٹھالیا۔۔۔ یہاں تک کہ دست قدرت نے تم کو اس کے وجود سے جدا کر دیا اور تمہارے قدم زمین پر پہنچ گئے (تم پیدا ہو گئے) پھر بھی وہ اس سے خوش اور راضی رہی کہ چاہے خود بھوکی رہے مگر تم کو سیر کرتی رہے اور تم کو لباس پہنائے چاہے خود بے لباس رہنا پڑے تمہیں سیراب کرے چاہے خود پیاسی رہے، خود دھوپ برداشت کرلے مگر تمہیں اپنے سائے میں رکھے اور خود زحمتیں برداشت کر کے تمہیں نعمتوں سے سرشار کر دے اور بیدار رہ کر تمہیں خواب شیریں کا موقع فراہم کر دے اس کا شکم تمہاری خلقت کا ظرف اس کی گود تمہارا گھوارہ اور اس کا سینہ تمہیں سیراب کرنے والا چشمہ اور اس کا پورا وجود تمہارا محافظ تھا اس نے تمہارے لئے دنیا کی ہر سردی اور گرمی کو براہ راست اپنے اوپر سہہ لیا ہے لہٰذا تم اس مقدار میں اس کا شکرادا کرو اور یہ تمہارے لئے ناممکن ہے؟ مگر یہ کہ خداوند عالم کی توفیق اور امداد کے سہارے!

---

[1] بحار الانوار جلد ۷۴ باب ۱ ح ۲

اس کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے والد کے حق کا یہ فلسفہ بیان کیا ہے:

وأمّا حقُّ أبيك: فأنْ تعلَمَ أنَّهُ أَصلُكَ، وأنَّهُ لَولاهُ لَم تكُن، فَمَهْمَا رَأيْتَ فى نَفْسِكَ مِمَّا يُعْجِبُكَ، فاعلَم أنَّ أباكَ أصلُ النِّعمَةِ عَلَيكَ فيهِ، فاحمَدِ اللهَ واشكُرهُ عَلى قَدرِ ذلِكَ، ولا قُوَّةَ إلّا باللهِ.[١]

اور اپنے باپ کے حق کے بارے میں تمہیں یاد رہے کہ وہ تمہاری اصل بنیاد ہے اور تم اس کی شاخ ہو، اگر وہ نہ ہوتا تو تمہارا وجود بھی نہ ہوتا لہٰذا اپنے اندر تمہیں اگر کوئی ایسی نعمت نظر آئے جس سے تمہیں تعجب اور حیرت ہو تو دھیان رکھنا کہ تمہارا باپ ہی ان نعمتوں کی اصل بنیاد ہے لہٰذا خدا کی حمد کرو اور ان نعمتوں کے برابر اس کا شکر ادا کرو۔۔۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے ماں کی مہربانیوں کی جو نقشہ کشی فرمائی ہے اس سے ماں کی ماًمتا بالکل مجسم ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے جو کہ رحمت الٰہیہ کا ایک نمونہ ہے کیونکہ آغوش مادر جس لطف و محبت اور ماًمتا سے معمور ہوتی ہے اس کا ادراک ہمارے لئے ناممکن ہے۔

۲۔ بداخلاقی سے پرہیز

کسی بات پر ناگواری میں انسان کا سب سے معمولی ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے اُف نکل جاتا ہے اور اف وہ آواز ہے جو کسی معمولی افسوس کے لحات میں انسان کی زبان پر آجاتی ہے خداوند عالم کو اتنا معمولی اظہار شکوہ بھی والدین کے بارے میں برداشت نہیں ہے اسی لئے اس نے مومنین کو اف تک کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا[٢]

خبردار! ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

أَدْنَى الْعُقُوقِ أُفٍّ-وَلَوْ عَلِمَ اللهُ تَعَالَى شَيْئاً أَهْوَنَ مِنْ أُفٍّ لَنَهَى عَنْهُ.[٣]

عاق ہونے کے لئے سب سے معمولی چیز اُف کہنا ہے اور اگر خداوند عالم کی نظر میں کوئی اور چیز اس سے حقیر اور معمولی ہوتی تو وہ اس سے بھی منع فرما دیتا۔۔۔

---

[١] بحارالانوار جلد ۷۴ باب ۱ ح ۲

[٢] سورۂ اسراء آیت ۲۳

[٣] بحارالانوار ج ۷۴ ص ۶

لہٰذا جب پہلے مرحلۂ میں اف تک کرنے سے منع کر دیا گیا ہے تو اگر کوئی انہیں برا کہے یا بلند آواز سے ان سے بات کرے یا انہیں جھڑک دے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ کیونکہ یہ ایک گناہ کبیرہ ہے۔

چنانچہ اس گناہ کبیرہ کے بعد جو لوگ عاق ہو جاتے ہیں اگر خداوند عالم دوسرے گناہان کبیرہ کے عذاب کی طرح ان کا بھی سخت حساب لے اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان اکبر الکبائر عنداللہ یوم القیامة الشرك باللہ وقتل نفس المؤمن بغیر الحق و الفرار من سبیل اللہ یوم الزحف وعقوق الوالدین.[1]

خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بڑے گناہان کبیرہ یہ ہیں شرک باللہ، ناحق کسی مومن کو قتل کرنا، میدان جہاد (راہ خدا) سے فرار کرنا اور والدین کا عاق ہونا۔۔۔

دوسری حدیث میں ہے:

يُقَالُ لِلْعَاقِّ اعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنِّي لَا أَغْفِرُ لَكَ[2]

والدین کے عاق شدہ سے کہا جائے گا کہ جو تیرا دل چاہے انجام دے یقیناً میں تجھے معاف نہیں کر سکتا۔

مختصر یہ کہ عاق ہونے کا نتیجہ روز قیامت مغفرت الٰہی اور جنت سے محرومی ہے البتہ یہ واضح رہے کہ عاق ہونا بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے اور خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے گناہوں سے توبہ کے دروازے کھول رکھے ہیں لہٰذا انسان اپنے والدین کو خوش کرکے بآسانی اپنے ماضی کی تلافی کر سکتا ہے۔

اس مقام پر دو نکات کی طرف اور اشارہ ضروری ہے:

① ۔بعض روایات میں والدین سے بد اخلاقی اور اس کے ذریعہ عاق ہونے کے نمونے ذکر کئے گئے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ أَحْزَنَ وَالِدَيْهِ فَقَدْ عَقَّهُمَا.[3]

جس نے اپنے والدین کو غمزدہ کیا وہ عاق ہو گیا۔۔۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

---

[1] الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۳۲۷

[2] کنز العمال حدیث ۴۵۵۲۷

[3] کنز العمال حدیث ۴۵۵۳۷

مِنَ الۡعُقُوقِ أَنۡ يَنۡظُرَ الرَّجُلُ إِلَى وَالِدَيۡهِ فَيُحِدَّ النَّظَرَ إِلَيۡهِمَا.[1]

والدین کی طرف گھور کر دیکھنے سے بھی انسان عاق ہوجاتا ہے۔

عاق ہونے کا مسئلہ اس وقت اور نہایت حساس مرحلہ میں پہنچ جاتا ہے کہ جب والدین نے اپنی اولاد کے اوپر ظلم کیا ہو اور اس کے باجود بھی شریعت کا مطالبہ یہی ہے کہ اپنے والدین کی طرف غصہ بھری نظریں نہ اٹھائے ورنہ وہ بھی عاق شمار ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

مَنۡ نَظَرَ إِلَى أَبَوَيۡهِ نَظَرَ مَاقِتٍ وَهُمَا ظَالِمَانِ لَهُ لَمۡ يَقۡبَلِ اللهُ لَهُ صَلَاةً.[2]

جو شخص اپنے والدین کو غصہ بھری نگاہ سے دیکھے گا تو چاہے انہوں نے اس پر ظلم ہی کیوں نہ کیا ہو تب بھی خداوند عالم اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔

۲۔ عاق ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ والدین مسلمان ہی ہوں بلکہ اس حکم کے اندر غیر مسلم والدین بھی شامل ہیں کیونکہ اسلام میں والدین کے حقوق، عاق ہونے کی ممانعت اور وہ واجبات جن کی ادائیگی کے لئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو عملی شکل ملتی ہے یہ سب احکام اب بھی اسی قوت اور مضبوطی کے ساتھ باقی ہیں اور ایک مسلمان بیٹے کے لئے شرک کے علاوہ ہر چیز میں اپنے والدین کی اطاعت کا حکم اب بھی موجود ہے۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ ۚ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ ؕ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا.[3]

اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے بارے میں نصیحت کی ہے کہ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ سہ کر اسے پیٹ میں رکھا ہے اور اس کی دودھ بڑھائی بھی دو سال میں ہوئی ہے کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کہ تم سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے اور اگر تمہارے ماں باپ اس بات پر زور دیں کہ کسی ایسی چیز کو میرا شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا لیکن دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔

---

[1] (۲) بحار الانوار ج ۷۴ ص ۶۱

[2] گزشتہ حوالہ

[3] سورہ لقمان آیت: ۱۴/ ۱۵

جناب زکریا بن ابراہیم پہلے عیسائی تھے اور بعد میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دست مبارک پر اسلام سے مشرف ہوئے ایک دن جناب زکریا نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا میرے والدین عیسائی ہیں میری والدہ نابینا ہیں اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتا ہوں اور ان کے برتنوں میں ان کا کھانا کھاتا ہوں اس کا حکم کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے پوچھا: کیا وہ سور کا گوشت کھاتے ہیں؟

جناب زکریا نے عرض کیا: مولا! ہرگز نہیں کھاتے!

تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

کُلْ مَعَهُمْ وَاَحْسِنْ[1]

ان کے ساتھ کھا سکتے ہو اور جتنا ممکن ہو اپنی والدہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔

جناب زکریا کوفہ واپس آئے اور اپنی والدہ کی اچھی طرح خاطر مدارات کرنے لگے۔ انہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے، خود ہی ان کے کپڑے دھوتے تھے اور ان کی صفائی کا خیال رکھتے تھے۔ جس سے ان کو بہت تعجب ہوا تو انہوں نے ایک دن ان سے یہ پوچھا کہ بیٹا! جب تم ہمارے مذہب پر تھے تو میرے ساتھ یہ حسن سلوک نہیں کرتے تھے اور اب تو تم مجھ سے کچھ زیادہ ہی محبت اور نیک برتاؤ کے ساتھ پیش آ رہے ہو؟

جناب زکریا نے اپنی والدہ سے کہا کہ اسلامی ادب اور اخلاق یہی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ایک شخص نے مجھے اس کی ہدایت دی ہے۔

ان کی والدہ نے کہا: بیٹا! کیا وہ نبی ہیں؟

جناب زکریا نے جواب دیا نہیں! بلکہ وہ نبی کی اولاد میں سے ہیں۔

ان کی والدہ نے جواب دیا مگر یہ تو انبیاء کی ہدایت اور گفتگو محسوس ہوتی ہے۔

جناب زکریا نے جواب دیا وہ نبی نہیں ہیں بلکہ نبی کی اولاد میں سے ہیں اور امام ہیں

جناب زکریا کی والدہ نے بے ساختہ کہا: اے میرے لعل زکریا تم اسی دین کے پابند رہنا کیونکہ سب سے بہترین دین یہی ہے۔

پھر ان کی والدہ نے کہا: بیٹا! ذرا اپنا مذہب مجھے بھی سکھا دو۔

جناب زکریا نے اسلامی عقائد اور اس کی تعلیمات کو ان کے سامنے بیان کر دیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۳۷۴

انہوں نے نماز پڑھنا سیکھی پھر نماز ظہر سے عشاء کی نمازیں ادا کیں۔

اور خدا کی مشیت یہ تھی کہ اسی رات انہوں نے دنیا سے انتقال فرمایا اور اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا اور ایک مسلمہ اور مومنہ کی صورت میں دنیا سے گئیں سب مسلمان ان کی تشیع جنازہ میں شامل ہوئے اور احترام کے ساتھ اسلامی احکام کے مطابق انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

۳۔ شفقت اور نرمی

درس کے شروع میں ہم نے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیہ مبارکہ پڑھی ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ.[۱]

اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا۔

اس آیت میں (خفض جناح) شانے جھکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے نہایت درجہ تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کیا جائے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیۂ شریفہ کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

لَا تَمْلَأْ عَيْنَيْكَ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِمَا إِلَّا بِرَحْمَةٍ وَ رِقَّةٍ، وَ لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ فَوْقَ أَصْوَاتِهِمَا، وَ لَا يَدَكَ فَوْقَ أَيْدِيهِمَا، وَلَا تَقَدَّمْ قُدَّامَهُمَا.[۲]

یعنی جب بھی تم ان کی طرف دیکھو تو تمہاری آنکھیں رحمت اور شفقت و نرمی سے پر ہوں اور ان کی آواز پر اپنی آواز اور ان کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ بلند نہ کرو اور ان کے آگے نہ چلو۔

پھر آپ نے اس آیہ کریمہ "وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا"[۳] کی وضاحت میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تم کو ماریں تو ان سے کہو "غفر الله لکما" یعنی پروردگار آپ کے گناہوں کو معاف فرمائے۔

---

[۱] سورۃ الاسراء آیت ۲۴

[۲] بحار الانوار ج ۷۴ ص ۳۹/ ۴۰

[۳] گزشتہ حوالہ و اصول کافی ج ۲ ص ۱۵۸

خلاصہ

اسلام ایک اجتماعی اور معاشرتی دین ہے جس کے ماننے والے صرف رضائے الٰہی کے لئے ایک دوسرے سے تعلقات اور روابط رکھتے ہیں لہٰذا ہماری بھی یہی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے اوپر دوسروں کے واجب حقوق کو پہچانیں تاکہ ان کو بآسانی ادا کرنے میں ہمیں مدد مل سکے۔

انہی حقوق میں سے کچھ والدین کے حقوق بھی ہیں جن کو خداوند عالم نے اپنی اطاعت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کو سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔

لہٰذا ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ والدین کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کریں چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

سوالات

۱۔ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ (احسان) کرنے کے بارے میں قرآن مجید نے کیا کہا ہے؟

۲۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے دوسروں کے حقوق ذکر کرتے ہوئے ماں کے کیا حقوق بیان کئے ہیں؟

۳۔ عاق ہوجانے کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ذکر کریں؟

۴۔ روایات کی روشنی میں کس کس چیز سے اولاد عاق ہوسکتی ہے؟

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے سورہ اسراء کی ۲۵ ویں آیت کی وضاحت میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟

باب۔۴

صلہ رحمی

اسلام نے جن معاشرتی اور سماجی حقوق کی تاکید کی ہے اور مسلمانوں کو ان کی پابندی کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے اعزاء اقرباء کے ساتھ ہمیشہ اچھے روابط قائم رکھیں اسی کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اعزاء واقرباء سے ملاقات کرتا رہے اور ان کی مزاج پرسی کرے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے اگر غریب ہوں تو ان کی امداد کرے، پریشان حال ہوں تو ان کی مدد کے لئے پہنچے اور ان کے ساتھ گھل مل کر (شیر و شکر) ہو کر رہے اور نیک اعمال نیز پرہیزگاری وتقویٰ میں انہیں تعاون دے اگر کوئی کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو خود ان کا شریک ہو جائے اور اگر کسی کو کوئی مشکل در پیش ہو تو اسے حل کرنے کی کوشش کرے اور اگر ان کی طرف سے کوئی غلط رویہ یا کوئی ناروا کام دیکھے تو خوب صورت طریقے سے انہیں نصیحت کرے۔

کیونکہ ہر انسان کے اعزاء واقرباء ہی اس کے پشت پناہ ہوتے ہیں یعنی اگر حالات کے الٹ پھیر سے اس کے اوپر کوئی بھی افتاد پڑتی ہے تو اس کی نگاہیں انہیں کی طرف اٹھتی ہیں اسی لئے ان کا اتنا عظیم حق ہے۔

مولائے کائنات کا ارشاد ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا يَسْتَغْنِي الرَّجُلُ وَإِنْ كَانَ ذَا مَالٍ عَنْ [عَشِيرَتِهِ] عِتْرَتِهِ وَ دِفَاعِهِمْ عَنْهُ بِأَيْدِيهِمْ وَ أَلْسِنَتِهِمْ وَ هُمْ أَعْظَمُ النَّاسِ حَيْطَةً مِنْ وَرَائِهِ وَ أَلَمُّهُمْ لِشَعَثِهِ وَ أَعْطَفُهُمْ 313 عَلَيْهِ عِنْدَ نَازِلَةٍ إِذَا [إِنْ] نَزَلَت.[1]

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۲۳

اے لوگو! کوئی شخص چاہے جتنا مالدار ہو وہ اپنے اعزاء واقرباء اور قبیلے کی زبانی یا عملی اور دوسرے قسم کی امداد سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے اور جب اس پر کوئی افتاد و مصیبت پڑتی ہے تو اس میں سب سے زیادہ یہی لوگ اس کی پشت پناہی کرتے ہیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:

أَلَا لَا يَعْدِلَنَّ أَحَدُكُمْ عَنِ الْقَرَابَةِ يَرَى بِهَا الْخَصَاصَةَ أَنْ يَسُدَّهَا بِالَّذِي لَا يَزِيدُهُ إِنْ أَمْسَكَهُ وَلَا يَنْقُصُهُ إِنْ أَهْلَكَهُ وَمَنْ يَقْبِضْ يَدَهُ عَنْ عَشِيرَتِهِ فَإِنَّمَا تُقْبَضُ مِنْهُ عَنْهُمْ يَدٌ وَاحِدَةٌ وَتُقْبَضُ مِنْهُمْ عَنْهُ أَيْدٍ كَثِيرَةٌ وَمَنْ تَلِنْ حَاشِيَتُهُ يَسْتَدِمْ مِنْ قَوْمِهِ الْمَوَدَّةَ۔[1]

آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے اقرباء کو محتاج دیکھ کر اس مال سے ان کی حاجت برآری کرنے سے گریز نہ کرے جو باقی رہ جائے تو بڑھ نہیں جائے گا اور خرچ کر دیا جائے گا تو کم نہیں ہو جائے گا اس لئے کہ جو شخص بھی اپنی قوم اور قبیلہ سے اپنا ہاتھ روک لیتا ہے تو اس قبیلے سے ایک ہاتھ رک جاتا ہے اور خود اس سے بے شمار ہاتھ رک جاتے ہیں اور جس کے مزاج میں نرمی ہوتی ہے وہ قوم کی محبت کو ہمیشہ کے لئے حاصل کر لیتا ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے اس مقام پر اہل خانہ یا رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لینے کے نقصانات کی بہترین منظر کشی کی ہے کہ اس کے الگ ہو جانے کی وجہ سے اعزاء اقرباء کو صرف ایک شخص کا نقصان ہوتا ہے مگر وہ خود اپنے بے شمار ہمدردوں کو کھو بیٹھتا ہے اس طرح آپ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ: حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کے ذریعے اعزاواقربا کی محبتیں حاصل ہوتی ہیں جس میں بے شمار بھلائیاں پائی جاتی ہیں۔

یقیناً ہر بڑے خاندان یا قبیلے اور سماج میں بہت سارے افراد پائے جاتے ہیں جن کی صلاحیت، امکانات اور قابلیت بھی متفاوت ہوتی ہیں آپ کو ان کے اندر عالم، جاہل، مالدار، غریب، تندرست، توانا، کمزور، صاحبان جاہ وحشم یا بالکل بچھڑے ہوئے، ہر قسم کے افراد مل جائیں گے۔

تو آخر وہ ایسی کون سی چیز ہے جو اس سماج اور معاشرے کو ایک طاقتور، ترقی یافتہ اور بالکل معتدل سماج بنا سکتی ہے؟ یقیناً آپسی تعلقات اور روابط کا استحکام یا احساس ذمہ داری جو ایک دوسرے کی امداد، ترقی اور تعاون سے پیدا ہوتے ہیں یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے ہم اس نیک مقصد تک پہنچ سکتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر ثروت مند اپنی قوم کے غریبوں کا ہاتھ تھام لے طاقتور اپنی قوم کے کمزور طبقہ کے حقوق کی پشت پناہی کرے اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کے حق کے لئے ان

---

[1] نہج البلاغۃ (للصبحی صالح)، ص: ۶۵

کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو۔ بے شک کسی بھی قوم اور سماج میں صلہ رحمی کی بدولت ایک مضبوط طاقتور اور با عزت معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو آپسی بھائی چارہ اور اخوت و برادری کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے کی تاکید کی ہے اور کسی بھی حال میں ان روابط کو توڑنے یا انہیں کمزور کرنے کے خطرات سے انہیں بخوبی آگاہ کر دیا ہے۔

اور احادیث شریفہ میں تو صلہ رحمی کو اس قدر اہمیت اور بلند درجہ دیا گیا ہے کہ اسے دین اور ایمان قرار دے دیا جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أُوصِي الشَّاهِدَ مِنْ أُمَّتِي وَ الْغَائِبَ مِنْهُمْ وَ مَنْ فِي أَصْلَابِ الرِّجَالِ وَ أَرْحَامِ النِّسَاءِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَنْ يَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ كَانَتْ مِنْهُ عَلَى مَسِيرَةِ سَنَةٍ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنَ الدِّينِ. [1]

اپنی امت کے موجودہ اور غیر موجود حتی مردوں کے صلبوں اور عورتوں کے ارحام میں موجود اور قیامت تک آنے والے ہر شخص سے میری وصیت یہ ہے کہ اپنے اعزاء و اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کرے چاہے وہ اس سے ایک سال (مسافت) کے فاصلے پر کیوں نہ رہتے ہوں کیونکہ یہ دین کا حصہ ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَمُدَّ اللهُ فِي عُمُرِهِ وَ أَنْ يَبْسُطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ فَإِنَّ الرَّحِمَ لَهَا لِسَانٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَلْقٌ تَقُولُ يَا رَبِّ صِلْ مَنْ وَصَلَنِي وَ اقْطَعْ مَنْ قَطَعَنِي. [2]

جسے یہ خواہش ہے کہ خداوند عالم اس کی عمر میں اضافہ فرما دے اور اس کے رزق کو وسیع کر دے تو وہ صلہ رحم کرے کیونکہ قیامت کے دن رحم کو زبان گویائی دی جائے گی اور وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گی بار الٰہا جس نے مجھے جوڑا (وصل کیا) اس سے تو رابطہ قائم کرنا اور جس نے مجھے قطع کیا ہے (توڑ دیا) تو بھی اس سے رابطہ توڑ لینا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین کے واسطے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص مجھ سے ایک بات کا وعدہ کر لے میں اس کے لئے چار چیزوں کی ضمانت لے لوں گا۔

يَصِلُ رَحِمَهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُهُ وَ يُوَسَّعُ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ- وَ يُزَادُ فِي أَجَلِهِ وَ يُدْخِلُهُ اللهُ فِي الْجَنَّةِ الَّتِي

---

[1] بحار الانوار ج ۷۴ باب صلہ رحم

[2] بحار الانوار ج ۷۴ باب صلہ رحم

وَعَدَهُ.[۱]

اپنے اعزا واقربا سے صلہ رحم کرے تو خداوند عالم اسے اپنا محبوب رکھے گا اس کے رزق کو اس پر وسیع کر دے گا، اس کی عمر میں اضافہ فرمائے گا اور اس کو اس جنت میں داخل فرمائے گا جس کا اس سے وعدہ کیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

صِلَةُ الْأَرْحَامِ تُزَكِّي الْأَعْمَالَ، وَ تُنْمِي الْأَمْوَالَ، وَ تَدْفَعُ الْبَلْوى، وَ تُيَسِّرُ الْحِسَابَ، وَ تُنْسِئُ فِي الْأَجَلِ.[۲]

یعنی صلہ رحم، اعمال کو پاکیزہ اور اموال کو زیادہ کر دیتا ہے بلاؤں کو دور کرتا ہے اور حساب کو آسان کر دیتا ہے اور موت کو ٹال دیتا ہے۔ آپ نے ایک خطبہ میں فرمایا: کہ اس میں دین و ایمان، طول عمر، کثرت رزق، خدا کی محبت و رضا اور جنت کیا کچھ موجود نہیں ہیں یہ صلہ رحم ہی ہے جو دنیا میں انسان کی ثروت مندی اور آخرت میں اس کی جنت کا ضامن ہے اور خدا کی مرضی تو سب سے بڑی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا میں حیات طیبہ اور آخرت میں روشن اور تابناک مقدر کا مالک ہے۔

صلہ رحم کی اتنی اہمیت اور عظمت کو پہچاننے کے بعد کیا اب بھی یہ عذر تراشی صحیح ہے کہ اعزاء واقرباء سے ہم بہت زیادہ فاصلہ پر ہیں یا کام کی زیادتی کی بناء پر ہم بہت زیادہ مصروف رہتے ہیں لہٰذا ان سے رابطہ نہیں رکھ پاتے؟ اور خاص طور سے اگر کسی کا کوئی عزیز کسی کے ظلم کا شکار ہو تو کیا اس کے لئے یہ طریقہ کار واقعاً جائز ہے؟

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ہر مومن کے لئے ایک ایسا روشن اور واضح راستہ بنا دیا ہے جس پر چلنے والے ہر شخص سے خداوند عالم راضی رہے گا۔ روایات میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے یہ شکایت کی کہ مجھے میری قوم والے اذیت دیتے ہیں لہٰذا میں نے یہی بہتر سمجھا ہے کہ ان سے قطع تعلق کر لوں تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خداوند عالم تم سے ناراض ہو جائے گا، اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

تُعْطِي مَنْ حَرَمَكَ وَ تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَ تَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَكَ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ كَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَكَ ظَهِيراً.[۳]

جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کر دو جو تم سے رابطہ توڑے اس سے رابطہ قائم رکھو جو تمہارے اوپر ظلم کرے اسے

---

[۱] بحار الانوار ج ۷۴ باب صلہ رحم

[۲] بحار الانوار ج ۷۴ باب صلہ رحم

[۳] احیاء العلوم کتاب الصحبہ والمعاشرہ

معاف کردو اگر تم ایسا کرو گے تو ان کے مقابلہ کے لئے خداوند عالم تمہارا یار و مددگار ہے۔

مولائے کائنات نے فرمایا:

صِلُوا أَرْحَامَكُمْ وَإِنْ قَطَعُوكُم.[۱]

اپنے اعزا و اقرباء سے صلہ رحم کرو چاہے وہ تم سے قطع رحم کرلیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

إِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ وَ الْبِرَّ لَيُهَوِّنَانِ الْحِسَابَ وَ يَعْصِمَانِ مِنَ الذُّنُوبِ فَصِلُوا أَرْحَامَكُمْ وَ بَرُّوا بِإِخْوَانِكُمْ وَلَوْ بِحُسْنِ السَّلَامِ وَرَدِّ الْجَوَابِ.[۲]

صلہ رحم اور نیک برتاؤ حساب کو آسان کردیتے ہیں اور گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں لہٰذا اپنے اعزاء اقرباء کے ساتھ صلہ رحم کرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو چاہے اچھے انداز میں سلام کرکے یا اس کا جواب دے کر ہی کیوں نہ ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

صِلُوا أَرْحَامَكُمْ وَلَوْ بِالسَّلَامِ[۳]

اپنے ارحام سے صلہ رحم کرو چاہے سلام کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے

صِلْ رَحِمَكَ وَلَوْ بِشَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ، وَأَفْضَلُ مَا يُوصَلُ بِهِ الرَّحِمُ كَفُّ الْأَذَى عَنْهَا.[۴]

اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحم کرو چاہے ایک گھونٹ پانی کے ذریعہ ہو اور صلہ رحم کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے ارحام (اعزاء اقرباء) کو اذیت نہ دی جائے۔

مذکورہ احادیث شریفہ سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اچھے تعلقات اور روابط کے استحکام پر اور ان کے استوار کرنے میں صلہ رحم کیا کردار ادا کرتا ہے بہت ممکن ہے کہ آپ کسی سے دور ہونے کی بنا پر اس سے ملاقات نہ کرسکیں لیکن اس کے نام آپ کا ایک خط ہی آپ کی طرف سے اظہار محبت اور صلہ رحم کے لئے کافی ہو یعنی جس طرح آپ اپنے آس پاس موجود اعزاء و اقرباء کو والہانہ سلام کرتے ہیں۔ یہ خط بھی اسی طرح ایک صلہ رحم ہے حتیٰ کہ کسی کے لئے کسی برتن میں پانی پیش کرنا حتیٰ اگر

---

[۱] بحارالانوار ج ۷۴ باب صلہ رحم ص ۴۰۴

[۲] بحارالانوار ج ۷۴ باب صلہ رحم ص ۴۰۴

[۳] بحارالانوار ج ۷۴ باب صلہ رحم ص ۴۰۴

[۴] بحارالانوار ج ۷۱ ص ۸۸، ۱۰۳ تا ۱۱۷

انہیں کوئی اذیت نہ پہچائے تو یہ بھی ایک قسم کا صلہ رحم ہے بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صلہ رحم کا سب سے افضل طریقہ قرار دیا ہے۔

رشتہ داروں سے قطع تعلق

ہمیں بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے مذہب یعنی اسلام میں صلہ رحم اور اعزاء واقرباء سے تعلقات استوار رکھنے کی کیا اہمیت ہے۔ لہٰذا اب یہ جاننا بھی مناسب ہوگا کہ ان لوگوں سے تعلقات توڑ لینے کے بعد ایک مسلمان کی زندگی میں کتنے خطرناک اور بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ.[1]

تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ تم صاحب اقتدار بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو اور قرابت داروں سے قطع تعلقات کرلو۔

یا دوسری آیت میں ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ. وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ. أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ.[2]

جو خدا کے ساتھ مضبوط عہد کرنے کے بعد بھی اسے توڑ دیتے ہیں اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً خسارے والے ہیں۔

ان آیات میں خداوند عالم نے قطع رحم کو زمین میں فساد برپا کرنے کے برابر قرار دیا ہے اور اس کی طرف متوجہ کیا ہے کہ آپسی تعلقات توڑ لینے کے بعد (دشمنی) پیدا کرکے اور زمین پر فتنہ وفساد پھیلانے کے بعد بھی کیا تم کسی سعادت اور نجات کے امیدوار ہو؟ جب کہ خداوند عالم نے تم کو حکم دیا ہے کہ ہمیشہ آپسی بھائی چارگی اور صلہ رحم کو زیادہ سے زیادہ مستحکم اور پائیدار بنائے رکھو۔

قطع رحم اور مومنین میں جدائی اور افتراق کے کیا خطرناک نتائج اور نقصانات ہو سکتے ہیں۔ ان کو احادیث شریفہ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] سورہ محمد آیت ۲۲

[2] سورہ بقرہ آیت ۲۷

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ان الرحمة لاتنزل علی قوم فیهم قاطع رحم[1]

جس قوم کے اندر کوئی قاطع رحم موجود ہو اس پر رحمت نازل نہیں ہوسکتی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

وَجَدْنَا فِي كِتَابِ رَسُولِ اللهِ إِذَا قَطَّعُوا الْأَرْحَامَ جُعِلَتِ الْأَمْوَالُ فِي أَيْدِي الْأَشْرَارِ.[2]

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ مبارک تحریر دیکھی ہے کہ جب تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں (مومنین قطع رحم کر لیتے ہیں) تو ثروت اور اموال اشرار کے ہاتھوں میں پہنچ جاتے ہیں۔

اور آپ ہی نے مولائے کائنات علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ:

ثَلَاثُ خِصَالٍ لَا يَمُوتُ صَاحِبُهُنَّ أَبَداً حَتّٰى يَرَى وَبَالَهُنَّ: الْبَغْيُ، وَ قَطِيعَةُ الرَّحِمِ، وَ الْيَمِينُ الْكَاذِبَةُ، يُبَارِزُ اللهَ بِهَا.[3]

تین چیزیں ایسی ہیں جن کو انجام دینے والا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک خود اس کا نتیجہ نہ بھگت لے۔

۱۔ بغاوت (ظلم وستم) ۲۔ قطع رحم ۳۔ جھوٹی قسم جس کے ذریعہ خداوند عالم سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (کہ یہ دراصل خدا سے جھگڑا کرنا ہے۔

احادیث کے مطابق جو لوگ ایک دوسرے سے قطع رحم کرتے ہیں ان پر رحمت الٰہی نازل نہیں ہوتی اور اگر خدانخواستہ کسی قوم میں اس خطرناک بیماری (قطع تعلقات اور دشمنی) کا چلن ہو جائے تو ان کی ثروت اور خود ان کے اوپر اشرار (برے لوگوں) کا قبضہ ہو جاتا ہے اور یہ بالکل واضح سی بات ہے کہ جب صلہ رحم سے آپسی بھائی چارے اور برادری کو استحکام حاصل ہوتا ہے تو اگر یہ روابط ختم ہو جائیں اور کسی کو دوسرے کی فکر نہ رہ جائے اور کسی کے اندر احساس ذمہ داری باقی نہ رہے تو پھر لوٹ کھسوٹ کرنے والوں اور بدمعاشوں کے لئے راستے کھل جاتے ہیں اور وہ مومنین کی مال و دولت پر قابض ہو جاتے ہیں۔

اس طرح قطع رحم ان اعمال میں شامل ہے جن کا بھیانک نتیجہ انسان، دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہی مرتا ہے کیونکہ تعلقات اور روابط میں دوری اور آپسی رنجشیں یہ ایک قومی اور سماجی مسئلہ ہے جس کے خطرناک آثار بہت جلد کھل کر

[1] کنزالعمال ح ۶۹۷۸

[2] بحارالانوار ج ۷۰ ص ۳۶۹

[3] بحارالانوار ج ۷۱، ص ۱۳۴ و ج ۷۲ ص ۲۷۴

سامنے آجاتے ہیں اور قطع رحم کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے ہاتھوں سے کانٹے بو رہا ہو کہ کل اسے کانٹے ہی کاٹنا پڑیں گے اسی طرح شر اور برائی کے بیج بونے سے ندامت اور گھاٹے کے سوا کیا حاصل ہو سکتا ہے؟

خلاصہ

اسلام کے سماجی اور معاشرتی حقوق میں سے ایک اہم حق اعزاء واقرباء سے تعلقات قائم رکھنا اوران کے ساتھ صلۂ رحم کرنا بھی ہے۔

صلۂ رحم کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے اور ضرورت مندوں کی کفالت کی جائے اور سب لوگ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اس سے خوشحال اور ترقی یافتہ سماج وجود پاتا ہے۔

قطع رحم سے دنیا میں نقصان اور آخرت میں ندامت کے سوا کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

سوالات

۱۔ صلۂ رحم سے کیا مراد ہے؟

۲۔ روایات کی روشنی میں صلہ رحم کا طریقہ بیان کیجئے؟

۳۔ صلہ رحم کے بارے میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی روایت بیان کریں؟

۴۔ صلہ رحم کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کیجئے؟

۵۔ قطع رحم کے بارے میں کوئی آیت ذکر کیجئے؟

۶۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام سے بعض برے اعمال سے ڈرانے کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے اسے بیان کیجئے؟

باب۔ ۵

پڑوسی کے حقوق

اسلام میں پڑوسی اور ہمسایہ کے حقوق ادا کرنے کی بھی بہت تاکید کی گئی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عَلَيْكُمْ بِحُسْنِ الْجِوَارِ فَإِنَّ اللهَ أَمَرَ بِذَلِكَ.[1]

تم پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا حکم خود خداوند عالم نے دیا ہے۔

اس حدیث میں جس حکم الٰہی کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سورہ نساء کی ۳۶ ویں آیت ہے:

وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا.[2]

اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرو اور قرابتداروں کے ساتھ اور یتیموں، مسکینوں، قریب کے ہمسایہ، دور کے ہمسایہ، پہلونشین، مسافر غربت زدہ، غلام و کنیز سب کے ساتھ نیک برتاؤ کرو کہ اللہ مغرور اور متکبر لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کرنے کے بعد اس کو ترک کرنے کے اخروی خطرات سے متنبہ فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا:

---

[1] بحار الانوار ج ۶۹ باب ۳۸ حدیث ۱۱

[2] سورہ نساء آیت ۳۶

مَا زَالَ جَبْرَئِیلُ یُوصِینِی بِالْجَارِ حَتَّی ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَیُورِّثُهُ.[1]

پڑوسیوں کے بارے میں جبرئیلؑ نے مجھے مسلسل اتنی تاکید کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسیوں کو ایک دوسرے کا وارث بنا دیں گے۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے اپنی وصیت میں ارشاد فرمایا ہے:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِی جِیرَانِکُمْ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ أَوْصَی بِهِمْ مَا زَالَ یُوصِی بِهِمْ حَتَّی ظَنَنَّا أَنَّهُ سَیُوَرِّثُهُمْ.[2]

اللہ کے لئے، اللہ کے لئے اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو کیونکہ یہ تمہارے پیغمبر کی وصیت ہے پیغمبران کے بارے میں مسلسل اتنی وصیت اور تاکید فرماتے رہتے تھے کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگا کہ انہیں وارث قرار دے دیں گے۔

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کی تعظیم کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ أَحْسِنْ مُجَاوَرَةَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُؤْمِناً.[3]

اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آؤ تاکہ مومن بن سکو۔

۲۔ حُرْمَةُ الْجَارِ عَلَی الْإِنْسَانِ کَحُرْمَةِ أُمِّهِ.[4]

پڑوسی کا احترام ماں کے احترام کی طرح ضروری ہے۔

۳۔ مَا تَأَکَّدَتِ الْحُرْمَةُ بِمِثْلِ الْمُصَاحَبَةِ وَالْمُجَاوَرَةِ.[5]

دوستوں اور پڑوسیوں کے احترام کی طرح کسی احترام کی تاکید نہیں کی گئی ہے۔

۴۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا:

یَا نَبِیَّ اللّٰهِ فِی الْمَالِ حَقٌّ سِوَی الزَّکَاةِ.

اے نبی خدا کیا مال میں زکات کے علاوہ کوئی اور حق ہے؟ حضرت نے فرمایا:

---

[1] کنز العمال حدیث ۲۴۹۱۳
[2] بحار الانوار ج ۷۱ صفحہ ۱۵۳
[3] بحار الانوار ج ۷۴ صفحہ ۱۱۶
[4] بحار الانوار ج ۷۳ صفحہ ۱۵۴
[5] میزان الحکمہ باب ۸ ۶۳

قَالَ نَعَمْ بِرُّ الرَّحِمِ إِذَا أَدْبَرَتْ وَ صِلَةُ الْجَارِ الْمُسْلِمِ فَمَا (آمَنَ بِي) مَنْ بَاتَ شَبْعَاناً [شَبْعَانَ] وَ جَارُهُ الْمُسْلِمُ جَائِعٌ.[1]

ہاں! جب کوئی رشتہ دار تم سے قطع تعلق کر لے تو اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرو اور مسلمان پڑوسی کے ساتھ صلہ رحم کرو وہ میرے اوپر ہرگز ایمان نہیں لایا ہے کہ جو رات کو سیر ہو کر سو جائے اور اس کا مسلمان پڑوسی بھوکا ہو۔

۵۔ ایک شخص اپنا گھر خریدنے سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشورہ کرنے آیا تو آپ نے فرمایا:

الْجَارَ ثُمَّ الدَّارِ، الرَّفِيقَ قَبْلَ السَّفَرِ.[2]

یعنی گھر خریدنے سے پہلے پڑوسی اور سفر سے پہلے ہم سفر کو دیکھو۔

۶۔ روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے سوال کیا کہ کیا آپ حضرات کو پڑوسی کا حق معلوم ہے؟

سب نے عرض کی: نہیں!

فرمایا کہ اگر وہ تمہیں اپنی مدد کے لئے پکارے تو اس کی امداد کو پہنچو،

قرض مانگے تو اسے قرض دے دو،

ضرورت مند ہو جائے تو اس کی ضرورت کو پورا کرو

اسے کوئی خوشی نصیب ہو تو اسے مبارک باد دو،

مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرو،

کوئی غم یا مصیبت آن پڑے تو اسے تسلی دو اور تعزیت پیش کرو۔

اگر مر جائے تو اس کی تدفین میں شریک ہو،

اور اپنے گھر کی دیواریں اتنی بلند نہ کرو کہ اس کی دھوپ اور ہوا کی آمد و رفت رک جائے مگر یہ کہ وہ اجازت دے دے اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس کے یہاں بھی بھجوا دو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے ہو تو پھر انہیں چھپا کر اپنے گھر میں لیجاؤ اور تمہارے بچے انہیں باہر لے کر نہ نکلیں تا کہ اس کے بچوں کو افسوس نہ ہو

اور اپنے خوشبودار کھانوں سے اسے دل آزردہ نہ کرو مگر یہ کہ اس میں سے کچھ اس کے یہاں بھی بھجوا دو۔[3]

۷۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے رسالہ حقوق میں پڑوسی کے یہ حقوق بیان کئے ہیں:

---

[1] بحار الانوار ج ۷۱ ص ۱۵۱

[2] میزان الحکمہ باب ۶۴

[3] بحار الانوار ج ۷۹ باب تعزیہ والماتم ص ۹۳

وَأَمَّا حَقُّ جَارِكَ فَحِفْظُهُ غَائِباً وَإِكْرَامُهُ شَاهِداً وَنُصْرَتُهُ إِذْ كَانَ مَظْلُوماً وَلَا تَتَبَّعُ لَهُ عَوْرَةً فَإِنْ عَلِمْتَ عَلَيْهِ سُوءاً سَتَرْتَهُ عَلَيْهِ وَإِنْ عَلِمْتَ أَنَّهُ يَقْبَلُ نَصِيحَتَكَ نَصَحْتَهُ فِيمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ وَلَا تُسْلِمُهُ عِنْدَ شَدِيدَةٍ وَتُقِيلُ عَثْرَتَهُ وَتَغْفِرُ ذَنْبَهُ وَتُعَاشِرُهُ مُعَاشَرَةً كَرِيمَةً.[1]

تمہارے اوپر تمہارے پڑوسی کا یہ حق ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے (حقوق) کی حفاظت کرو موجود ہو تو اس کا احترام کرو مظلوم ہو تو اس کی مدد کرو اس کے رازوں کی تلاش میں نہ رہو اور اگر تمہیں اس کی کوئی بری بات معلوم بھی ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھو اور اگر تمہیں احساس ہو کہ وہ تمہاری نصیحت قبول کرلے گا تو اسے تنہائی میں نصیحت کرو مشکلات میں اسے تنہا نہ چھوڑ دو اس کی لغزشوں کو کم کرنے کی کوشش کرو اس کی غلطیوں کو معاف کردو اور اس کے ساتھ بزرگوارانہ زندگی بسر کرو۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بچپنے میں ہر شب جمعہ میں اپنی والدہ گرامی کو دیکھتا تھا کہ آپ نماز شب میں دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے ایک ایک پڑوسی کے لئے دعا فرماتی تھیں تو میں نے ایک دن آپ سے پوچھا: اے مادر گرامی! آپ نے اپنے لئے دعا کیوں نہیں فرمائی؟

شہزادی کائنات سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ[2]

اے میرے لال پہلے پڑوسی پھر گھر۔

یقیناً اہل بیت علیہم السلام پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں اور اس کے ساتھ ان حضرات نے اپنے چاہنے والوں کو اپنی زبان اور عمل سے اس کے فوائد اور نتائج سے بھی باخبر کردیا ہے چنانچہ مولائے کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْسَنَ إِلَى جِوَارِهِ كَثُرَ خَدَمُهُ.[3]

جو شخص پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے گا اس کے خدمت گذار زیادہ ہوجائیں گے۔

آپ ہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ حَسَنَ جِوَارُهُ كَثُرَ جِيرَانُهُ[4]

---

[1] بحار الانوار ج ۷۱ باب جوامع الحقوق ص ۷

[2] بحار الانوار ج ۴۳ ص ۸۱ ج ۸۶ ص ۳۱۳

[3] غرر الحکم ص ۴۳۷

[4] گزشتہ حوالہ

پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرنے والوں کے پڑوسیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

تاریخ انسانیت کے تجربات گواہ ہیں کو جو شخص اپنے پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھتا اوران کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لئے آغوش محبت پھیلائے رہتے ہیں اپنی محبت اوراس کے احترام کا ثبوت دینے کے لئے اس کی خدمت کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اوراس پر قربان رہنے کے لئے تیار رہتے ہیں اسی لئے اس کے پڑوسیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے اوراس کے تعلقات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کے اور بھی بے شمار فوائد ہیں مثلاً اس سے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے آبادی اور ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

حُسْنُ الْجِوَارِ يَزِيدُ فِي الرِّزْقِ.[1]

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے رزق میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

یا آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

حُسْنُ الْجِوَارِ يَعْمُرُ الدِّيَارَ وَيَزِيدُ فِي الْأَعْمَارِ.[2]

پڑسیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے سے بستیاں آباد اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

پڑوسیوں کو اذیت دینا!

اسلام نے جہاں پڑوسیوں کے ساتھ اچھے سے اچھے تعلقات قائم رکھنے اوران سے نیک برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے وہیں پڑوسیوں کو کسی بھی قسم کی اذیت پہنچانے سے منع کیا ہے اور پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھنے اورانہیں اذیت نہ دینے کو ایمان کے پرکھے جانے کا معیار قرار دیا ہے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ.[3]

جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے۔

انصار میں سے ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ایک گھر خریدا ہے مگر اس کے پڑوسی سے مجھے نہ خیر کی امید ہے اور نہ میں اس کے شر سے امان میں ہوں تو حضرت پیغمبر

---

[1] بحار الانوار ج ۷۱ ص ۵۳

[2] اصول کافی ج ۲ ص ۲۲۷ باب حق الجوار

[3] بحار الانوار ج ۴۳ باب ۳ صفحہ ۶۱

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار افراد یعنی حضرت علی علیہ السلام جناب سلمان ؓ، جناب ابوذر ؓ اور جناب مقداد ؓ کو بلایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ مسجد میں با آواز بلند یہ اعلان کردیں کہ:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَمْ يَأْمَنْ جَارُهُ بَوَائِقَه.[۱]

جس کے شر سے اس کا پڑوسی امان میں نہ ہو وہ مومن نہیں ہے۔

'ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے پڑوسی کی شکایت کی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ صبر کرلو اس نے دوبارہ شکایت کی تو آپ نے پھر فرمایا کہ صبر کرو وہ تیسری بار پھر پڑوسی کی شکایت لے کر آیا تو آپ نے کہا کہ اپنے گھر کا سارا سامان باہر نکال کر سڑک پر بیٹھ جانا، جب لوگ اس کی وجہ دریافت کریں تو ان سے اپنے پڑوسی کی ایذا رسانیوں کا تذکرہ کرنا۔ چنانچہ جب اس کے موذی پڑوسی نے یہ صورت حال دیکھی تو اسے اپنی ذلت و رسوائی کا خطرہ محسوس ہوا اور اس نے اس سے معافی طلب کرکے گھر میں واپس آجانے کا مطالبہ کیا اور اس سے یہ عہد کیا کہ اب وہ کوئی اذیت نہیں دے گا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور انہیں اذیت دینے سے پرہیز کرنے کے حکم کے علاوہ معصومین نے ہمیں اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ خبردار اپنے پڑوسیوں کے حالات سے بے رخی اختیار نہ کرنا کہ تمہیں یہی معلوم نہ رہے کہ ان میں کون بھوکا ہے اور کون شکم سیر؟ اسی لئے احادیث میں پڑوسیوں کی طرف سے بے توجہی کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَيْسَ بِالْمُؤْمِنِ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ إِلَى جَنْبِهِ جَائِع.[۲]

وہ مومن نہیں ہے جو سیر ہو کر سو جائے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَا آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ مَنْ بَاتَ شَبْعَاناً [شَبْعَانَ] وَجَارُهُ جَائِع.

وہ خداوند عالم اور آخرت پر ایمان نہیں لایا ہے جو رات کو شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے!

اصحاب نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تو پھر ہلاک ہو جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ فَضْلِ طَعَامِكُمْ وَ مِنْ فَضْلِ تَمْرِكُمْ وَ وَرِقِكُمْ وَ خَلَقِكُمْ وَ خِرَقِكُمْ تُطْفِئُونَ بِهَا غَضَبَ الرَّحْمنِ.[۳]

---

[۱] وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۱۲۵

[۲] کنز العمال ح ۲۴۹۲۹

[۳] بحار الانوار ج ۷۷، باب ۷

اپنا اضافی کھانا یا کھجوریں (پھل وغیرہ) درہم (روپیہ) یا اخلاق اور لباس کے ذریعہ تم غضب الٰہی کو خاموش کر سکتے ہو۔

اس حدیث شریف میں غریب اور نادار پڑوسیوں کا خیال رکھنے کی اتنی تاکید ہے کہ کم از کم جو کھانا یا لباس وغیرہ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو اس سے ان کی امداد کر دو تا کہ تمہارے اس نیک اخلاق سے ان کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گھر کے کتنے فاصلے تک پڑوسی کا شمار کیا جاتا ہے تو اس کا جواب بھی ہمیں مولائے کائنات علیہ السلام کی اس حدیث میں باآسانی مل جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

حَرِيمُ الْمَسْجِدِ أَرْبَعُونَ ذِرَاعاً وَ الْجِوَارِ أَرْبَعُونَ دَاراً مِنْ أَرْبَعَةِ جَوَانِبِهَا.[1]

مسجد کا پڑوس (حریم) چالیس ذراع (ہاتھ) ہے اور پڑوسی، گھر کے چاروں طرف چالیس گھروں کو کہا جاتا ہے۔

ہمارے بہت سارے علماء نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اسلام کے دوسرے آداب و اخلاق کی طرح پڑوسیوں کا خیال رکھنے کے بارے میں بھی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں جس کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے۔

فقیہ کبیر سید جواد عاملی نے اپنا ایک قصہ یوں بیان فرمایا ہے کہ:

ایک دن میں گھر پر رات کا کھانا کھا رہا تھا تو کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھا کہ میرے استاد علامہ بحر العلوم کا خادم آیا ہے اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے استاد نے آپ کو ابھی طلب کیا ہے اور جب تک آپ نہ پہنچ جائیں گے وہ کھانا نہیں کھائیں گے!

چنانچہ میں نے فوراً کپڑے پہنے اور تیزی سے ان کے گھر پہنچ گیا، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو ان کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں تھے اور انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا! کیا تم کو خدا کا خوف نہیں ہے؟ کیا خدا سے حیاء نہیں کرتے ہو؟

میں نے حیران ہو کر پوچھا: میں نے آخر کیا غلطی کی ہے؟

انہوں نے فرمایا: تمہارے پڑوسی کو ایک ہفتہ سے کھانا نصیب نہیں ہوا اور وہ دکان سے بالکل سستی کھجوریں ادھار لے کر کھا رہا تھا اور آج دکان دار نے قرض کی زیادتی کی بناء پر اسے کھجوریں ادھار دینے سے بھی منع کر دیا ہے اور آج رات وہ بالکل بھوکے ہیں؟

---

[1] گذشتہ حوالہ

میں نے عرض کی: اے استاد محترم! خدا کی قسم مجھے اس کی ہرگز اطلاع نہیں تھی اگر مجھے اس کی خبر ہوتی تو میں ضرور ان کی امداد کرتا۔

استاد نے کہا: مجھے یہی افسوس ہے کہ تمہیں اپنے پڑوسیوں کا حال بھی معلوم نہیں ہے۔ کس طرح انہوں نے سات دن بھوکے رہ کر گزار دیئے ہیں اور تم کو خبر بھی نہ ہوئی اور اگر تمہیں معلوم ہوتا اور اس کے بعد بھی تم کچھ نہ کرتے تو پھر تم مسلمان بھی نہ رہتے بلکہ یہودی ہوتے۔

اس کے بعد استاد نے اپنے خادم کو کھانے سے بھری ہوئی ایک سینی اٹھانے کا حکم دیا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کے ساتھ یہ کھانا لے کر اپنے پڑوسی کے گھر جاؤں اور اس سے کہوں کہ آج رات میں آپ کے ساتھ کھانا کھانے آیا ہوں اور یہ بھی کہا کہ یہ روپے لیجاؤ اور انہیں اس کے تکیہ کے نیچے رکھ دینا۔

یہ واقعہ گواہ ہے کہ سید بحر العلوم صرف اپنے ہی پڑوسیوں کی خبر گیری نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اپنے شاگردوں کے پڑوسیوں کا بھی خیال تھا۔

خلاصه

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کے لئے اسلام نے سخت تاکید کی ہے اور اسے اسلامی آداب کا جز قرار دیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین نے بھی اس سلسلہ میں تاکید فرمائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے، گھر اور شہر آباد ہوتے ہیں اور ان میں ترقی ہوتی ہے۔

روایات میں ہے کہ پڑوسی کو اذیت دینے حتیٰ کہ اس کی خبر گیری نہ کرنے سے خدا غضب ناک ہوتا ہے اور جو شخص اپنے پڑوسی کو اذیت دے وہ مومن نہیں ہے۔

سوالات

۱۔ پڑوسیوں سے حسن سلوک کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث بیان کریں؟

۲۔ مولائے کائنات نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے کیا فوائد بیان فرمائے ہیں؟

۳۔ پڑوسیوں کو اذیت دینے کی مذمت کے بارے میں ایک روایت بیان فرمائیں؟

۴۔ علامہ بحر العلومؒ نے اپنے اس شاگرد سے کیا فرمایا جو اپنے پڑوسیوں کے حالات سے بے خبر تھا؟

باب۔٦

معاشرتی زندگی کا طریقہ

ہر معاشرہ میں دوسروں کے ساتھ صحیح روابط قائم کرنے کے لئے کچھ قواعد وضوابط اور اصولوں کی رعایت ضروری ہے۔تا کہ اول یہ کہ ہم خودکو اپنے معاشرہ میں ایک اچھی اور مثالی شخصیت کے طور پر پیش کرسکیں چنانچہ اگر ہم کامیاب ہوگئے تو ہمارے اچھے اخلاق کو دیکھ کر لوگ ہم سے رابطہ رکھنے کے خواہش مند ہوں گے نیز اس سے ہمارے اقدار بھی بلند ہوں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اس کے ذریعہ ہم دوسروں کے حقوق کو پہچان کر انہیں ادا کرنے کی کوشش کریں اور انہیں پامال کرنے سے پرہیز کریں۔

یہ اصول اور قواعد دو قسم کے ہیں: کچھ ایسی صفات اور خصوصیات ہیں جن پر ہمیں دوسروں کے ساتھ رابطہ رکھتے وقت عمل کرنا چاہئے اور ان سے آراستہ ہونا چاہئے اور کچھ وہ بری عادتیں اور خصلتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہئے دوسرے الفاظ میں کچھ ایسے اخلاقی فرائض ہیں کہ جن کی پابندی کا اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے اور کچھ ایسی اخلاقی برائیاں ہیں جن سے سماجی زندگی میں پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے۔لہٰذا جب تک ہم ان دونوں اصولوں کی رعایت نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری اجتماعی اور سماجی زندگی بہتر نہیں ہوسکتی ہے۔

وہ تمام اچھے اخلاقی صفات وخصوصیات، جن کو ہم اپنی سماجی اور اجتماعی زندگی میں مدنظر رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں یا وہ تمام بداخلاقیاں اور بری عادتیں جن سے پرہیز کرتے ہیں انہیں ''سماجی اخلاق'' (آداب معاشرت) کہا جاتا ہے ہم آئندہ چند اسباق میں ان تمام آداب کو ایک ایک کرکے بیان کریں گے۔

حسن خلق (خوش اخلاق ہونا)

معاشرتی زندگی یعنی دوسروں کے ساتھ رفت و آمد اور اٹھنے بیٹھنے میں ہر انسان کی خواہش یہی رہتی ہے کہ وہ سماج میں باعزت رہے اور تمام لوگ اس کا احترام کریں اور اس سے محبت کریں۔

معاشرے میں اور لوگوں کے درمیان باوقار اور صاحب مرتبہ ہونے کی یہ خواہش انسان کے اندر اس لئے ہوتی ہے کہ فطری طور پر انسان تنہائی سے وحشت کرتا ہے لہٰذا (جیسا کہ ہم نے پچھلے دروس میں اشارہ کیا کہ) انسان کی بہت سی مادی و معنوی ضروریات صرف لوگوں سے رابطہ رکھ کر ہی پوری ہوتی ہیں اور تنہائی یا گوشہ نشینی کی صورت میں یہ ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں ہیں اسی لئے جب انسان بالکل تنہا یا لوگوں سے کنارہ کش ہوجاتا ہے تو اسے اپنے اندر ایک قسم کی کمی اور محتاجی کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ رنجیدہ ہوتا ہے لہٰذا انسان اپنی مادی و معنوی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس قسم کے روابط رکھنے پر مجبور ہے اور لوگوں سے اچھے تعلقات اور روابط رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ سماج میں اس کا اپنا ایک مقام ہوتا کہ لوگ اسے اپنے درمیان قبول کریں اور اس سے تعلقات رکھنے کو تیار ہوں اس طرح انسان دوسروں سے اچھی عادتیں سیکھ کر اپنی ذاتی صلاحیتوں اور اچھائیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرسکتا ہے اور کمال کی منزلوں پر فائز ہوسکتا ہے۔

لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور ان کی رضایت اور محبت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور اچھا برتاؤ کریں۔ دراصل خوش اخلاقی نہ صرف یہ کہ لوگوں کے دلوں کو جیتنے کا بہترین ذریعہ ہے بلکہ بہت ساری دوسری اچھائیوں کا بھی محور ہے۔ یعنی جب تک خوش اخلاقی نہ ہو دوسرے اخلاقی صفات کی واقعی قدر و قیمت ظاہر نہیں ہوسکتی ہے۔ مثلاً اگر سخاوت خوش اخلاقی کے ساتھ نہ ہو بلکہ بداخلاقی کے ساتھ سخاوت کی جائے تو اسے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ جب تک انسان کشادہ روئی سے کسی کو کوئی تحفہ نہ دے تو کوئی اسے قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح مثال کے طور پر اگر شجاعت و بہادری بداخلاقی کے ساتھ ہو تو وہ کینہ اور دشمنی دکھائی دے گی اور دوست و دشمن سے ملنے میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ لہٰذا اگر تمام اخلاقی عادات کے ساتھ خوش اخلاقی بھی ہو تو انسان کی شان اور اس کا مرتبہ دوبالا ہوجائے گا۔

علمائے اخلاق، حسن خلق کی تعریف میں کہتے ہیں کہ: حسن خلق، نفس انسانی کی اس حالت کو کہا جاتا ہے جو انسان کو لوگوں کے ساتھ کشادہ روئی اور خوش زبانی کے ساتھ اچھے برتاؤ کی طرف لے جاتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک روایت اس تعریف کی تائید کرتی ہے کہ جب کسی نے آپ سے یہ سوال کیا کہ حسن خلق کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

تُلِينُ جَنَاحَكَ، وَ تُطِيبُ كَلَامَكَ، وَ تَلْقَى أَخَاكَ بِبِشْرٍ حَسَنٍ.[۱]

حسن خلق یہ ہے کہ اپنے شانوں کو جھکالو (تواضع) کرو اپنی گفتگو کو پاک و پاکیزہ بناؤ (اچھی گفتگو کرو) اپنے برادر دینی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرو۔

امام علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ "تُلِينُ جَنَاحَكَ" (اپنے شانوں کو جھکالو) اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آؤ۔ اور سختی یا غیظ وغضب کے برتاؤ سے پرہیز کرو مومن کی سختی اور غیظ وغضب صرف کافر کے مقابلہ میں ہونا چاہئے اور مومنین کو آپس میں محبت والفت سے پیش آنا چاہئے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت اور اس کی دنیوی اور اخروی قدر و قیمت کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے بہت ساری روایتیں وارد ہوئی ہیں یہاں ہم نمونہ کے طور پر چند حدیثوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

أَفَاضِلُكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقاً الْمُوَطَّئُونَ أَكْنَافاً الَّذِينَ يَأْلَفُونَ وَ يُؤْلَفُونَ وَ تُوَطَّأُ رِحَالُهُمْ.

[۲]

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق و کردار اچھا ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کی عزت واحترام کرتے ہیں اور دوسروں سے محبت سے پیش آتے ہیں اور دوسرے بھی ان سے الفت ومحبت سے پیش آتے ہیں اور وہ اپنے دروازے سب کے لئے کھلے رکھتے ہیں۔

إِنَّ صَاحِبَ الْخُلُقِ الْحَسَنِ، لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ[۳]

خوش اخلاق انسان کا اجر اس شخص کے جیسا ہے جو دنوں میں روزے رکھتا ہے اور راتیں عبادت میں گزار دیتا ہے۔

أَوَّلُ مَا يُوضَعُ فِي مِيزَانِ الْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُسْنُ خُلُقِهِ.[۴]

روز قیامت انسان کے میزان اعمال میں سب سے پہلے اس کا اچھا اخلاق رکھا جائے گا۔

مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلَ فِي الْمِيزَانِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ.[۵]

---

[۱] بحار الانوار ج ۷۱ ص ۱۷۱

[۲] اصول کافی ج ۲، ص ۱۰۲ اباب حسن خلق

[۳] گذشتہ حوالہ ص ۱۰۰

[۴] بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۸۵، باب حسن الخلق

[۵] بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۸۵، باب حسن الخلق

روز قیامت میزان اعمال میں خوش اخلاقی سے زیادہ وزنی اور با فضیلت کوئی چیز نہیں ہوگی۔

ایک دوسری روایت میں لفظ ''اثقل'' یعنی سب سے زیادہ وزنی کے بجائے ''احسن'' (یعنی سب سے اچھا) کا لفظ آیا ہے۔ایک اور روایت میں (افضل۔یعنی سب سے بہتر) کا لفظ ذکر ہوا ہے۔

إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَجْلِساً أَحْسَنُكُمْ خُلُقاً.[۱]

تم میں قیامت کے روز میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے قریب تر وہ ہوگا جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

لَا قَرِينَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ.[۲]

خوش اخلاقی سے بہتر کوئی ساتھی نہیں ہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں:

عُنْوَانُ صَحِيفَةِ الْمُؤْمِنِ حُسْنُ خُلُقِهِ.[۳]

مومن کے اعمال نامہ کا عنوان اس کی خوش اخلاقی ہے۔

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ أَحْسَنَ الْحَسَنِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ.[۴]

سب سے اچھی نیکی خوش اخلاقی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً.[۵]

ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔

خوش اخلاقی کے سلسلہ میں معصومین کے ارشادات کے یہ کچھ اور نمونے تھے جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کئے

---

[۱] بحار الانوار ج ۶۶، ص ۴۰۹

[۲] بحار الانوار ج ۶۸، ص ۳۹۲

[۳] بحار الانوار ج ۶۸، ص ۳۸۶

[۴] بحار الانوار ج ۶۸، ص ۳۷۲

[۵] بحار الانوار ج ۸۶، ص ۳۷۲

ہیں لیکن ان سب سے بڑھ کر وہ مقام ہے کہ جہاں خداوند عالم نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحسین وتکریم کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ.[1]

اور آپ بلندترین اخلاق کے درجہ پر فائز ہیں۔

ایک اور دوسری آیت میں خداوند عالم ارشاد فرمارہا ہے کہ: اے میرے حبیب اگر خدا کے لطف وکرم سے آپ خوش اخلاق اور خندہ رونہ ہوتے تو لوگ آپ پر ایمان نہ لاتے اور آپ سے دور ہوجاتے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ.[2]

اے پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے نرم دل ہیں ورنہ اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

حضرت علی علیہ السلام جو تمام اصحاب وانصار میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تھے اور آنحضرتؐ کو ان سے بہتر کسی نے نہیں پہچانا آپ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات اس طرح بیان فرمائے ہیں؟؟

كَانَ أَجْوَدَ النَّاسِ كَفّاً وَ أَجْرَأَ النَّاسِ صَدْراً وَ أَصْدَقَ النَّاسِ لَهْجَةً وَ أَوْفَاهُمْ ذِمَّةً وَ أَلْيَنَهُمْ عَرِيكَةً وَ أَكْرَمَهُمْ عِشْرَةً مَنْ رَآهُ بَدِيهَةً هَابَهُ وَ مَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَ لَا بَعْدَه.[3]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ عطا وبخشش کرنے والے، کشادہ سینہ رکھنے والے، سب سے زیادہ سچے اور عہد وپیمان کو وفا کرنے والے، نرم مزاج، لوگوں سے ملنے جلنے میں کریم تھے جو بھی آپ کو پہلی مرتبہ دیکھتا خوش ہوجاتا، جو ان کا ہم نشین ہوتا ان کو پہچان لیتا تھا اور انہیں چاہنے لگتا، میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کو آپ جیسا نہیں پایا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش اخلاقی کا ایک نمونہ حضرت علی علیہ السلام یوں بیان فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودی کے کچھ مقروض تھے ایک روز وہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنا قرض واپس مانگا، آپ نے اس سے فرمایا: فی الحال میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔

یہودی نے کہا جب تک آپ میرے پیسے نہیں دیں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔

---

[1] سورہ قلم: آیت ۴

[2] سورہ آل عمران: آیت ۱۵۹

[3] بحار الانوار ج ۱۶ ص ۲۳۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تمہارے پاس بیٹھا رہوں گا، آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور نماز ظہر و عصر اور مغرب وعشاء اور اگلے دن کی نماز صبح اسی کے پاس پڑھی، یہ دیکھ کر آپ کے اصحاب نے اس یہودی کو ڈرایا دھمکایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کرتے ہو؟

اصحاب نے عرض کی! اس لئے کہ اس یہودی نے آپ کو قید کر رکھا ہے۔

آپ نے فرمایا: خداوند عالم نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں دوسروں پر ظلم کروں۔ اگلے روز ظہر کے وقت اس یہودی کے زبان پر کلمہ شہادتین جاری تھا اور وہ اسلام لے آیا اور تب اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: خدا کی قسم میں نے یہ صرف اس لئے کیا تھا کہ آپ کا کردار دیکھ سکوں، کیونکہ میں نے توریت میں آپ کی یہ صفات پڑھی ہیں:

خدا کے نبی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جائے ولادت مکہ ہے اور ان کی ہجرت کا مقام مدینہ ہے اور نہ تند مزاج ہیں اور نہ غصہ ور اور نہ چیخنے چلانے والے ہیں نہ سخت مزاج اور نہ ہی بدزبان و بدکلام ہیں۔

میں بھی خدا کی واحدنیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور اپنا مال خدا کے لئے وقف کرتا ہوں۔ یہ میرا مال ہے اس کے بارے میں آپ کو اختیار ہے اور اس کے بعد اس یہودی نے جو بہت مالدار تھا اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہم نے اس واقعہ کو اس لئے پیش کیا ہے تا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش اخلاقی سے بھی واقف ہو جائیں اور اس کے ساتھ اس آیۂ کریمہ کا مصداق بھی پہچان لیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1]

رسول کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔

البتہ یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی زندگی میں مذکورہ واقعہ جیسے بے شمار واقعات ہیں جو تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں وہ اکثر افراد جو اسلام کے گرویدہ ہوئے ہیں وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے عظیم الشان کریمانہ اخلاق، شرح صدر اور تواضع کی وجہ سے ہی مسلمان ہوئے تھے۔

خوش اخلاقی کے نتائج

خوش اخلاقی کے بہت سارے فوائد ہیں جن میں بعض تو اس قدر واضح ہیں کہ جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی ہم یہاں بعض فوائد کو معصومین علیہم السلام کی احادیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] سورۃ احزاب آیت ۲۱

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

حُسْنُ الْخُلُقِ يَزِيدُ فِي الرِّزْقِ.[1]

خوش اخلاقی روزی میں اضافہ کرتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

حُسْنُ الْأَخْلَاقِ يُدِرُّ الْأَرْزَاقَ وَيُونِسُ الرِّفَاقَ[2]

خوش اخلاقی روزی کو زیادہ کرتی ہے اور دوستوں کی انسیت کا باعث ہوتی ہے۔

اسی طرح آپ فرماتے ہیں:

مَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ كَثُرَ مُحِبُّوهُ وَأَنِسَتِ النُّفُوسُ بِهِ.[3]

جس کا اخلاق اچھا ہوتا ہے اس کے چاہنے والے زیادہ ہوتے ہیں اور لوگ اس سے مانوس رہتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ الْبِرَّ وَحُسْنَ الْخُلُقِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيدَانِ فِي الْأَعْمَارِ.[4]

بے شک خوش اخلاقی شہروں کو آباد اور عمروں میں اضافہ کرتی ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں:

إِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ يُذِيبُ الْخَطِيئَةَ كَمَا تُذِيبُ الشَّمْسُ الْجَلِيدَ وَإِنَّ سُوءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ.[5]

بے شک اچھا اخلاق خطاؤں کو اسی طرح خشک کر دیتا ہے جس طرح سورج کھال کو خشک کر دیتا ہے اور برا اخلاق عمل کو اسی طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا معصومین نے ایک طرف تو ہمیں خوش اخلاقی کی تاکید کر کے ہمارے لئے اس کے نتائج و اثرات بھی بیان کر دیئے ہیں اور دوسری طرف بداخلاقی سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے اور اس کے برے اثرات

---

[1] بحار الانوار ج ۶۸، ص ۳۹۶

[2] غرر الحکم ص، ۲۵۵

[3] گزشتہ حوالہ

[4] بحار الانوار، ۶۸ ص ۳۹۵

[5] گزشتہ حوالہ

سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

سُوءُ الخُلقِ ذَنْبٌ لَا يُغْفِرُ. [1]

بداخلاقی ایسا گناہ ہے جس کی بخشش نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

سُوءُ الْخُلُقِ شَرٌّ قَرِين [2]

بداخلاقی بدترین ساتھی ہے۔

سُوءُ الْخُلُقِ نَكَدُ الْعَيْشِ وَعَذَابُ النَّفْسِ. [3]

بداخلاقی زندگی کی تلخی اور عذاب جان ہے۔

سُوءُ الْخُلُقِ يُوحِشُ النَّفْسَ وَيَرْفَعُ الْأُنْس [4]

بداخلاقی انسان کو وحشی بنا دیتی ہے اور انس ومحبت کو ختم کر دیتی ہے۔

سُوءُ الْخُلُقِ يُوحِشُ الْقَرِيبَ وَيُنَفِّرُ الْبَعِيد [5]

بداخلاقی اقرباء کو اجنبی اور دور والوں کو متنفر کر دیتی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ. [6]

دو خصلتیں ایسی ہیں جو مومن کے اندر نہیں پائی جاسکتیں۔ بخل (کنجوسی) اور بداخلاقی۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں ہمیں بخوبی معلوم ہوگیا کہ اچھے اخلاق کے فوائد کتنے زیادہ ہیں اور اس سے انسان کو کس قدر سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے جب کہ بداخلاقی انسان کے لئے کس طرح وبال جان بن جاتی ہے۔

---

[1] میزان الحکمہ باب، ۱۱۱۵

[2] (۲،۳،۴،۵) غرالحکم ص ۲۶۴، اعلام ج ۵، ص ۱۳۱

[3] (۲،۳،۴،۵) غرالحکم ص ۲۶۴، اعلام ج ۵، ص ۱۳۱

[4] (۲،۳،۴،۵) غرالحکم ص ۲۶۴، اعلام ج ۵، ص ۱۳۱

[5] (۲،۳،۴،۵) غرالحکم ص ۲۶۴، اعلام ج ۵، ص ۱۳۱

[6] میزان الحکمہ باب، ۱۱۱۵

خلاصہ

دوسروں سے صحیح اور اچھے روابط قائم کرنے کے لئے کچھ اخلاقی اصولوں کی روایت کرنا اور کچھ بری باتوں اور عادتوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

خوش اخلاقی، معاشرتی اخلاق کا اہم ترین جز ہے اور دوسروں سے روابط قائم کرنے کے لئے اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

سوالات

۱۔علمائے اخلاق نے خوش اخلاقی کی کیا تعریف کی ہے؟

۲۔خداوند عالم نے قرآن کریم میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجلیل وتکریم کے سلسلہ میں کیا فرمایا ہے؟

۳۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش اخلاقی کا ایک نمونہ بیان کریں؟

۴۔خوش اخلاقی کے دو آثار یا نتائج بیان کریں؟

۵۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بد اخلاقی کے سلسلہ میں کیا فرمایا ہے؟

باب۔۷

تواضع

لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے خوش اخلاقی کے بعد ایک اہم اخلاقی فریضہ، تواضع ہے قرآن مجید میں خداوند عالم جب اپنے خاص بندوں کی اہم صفات کو بیان کرتا ہے تو تواضع کو ان کی ایک اہم صفت کے عنوان سے ذکر کرتا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا.[1]

اور اللہ کے بندے وہی ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کا پیغام دے دیتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں خداوند عالم نے اپنے خاص بندوں کی جو سب سے پہلی صفت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ چلتے وقت باوقار اور متواضع رہتے ہیں اس لئے کہ کسی بھی انسان کے چلنے کا انداز اس کے اندرونی خصوصیات کی غمازی کرتا ہے لہٰذا انسان کی رفتار یا اس کی نشست و برخاست کو دیکھ کر بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کون متواضع ہے اور کون مغرور، اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے جب متقین کی صفات بیان فرمائیں تو راستہ چلتے وقت متواضع رہنے کو متقین کی ایک خاص صفت کے عنوان سے بیان فرمایا ہے جیسا کہ آپؑ فرماتے ہیں:

وَمَشْيُهُمُ التَّوَاضُعُ.[2]

اور متقین کی رفتار متواضعانہ ہے۔

---

[1] سورۂ فرقان آیت ۶۳

[2] بحار الانوار ج ۶۷، باب ۱۴، روایت ۵۰

اسی طرح خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں مومنین کو آگاہ فرمایا ہے کہ اگر تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے تو خدا ایک دوسری قوم کو تمہاری جگہ پر لائے گا جو مومنین کے ساتھ متواضع اور کافروں کے مقابلے میں سربلند ہوں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ [1]

اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خدا ایک قوم کو لے آئے گا جو اس کی محبوب اور اس سے محبت کرنے والے مومنین کے سامنے خاکسار اور کفار کے سامنے صاحب عزت ہوگی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تواضع کو انسان کے لئے سربلندی اور عظمت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

إِنَّ التَّوَاضُعَ يَزِيْدُ صَاحِبَهُ رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا يَرْفَعُكُمُ اللهُ [2]

بیشک تواضع انسان کے مرتبہ کو بلند کرتی ہے لہٰذا تواضع اختیار کرو تاکہ خداوند عالم تمہیں سربلند کردے۔

پھر آپ فرماتے ہیں۔

مَن تَوَاضَعَ اللهُ رَفَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ ضَعِيْفٌ وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ. [3]

جو خدا کے لئے تواضع کرتا ہے خداوند عالم اس کو سربلند کرتا ہے۔ اگرچہ وہ خود اپنی نظر میں حقیر و کمزور ہو لیکن لوگوں کی نظر میں باعظمت اور سربلند رہتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهٖ لَا عِزَّ إِلَّا لِمَنْ تَذَلَّلَ لِلّٰهِ وَلَا رِفْعَةَ إِلَّا لِمَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ. [4]

جناب لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اگر کوئی عزت ہے تو صرف اس کے لئے جو خدا کے سامنے خضوع و خشوع کرے اور اگر کوئی منزلت اور سربلندی ہے تو اس کے لئے جو خدا کے لئے تواضع کرتا ہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں:

إِنَّ فِي السَّمَاءِ مَلَكَيْنِ مُوَكَّلَيْنِ بِالْعِبَادِ فَمَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَاهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَاهُ. [5]

---

[1] سورہ مائدہ آیت ۵۴
[2] بحار الانوار، ج ۱۸، باب ۴ روایت ۲
[3] کنز العمال ج ۳، ص ۱۱۳، حدیث ۵۷۳۷
[4] مشکوۃ الانوار ص ۲۲۶
[5] بحار الانوار ج ۵۹، باب ۲۳، حدیث ۵۰

آسمان میں دوفرشتے ہیں جو بندگان خدا پر موکل ہیں لہٰذا جو بھی خدا کے لئے تواضع کرتا ہے وہ اس بندے کو سربلند کردیتے ہیں اور جوغرور تکبر کرتا ہے اسے ذلیل وخوار کرڈالتے ہیں۔

تواضع کی فضیلت اور تاکید کے سلسلہ میں معصومین سے جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ بھی بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں نمونہ کے طور پر صرف چند حدیثیں پیش کررہے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

زِينَةُ الشَّرِيفِ التَّوَاضُعُ.[1]

شریف انسان کی زینت تواضع ہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں:

التَّوَاضُعُ زَكَاةُ الشَّرَفِ[2]

تواضع شرف کی زکوۃ ہے۔

آپ نے امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے:

عَلَيْكَ بِالتَّوَاضُعِ فَإِنَّهُ مِنْ أَعْظَمِ الْعِبَادَةِ.[3]

تواضع اختیار کرو اس لئے کہ تواضع عظیم عبادتوں میں سے ایک ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

التَّوَاضُعُ نِعْمَةٌ لَا يُحْسَدُ عَلَيْهَا.[4]

تواضع وہ نعمت ہے کہ جس پر لوگ حسد نہیں کرتے۔

تواضع کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی قدر منزلت کے مطابق اس کا احترام کیا جائے اور خودکو اس سے افضل و برتر نہ جانے، یہاں جو بات وضاحت طلب ہے اس سلسلہ میں: سب سے پہلی بات تو یہ ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ تواضع کا معیار یہ ہے کہ انسان خداوند عالم کی رضا کو مدنظر رکھے اور تواضع صرف خدا کے لئے ہونا چاہئے (نہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے) اسی لئے تواضع صرف مومنین کے سامنے جائز ہے اور مشرکین اور کفار کے سامنے جائز نہیں ہے۔

---

[1] بحارالانوار ج ۷۵، باب ۵۱ حدیث ۱۱

[2] بحارالانوار ج ۷۵، باب ۵۱ حدیث ۱۱

[3] بحارالانوار ج ۷۵، باب ۵۱ حدیث ۱۱

[4] بحارالانوار ج ۷۸، باب ۲۹، حدیث ۱

دوسرے یہ کہ: تواضع کا تعلق ایمان اور تقویٰ سے ہوتا ہے لہٰذا امیروں کی دولت کی لالچ میں ان کے سامنے تواضع کرنا مذموم ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ:

مَنْ أَتَى ذَا مَيْسَرَةٍ فَيَخْشَعُ لَهُ طَلَبَ مَا فِي يَدِهِ- ذَهَبَ ثُلُثَا دِينِه.[1]

جو شخص مالدار کے سامنے اس کے مال کی طمع کی وجہ سے تواضع کرتا ہے اس کا دوتہائی دین برباد ہوجاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

مَا أَحْسَنَ تَوَاضُعَ الْأَغْنِيَاءِ لِلْفُقَرَاءِ طَلَباً لِمَا عِنْدَ اللهِ وَ أَحْسَنُ مِنْهُ تِيهُ الْفُقَرَاءِ عَلَى الْأَغْنِيَاءِ اتِّكَالًا عَلَى الله.[2]

کتنا بہتر ہے کہ دولت مند حضرات فقراء کے سامنے اس اجر وثواب کے لئے جو انہیں اللہ کی طرف سے ملے گا تواضع کریں اور اس سے بہتر یہ ہے کہ فقراء خداوند عالم پر بھروسہ کرتے ہوئے دولت مند کی طرف توجہ نہ دیں۔

لہٰذا کسی کے سامنے بھی تواضع کرنے میں صرف اس کے ایمان وتقویٰ یا بندگی خدا کو مدنظر رکھنا چاہئے نہ کہ اس کے مال ودولت یا اقتدار کو، اس لئے کہ اسلام نے فضیلت کا سب سے بہترین معیار تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

تیسرے یہ کہ تواضع وفروتنی میں حد اعتدال کی رعایت کرنا ضروری ہے اس لئے کہ تواضع میں زیادتی انسان کی پستی اور تحقیر کا باعث ہوتی ہے اور کبھی کبھی یہ چاپلوسی بن جاتی ہے۔ اسی طرح تواضع میں کوتاہی اور بے توجہی کا انجام تکبر ہوتا ہے، اس لئے غرور تکبر سے بچنے کے ساتھ ساتھ تواضع میں افراط سے بھی پرہیز کرنا چاہئے جیسا کہ روایت میں ہے کہ: "التکبر علی المتکبرین هو التواضع"[3] متکبر کے ساتھ تکبر کرنا ہی تواضع ہے، لہٰذا متکبر اور مغرور انسان کے سامنے تواضع کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے تواضع سے پیش آنے والے مومن کی توہین اور ذلت ہوتی ہے اور وہ بلاوجہ حقیر بنتا ہے اور اس سے متکبر کے تکبر میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

تواضع کے حدود اور اس کی علامتیں

کسی کے اندر تواضع کے حدود کو جاننے کے لئے ان حدود کی طرف توجہ لازم ہے جن کو معصومین علیہم السلام نے بیان فرمایا

[1] بحارالانوار ج ۷۳، باب ۱۲۲، حدیث ۵۸

[2] بحارالانوار ج ۷۲، باب ۹۴، حدیث ۵۷

[3] شرح نہج البلاغ لابن ابی الحدید/ ج ۲۰/ ۲۹۸/ الحکم المنسوب.....ص: ۲۵۳

ہے:

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ تواضع کی کیا حد ہے؟

آپ نے فرمایا:

أَنْ تُعْطِيَ النَّاسَ مِنْ نَفْسِكَ مَا تُحِبُّ أَنْ يُعْطُوكَ مِثْلَه.[1]

تواضع کی حد یہ ہے کہ لوگوں کا اتنا ہی احترام کرو جتنی تم ان سے اپنے احترام کی توقع رکھتے ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

التَّوَاضُعُ أَنْ تَرْضَى مِنَ الْمَجْلِسِ بِدُونِ شَرَفِكَ وَ أَنْ تُسَلِّمَ عَلَى مَنْ لَاقَيْتَ وَ أَنْ تَتْرُكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كُنْتَ مُحِقّاً وَرَأْسُ الْخَيْرِ التَّوَاضُعُ [2]

تواضع کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھنے کے لئے جو جگہ ملے اسی پر راضی ہو جاؤ اگرچہ تمہارے مقام سے کمتر ہی کیوں نہ ہو اور یہ کہ جس سے بھی ملو اسے سلام کرو اور جھگڑے سے پرہیز کرو چاہے تم حق پر ہی کیوں نہ ہو اور یاد رکھو کہ نیکی کا سرچشمہ اور اس کی اصل بنیاد تواضع ہے۔

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام تواضع کی پہچان بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَا يُحِبَّ أَنْ يُحْمَدَ عَلَى التَّقْوَى.[3]

انسان یہ پسند نہ کرے کہ لوگ اس کے تقویٰ کی وجہ سے اس کی تعریف کریں۔

تواضع کے نتائج

تواضع کے آثار میں سے ایک فائدہ وہ ہے جسے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے علم و حکمت حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

فَكَذَلِكَ الْحِكْمَةُ تَعْمُرُ فِي قَلْبِ الْمُتَوَاضِعِ وَلَا تَعْمُرُ فِي قَلْبِ الْمُتَكَبِّرِ الْجَبَّارِ لِأَنَّ اللهَ جَعَلَ التَّوَاضُعَ آلَةَ الْعَقْلِ وَجَعَلَ التَّكَبُّرَ مِنْ آلَةِ الْجَهْلِ.[4]

---

[1] بحار الانوار، ج ۱۷، باب ۶۳، حدیث ۱۱

[2] بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱، حدیث ۲۰

[3] بحار الانوار ج ۲، باب ۱۷، حدیث ۲۰

[4] بحار الانوار ج ۱۴، باب ۲۱، حدیث ۱۷

اس طرح حکمت متواضع انسان کے دل میں اتر آتی ہے حالانکہ متکبر کے دل میں حکمت نہیں ٹھرتی ہے اس لئے خداوند عالم نے تواضع کو عقل کا آلہ اور تکبر کو جہل کا آلہ قرار دیا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اس قول کی مانند جناب عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل ہوا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ایک روز جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو مخاطب کر کے فرمایا: میری ایک حاجت ہے اگر تم لوگ پوری کرو تو بیان کروں:

حواریوں نے کہا: آپ کا جو حکم ہو ہم اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے اور ان سب کے پیر دھونے لگے تو آپ کے سب ساتھی شرمندگی میں غرق ہو گئے لیکن چونکہ انہوں نے آپ کی خواہش قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے خاموش رہے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے ان سب کے پیر دھلا دیئے۔ جب آپ ان سب کے پیر دھلا چکے تو انہوں نے کہا: آپ ہمارے معلم ہیں ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ کے پیر دھلائیں نہ کہ آپ ہمارے پیر دھلائیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ایسا اس لئے کیا تا کہ تمہیں یہ بتا سکوں کہ لوگوں کی سب سے زیادہ خدمت عالم کو کرنا چاہئے۔ میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تا کہ خود تواضع کر سکوں اور تمہیں تواضع کا درس دے سکوں تم بھی جب میرے بعد لوگوں کو تعلیم و ہدایت دینا تو تواضع کو اپنا شیوہ بنانا۔

یہ جان لو کہ بنیادی طور پر حکمت تواضع کی زمین پر پھولتی پھلتی ہے نہ کہ تکبر کے ذریعہ، بالکل ویسے ہی جیسے سبزہ نرم اور نشیب در زمین پر اگتا ہے نہ کہ سخت اور پتھریلی یا اونچی زمین پر۔

تواضع کے ایک دوسرے نتیجہ کو حضرت علی علیہ السلام اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ثَمَرَةُ التَّوَاضُعِ الْمَحَبَّة و ثمرة الكبر المسبة.[1]

تواضع کا نتیجہ دوستی اور تکبر کا نتیجہ دشمنی ہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں:

التَّوَاضُعُ يَكْسُوكَ السَّلَامَةَ[2]

تواضع تمہارے لئے سلامتی کا باعث ہے۔

آپ ہی سے منقول ہے کہ:

---

[1] غرر الحکم ج ۳، ص ۳۲۷

[2] بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱، حدیث ۱۱

التَّوَاضُعُ يَكْسُوكَ الْمَهَابَةَ [۱]

تواضع تمہیں بزرگی کا لباس پہناتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ. [۲]

خداوند عالم نے میری طرف یہ وحی فرمائی ہے کہ: تواضع اختیار کرو تا کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر ظلم و ستم نہ کرے۔

لہٰذا خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکمت، محبت، سلامتی، بزرگی، صلح و صفائی، رفعت و منزلت یہ سب تواضع کے نتیجے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک سفر میں کہیں دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے رکے، طے یہ پایا کہ گوسفند ذبح کر کے پکایا جائے۔

ایک صحابی نے کہا: گوسفند میں ذبح کروں گا،

دوسرے نے کہا: اس کی کھال وغیرہ میں اتار دوں گا،

تیسرے نے کہا: میں اسے پکا دوں گا،

اس طرح سب نے اپنا کام تقسیم کر لیا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں صحرا سے لکڑیاں جمع کر کے لاؤں گا۔

اصحاب نے ایک زبان ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ زحمت نہ کریں آپ کی جگہ ہم خود یہ کام کر لیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم سب کام کر لو گے مگر خدا کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ وہ اپنے بندے کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ خود کو اپنے ساتھیوں سے ممتاز قرار دے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگل کی طرف چلے گئے اور کافی مقدار میں لکڑیاں جمع کر کے لے آئے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ فِي الدُّنْيَا لِإِخْوَانِهِ- فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الصِّدِّيقِينَ، وَ مِنْ شِيعَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ علیہ السلام حَقّاً. [۳]

---

[۱] بحار الانوار ج ۷۷، باب ۱۴ ح حدیث ۱

[۲] کنز العمال ج ۳، ص ۱۱۰، حدیث ۵۷۲۲

[۳] بحار الانوار ج ۴۱، ص ۵۵، ج ۷۲، ص ۱۱۷

جو اپنے بھائیوں کے لئے دنیا میں تواضع کرے گا وہ خداوند عالم کے نزدیک صدیقین اور حضرت علی علیہ السلام کے سچے شیعوں میں شامل ہے۔

ایک دوسرا واقعہ حضرت علی علیہ السلام سے متعلق ہے:

ایک روز دو آدمی حضرت علی علیہ السلام کے مہمان ہوئے جن میں سے ایک باپ اور دوسرا اس کا لڑکا تھا جب وہ لوگ آئے تو آپ نے کھڑے ہوکر ان کا استقبال کیا اور انہیں صدر مجلس میں جگہ دی اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر کھانا لایا گیا سب نے کھانا کھایا، کھانے کے بعد جناب قنبر طشت، لوٹا، اور تولیہ لائے اور مہمان کے ہاتھ دھلانا چاہتے تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام اٹھے اور قنبر کے ہاتھ سے لوٹا لے لیا تاکہ مہمان کے ہاتھوں پر خود پانی ڈالیں۔ لڑکے کا باپ شرم کی وجہ سے آپ کے پیروں پر گر پڑا اور عرض کی: مولا! کیا خدا مجھے اس حالت میں دیکھے کہ آپ میرے ہاتھوں پر پانی ڈال رہے ہیں؟

امام نے جواب دیا: بیٹھو اور اپنے ہاتھ دھو اس لئے کہ خدا تمہیں بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے اس بھائی کو بھی دیکھ رہا ہے جس نے خود کو تم سے بہتر اور ممتاز نہیں سمجھا ہے اور تمہاری خدمت کر رہا ہے۔

اس نیت سے کہ جنت میں اہل دنیا کے دس برابر اس کی خدمت کی جائے گی۔

پھر وہ شخص اٹھ کر بیٹھ گیا امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں اپنے حق کی عظمت کی قسم دیتا ہوں جس سے تم واقف ہو اور اس کی بنا پر میرا یہ احترام کیا ہے اور اس تواضع کی قسم جو تم نے خدا کے سامنے کی ہے جس پر خدا تمہیں اجر دے گا اور اس چیز کی قسم کہ جس کی وجہ سے خدا نے مجھے تمہاری خدمت پر آمادہ کیا اور اس کا شرف بخشا تم اسی اطمینان و سکون سے بیٹھ کر ہاتھ دھونا جس طرح اس وقت دھوتے جب قنبر پانی ڈالتے۔

تب حضرتؑ نے اس کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور مہمان نے اپنے ہاتھ دھوئے جب امام مہمان کے ہاتھ دھلا چکے تو پانی کا لوٹا اپنے فرزند جناب محمد حنفیہ کو دیا اور ان سے فرمایا: اگر یہ لڑکا اپنے باپ کے بغیر میرا مہمان ہوا ہوتا تو میں خود اس کے ہاتھ دھلاتا لیکن خداوند عالم یہ نہیں چاہتا کہ باپ اور بیٹے کا احترام ایک انداز سے ہو اس لئے جب باپ کے ہاتھ باپ نے دھلائے تو بیٹے کے ہاتھ بیٹے کو دھلانے چاہئیں تب جناب محمد حنفیہ نے اس کے لڑکے کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور اس نے اپنے ہاتھ دھوئے امام حسن عسکری علیہ السلام اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَمَنِ اتَّبَعَ عَلِيّاً علیہ السلام عَلَى ذٰلِكَ فَهُوَ الشِّيعِيُّ حَقّاً [1]

جو بھی حضرت علی علیہ السلام کی اس طرح پیروی کرے گا وہی حقیقی شیعہ ہے۔

[1] بحار الانوار ج ۴۱، باب ۱۰۵، حدیث ۵

خلاصہ

لوگوں کے ساتھ فروتنی اور تواضع سے پیش آنا بھی ایک اچھی صفت ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے خاص بندوں کی صفت قرار دیا ہے۔

تواضع سے رشت وحکمت محبت ودوستی اور رفعت ومنزلت وغیرہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

سوالات

١۔فروتنی اور تواضع کی تعریف کیجئے؟

٢۔خداوند عالم نے سورہ فرقان کی ٦٣ ویں آیت میں اپنے خاص بندوں کی کیا صفت بیان کی ہے؟

٣۔تواضع کی حد کے بارے میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے؟

۴۔فروتنی کے فوائد اور ثمرات بیان کیجئے؟

باب۔۸

وفائے عہد

عہد و پیمان کو وفا کرنا بھی اخلاقی اصولوں میں سے ایک ہے جس پر مسلمانوں کو اپنی سماجی اور اجتماعی زندگی میں عمل کرنا چاہئے آیات قرآن مجید اور معصومین کی روایات میں نمایاں اخلاقی صفت کو بے پناہ اہمیت دی گئی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اگر کسی سے کسی بھی قسم کا عہد پیمان کرے تو قرآن کریم کی نظر میں اس کو وفا کرنے کے سلسلہ میں وجوب کی حد تک تاکید کی گئی ہے اس لئے کہ ایک طرف تو خداوند عالم نے عہد یا عقد کو وفا کرنے کا حکم دیا ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا.[۱]

اپنے عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اور دوسری طرف عہد و پیمان کو توڑنے کے سلسلہ میں سخت دھمکی دی ہے اور اس کو خدا کی دشمنی بتایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ.[۲]

ایمان والو! اپنے عہد و پیمان کی پابندی کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[۳]

ایمان والو! آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔

---

[۱] سورہ اسراء آیت ۳۴

[۲] سورہ مائدہ آیت ۱

[۳] سورہ صف آیت ۲/ ۳

قول وعمل میں اختلاف کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ انسان دوسروں سے جو بھی عہد و پیمان کرے اس کو پورا نہ کرے۔

لہٰذا اس بات پر توجہ رکھنا چاہئے کہ اگر مسلمان دوسروں سے عہد و پیمان کرتے ہیں تو اسے پورا کرنا واجب ولازم ہے مقابل چاہے مسلمان ہو یا مومن، مشرک ہو یا کافر، یہ پیمان انفرادی ہو یا اجتماعی، خداوند عالم قرآن کریم میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے اگر تم نے مشرکین سے عہد و پیمان باندھا ہے اور انہوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا ہے تو تم بھی اس کے معینہ وقت تک اپنے عہد پر باقی رہو۔

فَأَتِمُّوٓا۟ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ [1]

جو مدت طے کی ہے اس وقت تک عہد کو پورا کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ثَلَاثَةٌ لَا عُذْرَ لِأَحَدٍ فِيهَا أَدَاءُ الْأَمَانَةِ إِلَى الْبَرِّ وَ الْفَاجِرِ وَ الْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ إِلَى الْبَرِّ وَ الْفَاجِرِ وَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ بَرَّيْنِ كَانَا أَوْ فَاجِرَيْنِ. [2]

تین چیزوں میں کسی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے:

(۱) امانت اس کے مالک کو واپس کرنا چاہئے وہ اچھا ہو یا برا۔

(۲) عہد و پیمان کو پورا کرنا مقابل والا چاہئے نیک ہو یا بدکار

(۳) والدین کے ساتھ نیکی کرنا چاہئے وہ اچھے ہوں یا برے۔

اس بنیادی نکتہ پر توجہ ضروری ہے کہ سماج میں کسی سے معاہدہ کرنے کے بعد اس کی رعایت اور اس کی شرطوں کی پابندی کرنا ضروری ہے کیونکہ پورے سماج کا نظم وضبط اور اس کی سلامتی یا امنیت اسی سے وابستہ ہے ورنہ اگر ہر انسان دوسروں سے عہد و پیمان کرے اور اس کا پابند نہ رہے مثلاً کسی سے کوئی امانت لے اور اسے واپس نہ کرے تو پورا نظام کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا اور کوئی کسی پر اعتماد نہیں کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ قومی زندگی میں ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا اور صرف اہل طاقت ہی اپنے منافع کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ لہٰذا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان تین چیزوں (امانت کی ادائیگی، عہد و پیمان کو وفا کرنا، اور والدین کے ساتھ نیکی) میں کسی کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] سورہ توبہ آیت ۴

[2] بحار الانوار ج ۷۴ باب ۲ حدیث ۴۶

حضرت علی علیہ السلام نے جب مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو آپ نے ان کو مخاطب کر کے ایک دستورِ حکومت تحریر فرمایا تھا جس میں انہیں یہ حکم دیا تھا کہ اگر اپنے دشمن کے ساتھ بھی تم نے کوئی عہد و پیمان باندھا ہے تو اس پر قائم رہنا۔

وَ إِنْ عَقَدْتَ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ عَدُوِّكَ عُقْدَةً أَوْ أَلْبَسْتَهُ مِنْكَ ذِمَّةً فَحُطْ عَهْدَكَ بِالْوَفَاءِ وَ ارْعَ ذِمَّتَكَ بِالْأَمَانَةِ وَ اجْعَلْ نَفْسَكَ جُنَّةً دُونَ مَا أَعْطَيْتَ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ فَرَائِضِ اللهِ شَيْءٌ النَّاسُ أَشَدُّ عَلَيْهِ اجْتِمَاعاً مَعَ تَفْرِيقِ أَهْوَائِهِمْ وَ تَشْتِيتِ آرَائِهِمْ مِنْ تَعْظِيمِ الْوَفَاءِ بِالْعُهُودِ وَ قَدْ لَزِمَ ذَلِكَ الْمُشْرِكُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ دُونَ الْمُسْلِمِينَ لِمَا اسْتَوْبَلُوا مِنْ عَوَاقِبِ الْغَدْرِ وَ لَا تَغْدِرَنَّ بِذِمَّتِكَ وَ لَا تَخِيسَنَّ بِعَهْدِكَ وَ لَا تَخْتِلَنَّ عَدُوَّكَ فَإِنَّهُ لَا يَجْتَرِئُ عَلَى اللهِ إِلَّا جَاهِلٌ شَقِيٌّ قَدْ جَعَلَ اللهُ عَهْدَهُ وَ ذِمَّتَهُ أَمْناً أَفْضَاهُ بَيْنَ الْعِبَادِ بِرَحْمَتِهِ وَ حَرِيماً يَسْكُنُونَ إِلَى منعه [مَنَعَتِهِ] وَ يَسْتَفِيضُونَ إِلَى جِوَارِهِ وَ لَا إِدْغَالَ وَ لَا مُدَالَسَةَ وَ لَا خِدَاعَ فِيهِ [1]

اگر تم نے دشمن سے عہد و پیمان باندھا کہ اس کو پورا کرو گے تو اسے پورا کرو اور اپنے عہد کی حفاظت امانت کی طرح کرو اور عہد و پیمان کے لئے جان کی بازی لگا دو اس لئے کہ عقیدتی اختلافات کے باوجود لوگوں کے درمیان وفائے عہد سے زیادہ کوئی فریضہ موردِ اتفاق نہیں ہے یہاں تک مشرکین بھی مسلمانوں سے جو عہد و پیمان کرتے تھے اس کا احترام کرتے تھے اس لئے کہ وہ پیمان شکنی کا مزہ چکھ چکے تھے۔ لہٰذا جس کے تم ذمہ دار ہوئے ہو اس کے سلسلہ میں عذر پیش نہ کرنا اور عہد و پیمان میں خیانت نہ کرنا اور اپنے دشمن کو دھوکا نہ دینا۔ یاد رکھو کہ نادان بدبخت کے علاوہ کوئی خدا سے گستاخی نہیں کرتا اور خدا نے اپنے عہد و پیمان کو امنیت قرار دیا ہے کہ جسے اس نے اپنے رحم و کرم کی وجہ سے اپنے بندوں پر عام کر رکھا ہے اور ان کے لئے پناہ گاہ بنا دیا ہے تا کہ اس کے سہارے زندگی بسر کریں اور اس کی پناہ میں رہیں لہٰذا اس میں فریب کاری اور دھوکا دہی نہیں ہے۔

وفائے عہد کی اہمیت

گزشتہ بحث سے عہد و پیمان کو وفا کرنے کی ضرورت بخوبی واضح ہوگئی ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کی طرف سے چاہے کسی کے ساتھ بھی عہد و پیمان کیا جائے اس کو وفا کرنا بہرحال ضروری ہے۔ اب ہم یہ جان لیں گے کہ اسلام کی نظر میں عہد و پیمان کو وفا کرنے کی کیا اہمیت ہے اور اسلام کے دوسرے اقدار کے درمیان اس کا کیا مقام ہے؟

اس سلسلہ میں چند باتیں قابلِ توجہ ہیں:

---

[1] نہج البلاغہ عہد نامہ مالک اشتر

ا۔قرآن کریم میں سورہ مومنون میں مومنین سے کامیابی کا وعدہ کرنے کے بعد مومنین کی جو صفات بیان کی گئی ہیں انہیں صفات میں سے ایک صفت عہد و پیمان کو وفا کرنا بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ [۱]

مومنین وہ لوگ ہیں جو امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کو وفا کرتے ہیں۔

تقریباً یہی مضمون سورۂ معارج کی آیت نمبر ۳۲ کا بھی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَفِ إِذَا وَعَدَ. [۲]

جو بھی خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اگر وعدہ کرے تو اسے ضرور وفا کرے۔

حضرت علی علیہ السلام بھی فرماتے ہیں:

اِنَّ الْوَفَاءَ بِالْعَهْدِ مِنْ عَلَامَاتِ اَهْلِ الدِّيْنِ [۳]

مومنوں کی علامتوں میں سے ایک عہد و پیمان کا وفا کرنا بھی ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں:

أَصْلُ الدِّينِ أَدَاءُ الْأَمَانَةِ وَالْوَفَاءُ بِالْعُهُودِ

دین کی اصل بنیاد امانت داری اور عہد کو وفا کرنا ہے۔

۲۔اسی طرح ایک دوسری آیت میں خداوند عالم نے جناب اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا [۴]

اور اپنی کتاب میں اسماعیل کا تذکرہ کرو کہ وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے۔

واضح رہے کہ یہاں جناب اسماعیل علیہ السلام کی جس نمایاں صفت کا ذکر کیا گیا ہے وہ وعدے کی سچائی ہے جس کا تذکرہ عہدہ نبوت و رسالت سے پہلے کیا گیا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ واقعہ نقل کیا ہے: کہ ایک روز ایک شخص

---

[۱] سورہ مومنون آیت ۸

[۲] بحار الانوار ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

[۳] بحار الانوار ج ۱۷، باب ۱۴، حدیث ۱۱

[۴] سورہ مریم آیت ۵۴

نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مقام پر ملنے کا وعدہ کیا کہ آپ اس مقام پر مجھ سے ملیں حالانکہ اس جگہ شدید دھوپ تھی اصحاب نے عرض کی بہتر ہے کہ آپ سایہ میں تشریف لے چلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس سے میں نے اس مقام پر ملنے کا وعدہ کیا ہے اگر وہ نہ آئے تو میرا حشر و نشر اسی جگہ پر ہوگا۔ (یعنی آخر عمر تک اسی جگہ کھڑا رہوں گا)

۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وفائے عہد کو مومنین کے حقوق میں سے قرار دیا ہے آپ کے ارشاد کے مطابق وفائے عہد حقیقت میں مومن کا حق ادا کرنا ہے جو وہ ایک دوسرے پر رکھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ عَيْنُهُ وَ دَلِيلُهُ لَا يَخُونُهُ وَ لَا يَظْلِمُهُ وَ لَا يَغُشُّهُ وَ لَا يَعِدُهُ عِدَةً فَيُخْلِفَهُ. [۱]

مومن مومن کا بھائی ہے اور وہ اس کی آنکھ اور راہنما کی مانند ہے اس کے ساتھ خیانت اور اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے دھوکا دیتا ہے اور اگر کوئی عہد و پیمان باندھتا ہے تو اسے توڑتا نہیں ہے۔

۴۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ الْوَفَاءَ تَوْأَمُ الصِّدْقِ وَ لَا أَعْلَمُ جُنَّةً أَوْقَى مِنْهُ وَ مَا يَغْدِرُ مَنْ عَلِمَ كَيْفَ الْمَرْجِعُ وَ لَقَدْ أَصْبَحْنَا فِي زَمَانٍ قَدِ اتَّخَذَ أَكْثَرُ أَهْلِهِ الْغَدْرَ كَيْساً وَ نَسَبَهُمْ أَهْلُ الْجَهْلِ فِيهِ إِلَى حُسْنِ الْحِيلَةِ مَا لَهُمْ قَاتَلَهُمُ اللهُ قَدْ يَرَى الْحُوَّلُ الْقُلَّبُ وَجْهَ الْحِيلَةِ وَ دُونَهَا مَانِعٌ مِنْ أَمْرِ اللهِ وَ نَهْيِهِ فَيَدَعُهَا رَأْيَ عَيْنٍ بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا وَ يَنْتَهِزُ فُرْصَتَهَا مَنْ لَا حَرِيجَةَ لَهُ فِي الدِّينِ [۲]

وفا سچائی کے ساتھ ہے میرے نزدیک اس سے زیادہ اطمینان بخش کوئی چیز نہیں ہے جسے پتہ ہے کہ اس کی بازگشت (خدا کی) طرف کس طرح ہے وہ کبھی مکر نہیں کرتا ہم اس زمانے میں بھی رہے ہیں جہاں اکثر لوگ حیلہ گری اور دھوکا دہی کو چالاکی سمجھتے ہیں اور نادان حضرات ایسے لوگوں کو چالاک اور چارہ اندیش سمجھتے ہیں انہیں کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ خدا انہیں نابود کرے (البتہ) جو چالاک اور سمجھدار لوگ ہیں وہ حیلہ گری اور مکاری بھی جانتے ہیں لیکن امر و نہی الٰہی انہیں اس سے روکتی ہے اسی لئے وہ اسے ترک کر دیتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایسا کر سکتے ہیں لیکن جنہیں دین کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی وہ ایسا کر ڈالتے ہیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے اس خطبہ میں وفائے عہد کو سچائی کے مترادف قرار دیا ہے اور مکر و حیلہ کے برخلاف جانا ہے اور لوگوں کو اس بات سے ہوشیار رہنے کو کہا ہے جو عہد شکنی کو چالاکی سمجھتے ہیں اور اس کو

---

[۱] بحار الانوار ج ۷۴، باب ۱۶، حدیث ۷

[۲] بحار الانوار ج ۷۵، ص ۹۶، حدیث ۲۱

ایک برا عمل بتایا ہے کہ ایسے کام بے دین اور کمزور ایمان والے ہی انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا عہد شکنی کے لئے کوئی چھوٹ نہیں، حقیقت میں مومن عہد و پیمان شکنی کرنے کے بعد کسی قسم کا عقلی یا شرعی عذر نہیں پیش کرسکتا اسی لئے پیغمبر اسلام ﷺ (ان تمام سختیوں کے باوجود جو مشرکین کی طرف سے آپ کو سہنا پڑتی تھیں) اپنے عہد و پیمان پر باقی رہتے تھے مگر یہ کہ اللہ کے صریح حکم کے ذریعہ اس عہد و پیمان کو لغو کر دیا جائے جیسے:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ [1]

مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا اب ان سے خدا اور رسول کی طرف سے مکمل بیزاری کا اعلان ہے۔

اس آیت اور اس کے بعد والی آیتیں نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے مشرکین سے جو عہد و پیمان کیا تھا وہ ٹوٹ گیا البتہ اس میں وہ مشرکین شامل نہ تھے جنھوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے نہیں اٹھے تھے۔

۵۔ ایک طرف خداوند عالم، پیغمبر اسلام ﷺ اور آئمہ معصومین نے وفائے عہد کو بے حد اہمیت دی ہے اور اسے دین کے اہم ارکان میں شمار کیا ہے اور پیمان شکنی کے سلسلہ میں دھمکی دی ہے اور اس سے مومنین کو سختی سے منع کیا ہے پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں پیمان شکنی کو منافقین کی علامتوں میں سے شمار کیا ہے۔

وَلِلْمُنَافِقِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا ائْتُمِنَ خَانَ [2]

منافق کی تین علامتیں ہیں: ۱...... جب گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ ۲۔ جب عہد و پیمان باندھتا ہے تو توڑ دیتا ہے۔ ۳۔ جب اسے کوئی امانت دی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام جناب مالک اشتر سے فرماتے ہیں:

وَإِیَّاكَ أَنْ تَعِدَهُمْ فَتُتْبِعَ مَوْعِدَكَ بِخُلْفِكَ... وَالْخُلْفَ یُوجِبُ الْمَقْتَ عِنْدَ اللهِ وَالنَّاسِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: «كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ. [3]

خبردار ایسا نہ کرنا کہ لوگوں سے وعدہ کرو اور اسے پورا نہ کرو اس لئے کہ عہد شکنی خداوند عالم کے غضب اور مومنین کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے: اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں

---

[1] سورہ توبہ آیت ۱

[2] بحار الانوار ج ۷۲، باب ۱۰۶، حدیث ۶

[3] بحار الانوار ج ۷۵ ص ۹۶۔ حدیث ۲۱

کرتے۔

امام کے اس فرمان اور عہد شکنی جیسے سخت گناہ کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ توجہ رکھنا چاہئے کہ انسان کو صرف اس صورت میں کسی سے عہد و پیمان باندھنا چاہئے کہ جب وہ اسے وفا کرنے کی قوت وطاقت رکھتا ہو، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تَعِدْ بِمَا تَعْجَزُ عَنِ الْوَفَاءِ بِهِ

جس چیز کو تم وفا نہیں کر سکتے اس کے سلسلہ میں کسی سے عہد نہ کرو، نیز آپ فرماتے ہیں:

لَا تَعِدَنَّ عِدَةً لَا تَثِقُ مِنْ نَفْسِكَ بِإِنْجَازِهَا [۱]

جس چیز کے سلسلہ میں تمہیں اپنے اوپر اطمینان نہ ہو کہ اسے انجام دے سکو گے یا نہیں تو اس کا وعدہ نہ کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عِدَةُ الْمُؤْمِنِ أَخَاهُ نَذْرٌ لَا كَفَّارَةَ لَهُ، فَمَنْ أَخْلَفَ فَبِخُلْفِ اللهِ بَدَأَ، وَ لِمَقْتِهِ تَعَرَّضَ، وَ ذٰلِكَ قَوْلُهُ: «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ.[۲]

ایک مومن سے دوسرے مومن کا وعدہ بھی نذر ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں ہے البتہ اگر وہ اس کی مخالفت کرے گا تو اس نے پہلے خداوند عالم کی مخالفت کی ہے اور اس کی ناراضگی کے اسباب فراہم کئے ہیں جیسا کہ خداوند عالم کا قول ہے: ایمان والو! آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔

---

[۱] غرر الحکم ص ۲۵۳

[۲] اصول کافی ج ۲، ص ۳۶۲، حدیث ۱

خلاصہ

عہد و پیمان کا وفا کرنا بھی اسلام کے اہم آداب میں سے ایک ہے۔

قرآن کریم نے اچھے لوگوں کی توصیف کرتے ہوئے عہد پورا کرنے کو ان کی خصوصیات میں ذکر کیا ہے۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جو عہد و پیمان دوسروں سے باندھے اس کا ضرور پابند رہے۔ مدمقابل چاہے مسلمان اور مومن ہو یا مشرک و کافر۔

سوالات

۱۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں عہد شکنی کے سلسلہ میں کیا فرمایا ہے؟

۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے جناب مالک اشتر کو خطاب فرماتے ہوئے اپنے عہد نامہ میں وفائے عہد کے سلسلہ میں کیا فرمایا ہے؟

۳۔ اسلام میں وفائے عہد کا کیا مقام ہے؟

۴۔ خداوند عالم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الوعد کیوں کہا ہے؟

۵۔ حضرت علی علیہ السلام نے عہد و پیمان باندھنے کے لئے کس شرط کو ضروری بتایا ہے؟

باب۔ ۹

بردباری①

ہرانسان کواپنی سماجی زندگی میں ہرروز اپنے جیسے نہ جانے کتنے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہےاوران کے درمیان دائمی روابط اورتعلقات قائم رہتے ہیں اس سلسلہ میں ہرایک کا اپنامخصوص انداز ہوتا ہےاس کے ملنے کا طریقہ،سلیقہ،سماجی اخلاق، غوروفکرکرنے کاانداز اوراس کی عادتیں دوسروں سے مختلف ہوتی ہیں ممکن ہے بسا اوقات اس کی کچھ عادتیں بعض لوگوں کو پسند نہ ہوں اوراس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہو،ہمارے یہاں بھی اس قسم کی بے شمار بری عادتیں اورخصلتیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایسی بداخلاقیوں کے مقابلہ میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

ایک راستہ تو یہ ہے کہ جن لوگوں کا اخلاق وکردار اچھا نہیں ہےان سے رابطہ منقطع کرلیا جائے اورصرف انہیں لوگوں سے روابط رکھے جائیں جن کا اخلاق ہرلحاظ سے بہتر ہے تاکہ انسان چین وسکون سے ان کے ساتھ زندگی بسر کرسکے،لیکن یہ طریقہ عملاً ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسے افراد کا تلاش کرنا غیرممکن ہے بنیادی طور پر دنیا میں موجود لوگوں کے آداب وعادات اور اخلاقیات مختلف ہوتے ہی ہیں اوریہ اختلافات ہرجگہ پایا جاتا ہے اسی لئے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دولوگوں کا نظریہ یا اخلاق ہرلحاظ سے ایک جیسا ہواوروہ ایک دوسرے کو تلاش بھی کرلیں اس کے علاوہ انسان کی سماجی ضروریات صرف چند افراد کے ساتھ روابط رکھنے سے پوری نہیں ہوسکتی ہیں اورکوئی ضروری نہیں ہے کہ اگرہم دوسروں سے رابطہ منقطع کرلیں اوران سے کوئی مطلب نہ رکھیں تو دوسرے بھی ہم سے روابط نہ رکھیں۔لہٰذا یہ طریقہ بالکل ناممکن اورغیرعملی ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم ہرقسم کی بداخلاقی کے مقابلہ میں جھگڑا کربیٹھیں یعنی بداخلاقی کا جواب ضروردیں یہاں تک کہ اگرضرورت پڑے تو مار پیٹ بھی کرلیں تاکہ سامنے والا اپنی بداخلاقی پر پشیمان ہوجائے اوردوبارہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ کرے ممکن ہے شروع میں یہ طریقہ کارمناسب معلوم ہولیکن یہ طریقہ صرف اس صورت میں صحیح اورفائدہ مند ہوگا کہ

جب اسے صرف ایک مرتبہ استعمال کیا جائے اور پھر اس کے بعد کوئی بداخلاقی کرنے کی ہمت نہ کرے یا یہ کہ جس کے ساتھ لڑائی جھگڑے کا رویہ اختیار کیا جائے وہ انتقام کی فکر نہ کرے تبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ سب لوگ چین اور سکون کی زندگی گزار سکیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ جب ہم مختلف قوموں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب عوام کے غصہ کی آگ بھڑک جاتی ہے تو لڑائی جھگڑے کی نوبت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ بار ہا کشت وخون کا بازار گرم ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ جب یہ جنگ کسی ایک کی شکست پر تمام ہوجائے اور کینہ وغضب کی آگ اس کی راکھ کے نیچے دفن ہوجائے تو جب بھی موقع مناسب ہوگا جنگ دوبارہ شعلہ ور ہوسکتی ہے۔ حالانکہ جب ہم ایسے لڑائی جھگڑوں کی بنیادوں کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بہت چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے ہوا ہے اور دونوں فریقوں کی تندخوئی کی وجہ سے اس نے آہستہ آہستہ اتنے خطرناک حالات کی شکل اختیار کر لی ہے جس کی وجہ سے دوبارہ جنگ کی آگ بھڑکتی رہی ہے۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر یہ طے ہوجائے کہ دوسروں کی بداخلاقی کا جواب غصہ اور سختی سے دیا جائے تاکہ پھر وہ ایسی حرکت نہ کریں تو یہ بھی طے ہے کہ دوسرے لوگ بھی ہمارے ساتھ بھی ایسے ہی اخلاق کا مظاہرہ کریں گے اور جب ان کی نظر میں ہمارا اخلاق برا ہوگا تو وہ بھی ہمارے ساتھ لڑائی جھگڑا کر بیٹھیں گے۔ اس صورت میں ہمیں ماننا پڑے گا کہ پھر کوئی بھی کسی کے غصہ اور غضب سے محفوظ نہیں رہے گا اور سماج میں ہمیشہ لڑائی جھگڑا باقی رہے گا اور یہ واضح ہے کہ ایسے حالات میں زندگی گزارنا بہت سخت ہے لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ طریقہ کار بھی ٹھیک نہیں ہے۔

تواس کا راہ حل کیا ہے؟

ان حالات میں اسلام نے اس کا جو راہ حل تجویز کیا ہے وہ ''بردباری'' حلم اور غصہ کو پی جانا ہے اس نظریہ کی تشریح کے لئے تین نکتوں کی وضاحت ضروری ہے:

۱۔ اسلام کی نظر میں غصہ کی صحیح جگہ اور قوہ غضبیہ سے استفادہ کا طریقہ؟

۲۔ مذہب اسلام میں حلم و بردباری اور غصہ کو پی جانے کی اہمیت؟

۳۔ غصہ کو پی جانے سے متعلق بعض واقعات اور مثالیں۔

۱۔ غصہ

بہت سی اسلامی روایات میں غصہ کو ایک بری صفت کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس سے پرہیز کرنے کی دعوت دی گئی ہے انہیں میں سے بعض روایات میں غصہ کو تمام برائیوں کی کنجی (جڑ) قرار دیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الْغَضَبُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ [1]

غصہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

الْغَضَبُ شَرٌّ إِنْ أَطَلَعْتَهُ دَمَّرَ. [2]

غصہ ایک شر ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو ویران کر ڈالے گا۔

الْغَضَبُ يُرْدِي بِصَاحِبِهِ وَيُبْدِي مَعَايِبَه. [3]

غصہ؛ صاحب غصہ کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس کے عیوب کو آشکار کر دیتا ہے۔

الْغَضَبُ يُثِيرُ كَوَامِنَ الْحِقْدِ. [4]

غصہ چھپے ہوئے کینوں کو ابھار دیتا ہے۔

دوسری روایات میں غصہ کو جلا دینے والی آگ کے شعلوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

الْغَضَبُ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ. [5]

غصہ شیطان کی آگ کا ایک شعلہ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

الْغَضَبُ نَارٌ مُوقَدَةٌ مَنْ كَظَمَهُ أَطْفَأَهَا وَمَنْ أَطْلَقَهُ كَانَ أَوَّلَ مُحْتَرِقٍ بِهَا [6]

غصہ ایک شعلہ ور آگ ہے جس نے اس کو پی لیا اس نے اسے بجھا دیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا تو وہی پہلا شخص ہوگا جو اس آگ میں جلے گا۔

احْذَرِ الْغَضَبَ فَإِنَّهُ جُنْدٌ مِنْ جُنُودِ إِبْلِيس. [7]

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۴
[2] مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، حدیث ۱۳۳۷۶
[3] غرر الحکم: ج ۲، ص ۳۱
[4] غرر الحکم: ص ۱۵۵
[5] بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۱۵
[6] مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، حدیث ۱۳۳۷۶
[7] بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۷۰۷

غصہ سے بچو کہ غصہ ابلیس کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔

کچھ روایات میں غصہ کو دیوانگی کا ایک حصہ بتایا گیا ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِيَّاكَ وَ الْغَضَبَ فَإِنَّ أَوَّلَهُ جُنُونٌ وَ آخِرَهُ نَدَمٌ.[۱]

غصہ سے پرہیز کرو اس لئے کہ اس کی ابتداء دیوانگی اور انتہا پشیمانی ہے۔

اَلْغَضَبُ مِنَ الْجُنُونِ لِأَنَّ صَاحِبَهَا يَنْدَمُ فَإِنْ لَمْ يَنْدَمْ فَجُنُونُهُ مُسْتَحْكَمٌ.[۲]

غصہ ایک قسم کا جنون ہے اس لئے کہ غصہ کرنے والا اپنے کام پر پشیمان ہوتا ہے اور اگر پشیمان نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیوانگی مسلم ہے۔

اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْأَلْبَابَ وَ يُبَعِّدُ الصَّوَابَ.[۳]

غصہ عقلوں کو خراب کر دیتا ہے اور راہ صواب سے دور کر دیتا ہے۔

اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَمْلِكْ غَضَبَهُ لَمْ يَمْلِكْ عَقْلَهُ.[۴]

جس شخص کو اپنے غصہ پر قابو نہیں ہے اسے اپنی عقل پر بھی اختیار نہیں رہتا ہے۔

اب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ اسلامی روایات میں غصہ کو ایک ناپسندیدہ اور مذموم صفت کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے جبکہ دوسری روایات میں غصہ پر قابو پانے اور غصہ کو پی جانے کو ایک پسندیدہ اور اچھی صفت قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَفْضَلُ الْمِلْكِ مِلْكُ الْغَضَبِ[۵]

بہترین سرمایہ غصہ پر قابو پالینا ہے نیز آپ فرماتے ہیں:

أَقْدَرُ النَّاسِ عَلَى الصَّوَابِ مَنْ لَمْ يَغْضَبْ[۶]

راہ صواب پر سب سے زیادہ قدرت اسے حاصل ہے جو غصہ نہ کرتا ہو۔

---

[۱] مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، روایت ۱۳۳۷۶

[۲] بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۲۰

[۳] مستدرک: ج ۱۲، باب ۱۳۲ روایت ۱۳۳۷۶

[۴] بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۳۳

[۵] غرر الحکم: ج ۴، ص ۳۰۲

[۶] غرر الحکم: ص ۲۴۶

ظَفِرَ بِالشَّيْطَانِ مَنْ غَلَبَ غَضَبَهُ-(ظَفِرَ الشَّيْطَانُ بِمَنْ مَلَكَهُ غَضَبُه [1]

جو شخص اپنے غصہ پر غالب آجائے وہ شیطان پر غالب ہوگیا اور جس پر اس کا غصہ مسلط ہوگیا اس پر شیطان غالب ہوجاتا ہے۔

اَلْغَضَبُ عَدُوٌّ فَلَا تُمَلِّكْهُ نَفْسَكَ [2]

غصہ تمہارا دشمن ہے لہٰذا اپنے نفس کو اس کے حوالے نہ کردینا۔

مَنْ غَلَبَ عَلَيْهِ غَضَبُهُ [وَ شَهْوَتُهُ] فَهُوَ فِي حَيِّزِ الْبَهَائِمِ [3]

جس شخص کے اوپر اس کا غصہ اور شہوت غالب آجائے اس کا شمار چوپایوں میں ہوتا ہے۔

دوسری روایات میں اپنے غصہ پر غالب آجانے والے شخص کو سب سے قوی انسان قرار دیا گیا ہے چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصَّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ [الَّذِي] يَمْلِكُ [نَفْسَهُ] عِنْدَ الْغَضَبِ [4]

قدرت وطاقت کا معیار کشتی نہیں ہے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

اَلصَّرعَةُ كُلُّ الصَّرعَةِ اَلصَّرعَةُ كُلُّ الصَّرعَةِ اَلصَّرعَةُ كُلُّ الصَّرعَةِ الَّذِى يَغضبُ فَيَشتَدُّ غَضَبُهُ وَيَحمَرُّ وَجهُهُ وَيَقشَعِرُّ شَعرُهُ فَيَصرَعُ غَضَبَهُ. [5]

حقیقت میں پہلوان وہ ہے (حضرت نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا) کہ جسے غصہ آجائے اور اس کا چہرہ سرخ ہوجائے اور جسم کانپنے لگے لیکن پھر بھی وہ اپنے غصہ پر غلبہ حاصل کرلے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَقْوَى النَّاسِ مَنْ قَوِيَ عَلَى غَضَبِهِ

لوگوں میں سب سے زیادہ قوی وہ ہے کہ جو اپنے غصہ پر قابو پالے۔

---

[1] غرر الحکم: ج ۴، ص ۳۰۱

[2] مستدرک: ج ۱۲، ص ۱۱

[3] غرر الحکم: ج ۵، ص ۳۶۲

[4] بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۳۶۲

[5] ان ※ ج الفصاح ※، ح ۱۸۷۲

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا قُوَّةَ كَرَدِّ الْغَضَبِ[1]

غصہ کو پی جانے سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں ہے۔

تاریخ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کا ایک قصہ نقل ہے کہ ایک دیہاتی عرب، مدینہ آیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعظ و نصیحت کی درخواست کی حضرت نے اس سے فرمایا: ''لا تغضب'' غصہ نہ کرنا آپ نے مزید کچھ نہیں کہا وہ شخص کہتا ہے میں نے بھی اسی پر اکتفا کر لی، یہ شخص جب اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے قبیلہ کے بعض افراد کی نادانی اوران کی طرف سے دوسرے قبیلہ کے اموال میں دست درازی کی وجہ سے دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی ہوگئی ہے جس میں کچھ لوگ زخمی بھی ہوگئے ہیں۔ یہ شخص اتنا سنتے ہی بپھر گیا، فوراً تلوار کھینچ لی اور جنگ پر آمادہ ہوگیا لیکن اسی اثنا میں اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات یاد آگئی کہ آپؐ نے فرمایا تھا ''غصہ نہ کرنا'' اس لئے سوچنے لگا کہ یہ غیظ وغضب، جنگ کی تیاری اور کشت و خون کس لئے ہے؟ یہ سوچ کر وہ مخالف قبیلہ کے سرداروں کے سامنے آیا اوران سے کہا کہ تمہارا جو بھی نقصان ہوا ہے میں اپنے پاس سے اس کو پورا کردوں گا لہٰذا اب مزید خونریزی کی ضرورت نہیں ہے جب مخالف قبیلہ والوں نے اس شخص کی یہ بات سنی تو ان کے غصہ کی آگ بھی ٹھنڈی ہوگئی اور انہوں نے بھی کہا: ہم بھی شرافت ومردانگی میں تم سے کم نہیں ہیں لہٰذا ہم اپنے حق سے صرف نظر کرتے ہیں، اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک چھوٹے سے حکیمانہ جملہ کے ذریعہ اس تباہ کن جنگ کی آگ خاموش ہوگئی جو عنقریب دو قبیلوں کو برباد کردیتی۔

لہٰذا غصہ کے متعلق ان روایات سے ہمیں دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں: ایک غصہ کی مذمت اور برائی اور دوسرے غصہ پر کنٹرول کرنے کی تعریف وتحسین لیکن کچھ روایات میں غصہ کا ایک دوسرا پہلو اور ملتا ہے اور وہ کہ ان میں غصہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے اوران لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہیں لیکن جیسا کہ ان روایات میں آپ ملاحظہ کریں گے، یہ غصہ ایک خاص مقصد کے تحت ہے اور یہ کہ وہ خدا اور حق بات کے لئے ہو۔

حضرت علی علیہ السلام خصوصاً اس پہلو کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

مَنْ أَحَدَّ سِنَانَ الْغَضَبِ لِلّٰهِ قَوِيَ عَلَى قَتْلِ أَشِدَّاءِ الْبَاطِلِ[2]

جو شخص اپنے غضب کی تلوار کو خدا کے لئے تیز کرے وہ اہل باطل کے پہلوانوں کو قتل کرنے میں مزید طاقت ور ہوجاتا ہے۔

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۳۳

[2] بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۸۹، حدیث ۶

نیز آپؑ فرماتے ہیں:

مَنْ شَنَأَ الْفَاسِقِينَ وَ غَضِبَ لِلّٰهِ غَضِبَ اللّٰهُ وَ اَرْضَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[1]

جو شخص فاسقوں سے دشمنی کرتا ہے اور خدا کے لئے غضب ناک ہوتا ہے خدا بھی اس کے لئے غضب ناک ہوتا ہے اور اسے قیامت کے دن خوشنود کرتا ہے۔

جناب ابوذرؓ کو جب شہر بدر کیا گیا اور حضرت علی علیہ السلام انہیں وداع کرنے گئے تو آپ نے فرمایا:

يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ غَضِبْتَ لِلّٰهِ فَارْجُ مَنْ غَضِبْتَ لَهُ إِنَّ الْقَوْمَ خَافُوكَ عَلَى دُنْيَاهُمْ وَ خِفْتَهُمْ عَلَى دِينِكَ فَاتْرُكْ فِي أَيْدِيهِمْ مَا خَافُوكَ عَلَيْهِ وَ اهْرُبْ مِنْهُمْ بِمَا خِفْتَهُمْ عَلَيْهِ فَمَا أَحْوَجَهُمْ إِلَى مَا مَنَعْتَهُمْ وَ مَا أَغْنَاكَ عَمَّا مَنَعُوكَ وَ سَتَعْلَمُ مَنِ الرَّابِحُ غَداً وَ الْأَكْثَرُ [حَسَداً] حُسَّداً وَ لَوْ أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرَضِينَ كَانَتَا عَلَى عَبْدٍ رَتْقاً ثُمَّ اتَّقَى اللّٰهَ لَجَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْهُمَا مَخْرَجاً لَا يُؤْنِسَنَّكَ إِلَّا الْحَقُّ وَ لَا يُوحِشَنَّكَ إِلَّا الْبَاطِلُ فَلَوْ قَبِلْتَ دُنْيَاهُمْ لَأَحَبُّوكَ وَ لَوْ قَرَضْتَ مِنْهَا لَأَمَّنُوكَ.[2]

اے ابوذر! تم خدا کے لئے غصہ ہوئے ہو تو جس کے لئے غصہ کیا ہے اس سے امیدوار رہو یہ لوگ اپنی دنیا کے سلسلہ میں تم سے ڈر گئے اور تم اپنے دین کے سلسلہ میں ان سے خوف زدہ ہوئے لہٰذا یہ جس کے لئے تم سے ڈر رہے ہیں وہ ان پر چھوڑ دو اور تم جس چیز سے ڈر رہے ہو اسے اختیار کرلو تم جس چیز سے انہیں منع کر رہے ہو وہ اس کے کتنے ضرورتمند ہیں اور تم کس قدر بے نیاز ہو اس چیز سے جس سے انہوں نے تمہیں روک رکھا ہے۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کل کے دن (روز قیامت) کسے فائدہ پہنچے گا اور کون جہنم کی آگ میں جلے گا۔ جان لو کہ اگر زمین و آسمان کے دروازے کسی بندے پر بند کردئے جائیں اور وہ متقی و پرہیز گار ہو تو خداوند عالم اس کی نجات کے راستے کھول دیتا ہے حق تم سے مانوس ہوگا اور باطل گریزاں تو اگر تم ان کی دنیا کو قبول کر لیتے تو وہ تمہیں دوست رکھتے اور اگر دنیا سے کچھ قرض مانگتے تو وہ تمہیں ضرور عطا کردیتے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی ایک مناجات میں خداوند عالم سے سوال کرتے ہیں:

مَنْ أَهْلُكَ الَّذِينَ تُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّكَ

خداوندا! تیرے محبوب وہ کون لوگ ہیں جن کو تو اپنے عرش کے سایہ میں لے لے گا اس روز جس روز تیرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

---

[1] بحار الانوار: ج۶۸ ص۳۴۸، حدیث ۱۷

[2] بحار الانوار: ج۷۱، باب ۸۹، حدیث ۶

خداوند عالم انہیں جواب دیتا ہے:

وَالَّذِينَ يَغْضَبُونَ لِمَحَارِمِي إِذَا اسْتُحِلَّتْ مِثْلَ النَّمِرِ إِذَا حَرِدَ. [1]

وہ لوگ جو جب دیکھتے ہیں کہ حرام کو حلال کیا جا رہا ہے تو زخمی چیتے کی طرح غصہ سے بپھر جاتے ہیں۔

ان روایات کے نتیجہ میں کہنا پڑے گا کہ خداوند عالم نے انسان کی سرشت میں جو قوۂ غضبیہ قرار دی ہے وہ اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے دین کی عظمت اور اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے لہٰذا اس قوت سے اس وقت استفادہ کرنا چاہئے کہ جب ہم یہ دیکھیں کہ دشمنوں کی طرف سے ہمارے دین اور ناموس پر حملہ ہو رہا ہے اور چونکہ ایک مسلمان اپنے کو خداوند عالم کی نعمتوں کا مرہون منت سمجھتا ہے اور خدا کے دین سے اسے غیرت و عزت اور شرف کی دولت ملی ہے اس لئے حقیقت میں خدا کا دشمن ہے اور خدا کے دین پر حملہ کرنے والا گویا اس کی حیثیت اور شرافت پر حملہ کرنے والا ہے اس لئے جب بھی دین خدا پر حملہ ہوتا ہے یا شریعت الٰہیہ پر تجاوز ہوتا ہے تو چونکہ خداوند عالم نے مسلمانوں پر اپنے دین و شرف کا دفاع واجب قرار دیا ہے اس لئے وہ اپنے غضب کا مظاہرہ کرتا ہے اسی لئے خداوند عالم اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ منافقین و کفار کے سلسلہ میں سخت رہیں اور ان سے قہر و غضب سے پیش آئیں۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. [2]

اے پیغمبر! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

اسی طرح قرآن مجید میں مومنین کی ایک صفت "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ" کفار کے ساتھ "سخت رویہ رکھنے والے" قرار دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ [3]

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحمدل ہیں۔

لیکن اپنے برادران دینی سے غصہ سے پیش آنے کو مذموم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے اس درس کے شروع میں جو دو آیتیں پیش کی ہیں ان سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ خداوند عالم نے مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہر قسم کی دشمنی اور عداوت سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۱۳، باب ۱۱، حدیث ۴۶

[2] سورہ توبہ: آیت ۷۳

[3] سورہ فتح: آیت ۲۹

خلاصہ

اجتماعی زندگی میں دوسروں سے رابطہ رکھنا ایک لازمی چیز ہے زیادہ تر انسانوں کے روابط اگر غصہ اور تندی کے ساتھ ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی وجہ کوئی معمولی سا مسئلہ ہے۔

مدمقابل اگر بدلہ لینے کی کوشش کرے گا تو دونوں طرف سے جنگ اور کشت وخون کی نوبت آجائے گی۔

اسلام نے اس کا یہ راہ حل پیش کیا ہے کہ انسان ایسے حالات میں حلم اور بردباری سے کام لے۔

سوالات

۱۔ بردباری کے کیا معنی ہیں؟

۲۔ روایات میں غصہ کو ایک ذلیل اور پست صفت کیوں بتایا گیا ہے؟

۳۔ حضرت علی علیہ السلام غصہ پر قابو پالینے کے سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

۴۔ حضرت علی علیہ السلام نے جناب ابوذرؓ کو رخصت کرتے وقت ان سے غصہ کے سلسلہ میں کیا فرمایا تھا؟

باب۔۱۰

بردباری۲

حلم وبردباری

اب جب کہ ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ غصہ کرنا صرف دشمنوں کے مقابلہ میں جائز ہے اور مومنین کے مقابلہ میں ممنوع ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ برادران ایمانی اور اپنے دوستوں کی بداخلاقیوں کے سلسلہ میں اسلام کا کیا نظریہ ہے؟

جیسا کہ ہم نے گزشتہ درس میں بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ میں اسلام کی تجویز حلم و بردباری اور غصہ کو پی جانا ہے اسلام کی رو سے بہت سارے اختلافات، جھگڑے اور آپس کی بدگمانیاں، حلم وبردباری کے ذریعہ، کسی لڑائی جھگڑے، انتقام یا عدالت میں جائے بغیر ختم ہو جاتے ہیں۔

اسلام کی اہم کتابوں میں جہاں حلم و بردباری کو مومنین کی ایک اعلیٰ صفت کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے وہیں حلم و بردباری اور غصہ کو پی جانے کے نتائج وفوائد پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں غصہ کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کردینے کو متقین کی صفت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ [1]

اور وہ لوگ جو اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

---

[1] سورہ آل عمران: آیت ۱۳۴

دوسری آیت میں خداوند عالم تاکید کررہا ہے کہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا چاہئے بلکہ اچھے طریقے سے جواب دینا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ [۱]

نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی لہٰذا تم برائی کا جواب اس بہترین طریقہ سے دو کہ جس سے تمہاری دشمنی ہے وہ بھی ایسا ہوجائے جیسے گہرا دوست ہوتا ہے اور یہ صلاحیت انہی کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ بات انہی کو حاصل ہوتی ہے جو بڑی قسمت والے ہوتے ہیں

لہٰذا خداوند عالم کی تجویز یہ ہے کہ صبر وتحمل کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے کہ دشمنی دوستی میں بدل جائے کیونکہ انتقام اپنے نفسانی ہیجانات کی تسکین کے لئے ہوتا ہے دشمنی کو ختم کرنے کے لئے نہیں۔

روایت میں ہے کہ ایک روز کسی نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے آپ کے غلام جناب قنبر کی توہین کی جناب قنبرؓ اس شخص کو خاموش کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھے اس وقت امام نے فرمایا: قنبرؓ ٹھہرو! اس شخص کا جواب نہ دو اس طرح خدا تم سے راضی ہوگا اور شیطان ناراض اور اس طرح تم نے گویا اپنے دشمن کو سزا دے دی ہے۔

اس خدا کی قسم! جس نے دانہ کو اگایا اور انسانوں کو خلق کیا کسی بندے نے اپنے خدا کو اس طرح راضی نہیں کیا جس طرح بردباری سے راضی کیا اور شیطان کو ناراض نہیں کیا جس طرح غصہ کو ٹھنڈا کر کے ناراض کیا اور نادان کو سزا نہیں دی جس طرح اس سے لاپرواہی کے ساتھ پیش آ کر سزا دی۔

اب ہم دیکھیں گے کہ بردباری اور غصہ کو پی جانا معصومینؑ کی نظر میں کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں جو روایتیں ہم پیش کررہے ہیں ان میں سے ہر روایت ایک خاص زاویہ سے ان دونوں خصوصیتوں کو بیان کرتی ہے لہٰذا روایت کے معنی ومفہوم میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے

حلم وبردباری سے متعلق روایتیں:

حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

اَلْحِلْمُ حِجَابٌ مِنَ الْآفَاتِ [۲]

---

[۱] سورہ فصلت: آیت ۳۴/۳۵

[۲] نور الحقیقہ: ص ۲۱۳

حلم آفات کے اوپر ایک پردہ ہے۔

اَلْحِلْمُ نُورٌ جَوْهِرُهُ الْعَقْلُ. [1]

بردباری ایک نور ہے کہ جس کی حقیقت عقل ہے۔

لَا عِزَّ رَافِعٌ مِنَ الْحِلْمِ. [2]

بردباری سے بڑی کوئی عزت نہیں ہے۔

تَعَلَّمُوا الْحِلْمَ فَإِنَّ الْحِلْمَ خَلِيلُ الْمُؤْمِنِ وَوَزِيرُهُ [3]

بردباری سیکھو اس لئے کہ بردباری مومن کا دوست اور اس کا وزیر ہے۔

عَلَيْكَ بِالْحِلْمِ فَإِنَّهُ ثَمَرَةُ الْعِلْمِ. [4]

تمہیں حلم کی سفارش کرتا ہوں اس لئے کہ وہ علم کا ثمرہ ہے۔

مَنْ حَلُمَ سَادَ [5]

جس نے حلم اور بردباری اختیار کی وہ سردار بن گیا۔

السِّلْمُ ثَمَرَةُ الْحِلْمِ. [6]

صلح و آشتی بردباری کا نتیجہ ہے

إِنَّ أَوَّلَ عِوَضِ الْحَلِيمِ مِنْ خَصْلَتِهِ أَنَّ النَّاسَ أَعْوَانُهُ عَلَى الْجَاهِلِ [7]

بردبار شخص کی بردباری کا پہلا صلہ یہ ہے کہ جاہل کے مقابلہ میں لوگ اس کی حمایت کرتے ہیں۔

مَنِ اسْتَعَانَ بِالْحِلْمِ عَلَيْكَ غَلَبَكَ وَتَفَضَّلَ عَلَيْكَ [8]

جس نے تمہارے مقابلہ میں حلم و بردباری سے مدد حاصل کی وہ تم پر غالب ہو گیا اور تم پر برتری بھی رکھتا ہے۔

---

[1] غرر الحکم: ج۵، ص۲۸۶

[2] بحار الانوار: ج۷۱، باب ۹۳، ص۳۲

[3] بحار الانوار: ج۷۸، باب ۱۶، حدیث ۱۴۰

[4] بحار الانوار: ج۷۱، باب ۹۳، حدیث ۳۵

[5] بحار الانوار: ج۷۷، باب ۸، حدیث ۱

[6] غرر الحکم: ج۱، ص۲۲۷

[7] بحار الانوار: ج۷۱، باب ۹۳، حدیث ۶۸

[8] غرر الحکم: ج۵، ص۴۵۱

امام محمد تقی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اَلْحِلْمُ لِبَاسُ الْعَالِمِ فَلَا تَعْرَيَنَّ مِنْه [1]

بردباری عالم کا لباس ہے لہٰذا اسے اتارمت پھینکنا۔

غصہ کو پی جانے سے متعلق روایتیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ كَظَمَ غَيْظاً مَلَأَ اللهُ جَوْفَهُ إِيمَاناً [2]

جو غصہ کو پی جاتا ہے اللہ اسے ایمان سے مالا مال کر دیتا ہے۔

اور حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ، سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَه [3]

جو اپنے غصہ کو روکتا ہے خدا اس کے عیوب کو چھپاتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس سلسلہ میں یہ فرماتے ہیں:

مَنْ كَظَمَ غَيْظاً وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى إِمْضَائِهِ حَشَا اللهُ قَلْبَهُ أَمْناً وَإِيمَاناً يَوْمَ الْقِيَامَةِ. [4]

جو شخص قدرت و طاقت کے باوجود اپنے غصہ کو پی جائے قیامت کے دن خداوند عالم اس کے دل کو سکون و ایمان سے بھر دے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں:

مَنْ كَظَمَ غَيْظاً وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى إِنْفَاذِهِ وَحَلُمَ عَنْهُ أَعْطَاهُ اللهُ أَجْرَ شَهِيد [5]

جو شخص قدرت و طاقت کے باوجود اپنے غصہ کو پی جائے اور حلم و بردباری سے کام لے خداوند عالم اسے شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔

---

[1] بحارالانوار: ج۷۸، باب ۳، حدیث ۲

[2] بحارالانوار: ج۶۹، باب ۳۸، حدیث ۴۴

[3] بحارالانوار: ج۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۱۱

[4] بحارالانوار: ج۷، باب ۱۵، حدیث ۶۲

[5] بحارالانوار: ج۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱۰

اسی طرح آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں:

إِنَّ أَحْزَمُ النَّاسِ أَكْظَمُهُمْ لِلْغَيْظِ [1]

سب سے زیادہ محتاط وہ شخص ہے جو اپنے غصہ کو پی جانے پر زیادہ قادر ہو۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْكَظْمُ ثَمَرَةُ الْحِلْمِ

غصہ کو پی جانا بردباری کا نتیجہ ہے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ حلم کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

كَظْمُ الْغَيْظِ وَمِلْكُ النَّفْسِ [2]

غصہ کو پی جانا اور نفس پر اختیار رکھنا۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّهُ لَيُعْجِبُنِي الرَّجُلُ أَنْ يُدْرِكَهُ حِلْمُهُ عِنْدَ غَضَبِهِ [3]

میں اس شخص کو بہت پسند کرتا ہوں جس کا حلم و بردباری اس کے غصہ کے وقت اس پر غالب آجائے۔

ایک دوسری روایت میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ کیا دوسروں کی بد اخلاقی کے مقابلہ میں غصہ کو پی جانا اور حلم و بربادری سے کام لینا ذلت نہیں ہے 'ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میرے اور ایک گروہ کے درمیان ایک مسئلہ میں اختلاف ہوگیا ہے میں چاہتا ہوں کہ لڑائی نہ ہو لیکن لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ لڑائی نہ کروگے تو ذلیل وخوار ہوجاؤ گے آپ اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟' تو آپ نے جواب دیا:

إِنَّمَا الذَّلِيلُ الظَّالِمِ [4]

ذلیل وخوار وہ ہے جو ظالم ہے۔

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اولیاء دین نے مومنین کے درمیان انس ومحبت پیدا کرنے کے لئے اور لڑائی جھگڑا روکنے کے لئے انہیں دوسروں کی بد اخلاقی کے مقابلہ میں غصہ کو پی جانے اور حلم و بردباری سے کام لینے کی تاکید

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۵۵

[2] بحارالانوار: ج ۷۸، باب ۱۹، حدیث ۲

[3] بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۱۳

[4] محجۃ البضاء،: ج ۵، ص ۳۱۳

کی ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کے دنیاوی اور اخروی آثار و نتائج کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ دوسروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں حلم و بردباری اسی حد تک بہتر ہے کہ جب تک ہمارے حقوق کی پامالی، یا ہماری شان میں گستاخی نہ ہو اور اس سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے اگرچہ اس صورت میں بھی توجہ رکھنی چاہئے کہ دوسروں کے حقوق پامال کرنے والے کو اس کام سے روکنے کے لئے صحیح راستہ لڑائی جھگڑا نہیں ہے بلکہ وہ طریقے استعمال کرنا چاہئیں جو شریعت نے ایسے لوگوں کے لئے بیان کئے ہیں۔

اخلاقی بردباری

اس بحث میں ہم دوسروں کی بداخلاقیوں اور بےادبیوں کے مقابلہ میں بزرگان دین کے اخلاق کے کچھ نمونے پیش کریں گے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ بداخلاقیاں جو بردباری کے ذریعہ حسن سلوک میں تبدیل ہوجاتی ہیں کیا ہیں؟ سب سے پہلے ہم حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں کہ امت کے درمیان اختلاف کی صورت میں آپ کا کردار کیا تھا؟

اوس وخزرج مدینہ کے دو بڑے قبیلے تھے جو زمانہ جاہلیت میں مسلسل ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ انہوں نے بارہا ایک دوسرے کو قتل کیا تھا لیکن جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آگئے تو اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی برکت سے ان دونوں میں صلح اور دوستی ہوگئی اور یہ دونوں قبیلے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سکون سے رہنے لگے ایک دن مدینہ کا ایک بوڑھا یہودی جس کا نام ''شاس بن قیس'' تھا اس نے ان دونوں قبیلوں کے لوگوں کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھا جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے تو اسے ان کا یہ اتحاد دیکھ کر جلن ہونے لگی لہٰذا اس نے ایک چال چلی تا کہ ان لوگوں کو لڑا دے اس لئے اس نے ایک یہودی جوان سے کہا جاؤ اور ان کی مجلس میں شرکت کرو اور انہیں ''روز بعاث'' کی یاد دلا دو کہ جس دن ان دونوں قبیلوں نے آپس میں سخت جنگ کی تھی اور ان کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے تھے اس یہودی نوجوان نے ایسا ہی کیا آہستہ آہستہ دونوں طرف اس قدر جوش بڑھ گیا کہ ان پر غیظ وغضب طاری ہو گیا وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے چنانچہ دونوں طرف اسلحے اٹھالو، اسلحے اٹھالو کی آواز بلند ہوگئی یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی اور آہستہ آہستہ بقیہ لوگ بھی اپنے اپنے قبیلے سے جا ملے جب یہ خبر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ فوراً وہاں پہنچے اور باآواز بلند خطاب کر کے فرمایا:

يا معشر المسلمين، الله الله، أ بدعوى الجاهلية و أنا بين أظهركم بعد أن هدا كم الله تعالى إلى الإسلام، و أكرمكم به، و قطع عنكم أمر الجاهلية، و استنقذكم به من الكفر، و ألف

بینکم، ترجعون إلی ما کنتم علیه کفارا؟. [1]

اے مسلمانو! خدا کو یاد کرو، کیا تم جاہلیت کی طرف پلٹ گئے حالانکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں اور اس کے باوجود کہ خداوند عالم نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اور تمہیں بزرگی عطا کی اور تم سے جاہلیت کو دور کیا اور تم کو اس سے نجات دی اور تمہارے درمیان الفت ومحبت قائم کردی کیا تم پھر دوبارہ اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر سنتے ہی دونوں طرف کے افراد ہوش میں آ گئے اور ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا انہوں نے اپنی تلواریں پھینک دیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ندامت کا اظہار کیا اور آپ کی پیروی کا اعلان کیا اس طرح اس یہودی کے برپا کردہ فتنہ کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی ایک دوسری داستان یہ ہے کہ ایک دن ایک دیہاتی عرب مدینہ آیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ پیسے لینے کے لئے مسجد میں پہنچا جس وقت وہ مسجد میں پہنچا رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اس عرب نے اپنی حاجت بیان کی اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کچھ پیسے دیئے لیکن وہ دیہاتی قانع نہیں ہوا اور اس نے آپ کی شان میں جسارت کی اور برا بھلا کہنے لگا اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ آ گیا اور انہوں نے اسے روکنا چاہا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا۔ پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنے گھر لے گئے اور اس کی کچھ اور مدد کی اعرابی تو یہ سمجھتا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادشاہوں کی طرح رہتے ہوں گے مگر جب اس نے قریب سے آپ کی زندگی کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ غلط سوچتا تھا۔ اس لئے کہ آپ کی زندگی بہت سادہ اور معمولی تھی یہ دیکھ کر وہ نادم ہوا اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا:

اخشی علیك الآذی ممن سمع مقالتك لی فی المسجد فلو اظهرت رضاك

تم نے کل میرے اصحاب کے درمیان مجھے برا بھلا کہا تھا لیکن آج تنہائی میں میرا شکریہ ادا کر رہے ہو مجھے ڈر ہے کہیں وہ تمہیں پریشان نہ کریں اگر ہو سکے تو اس اظہار تشکر کو ان کے سامنے بھی دہرا دو۔

اس اعرابی نے حضرت کی بات کو قبول کیا اگلے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعرابی کو ساتھ لے کر مسجد میں تشریف لائے اور اصحاب کے درمیان فرمایا: یہ شخص ہم سے راضی ہوگیا ہے، کیا ایسا نہیں ہے؟

اعرابی نے آپ کی تصدیق کی اور پھر اس مجمع کے سامنے آپ کا شکریہ ادا کیا پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کو خطاب کر کے فرمایا: میری اور اس شخص کی مثال اس آدمی جیسی ہے کہ جس کا اونٹ بھڑک کر بھاگ رہا تھا اور لوگ اونٹ والے

---

[1] اسد الغابہ، ج۱، ص۱۷۵

کی مدد کے لئے اونٹ کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور چلا رہے تھے لیکن اس شور وغل سے وہ اور زیادہ بھاگتا تھا اس لئے اونٹ والے نے لوگوں سے کہا آپ میری مدد نہ کریں تا کہ اسے پکڑنے کے لئے میں خود کوئی تدبیر کرسکوں پھر اس نے تھوڑی سی گھاس اٹھائی اور بغیر کسی شور وغل کے وہ گھاس اس اونٹ کے سامنے رکھ دی جب اونٹ گھاس کھانے میں مشغول ہوا تو بڑی آسانی سے اس نے اونٹ کی مہار پکڑی اور اپنی راہ پر چل پڑا۔

اگر میں نے تم کو کل منع نہ کیا ہوتا تو یہ شخص تمہارے ہاتھوں بڑی بری طرح مارکھا تا لیکن میں نے نرمی کے ساتھ اسے رام کرلیا۔

تیسرا نمونہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے مربوط ہے، ایک روز ایک شامی نے آپ کو دیکھا جب آپ سوار تھے دیکھتے ہی آپ پرلعن طعن کرنے لگا۔ آپ بالکل خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا جب وہ خاموش ہوگیا تو حضرت اس کے پاس گئے اسے سلام کیا مسکرائے اور فرمایا:

أَيُّهَا الشَّيْخُ أَظُنُّكَ غَرِيباً لَوْ سَأَلْتَنَا أَعْطَيْنَاكَ وَ لَوِ اسْتَرْشَدْتَنَا أَرْشَدْنَاكَ وَ لَوِ اسْتَحْمَلْتَنَا حَمَّلْنَاكَ وَإِنْ كُنْتَ جَائِعاً أَشْبَعْنَاكَ وَإِنْ كُنْتَ مُحْتَاجاً أَغْنَيْنَاكَ وَإِنْ كُنْتَ طَرِيداً.

اے بھائی میرے خیال سے تم مسافر ہو اور تمہیں کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے اگر تمہیں کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ تا کہ میں پوری کردوں۔ اگر تمہیں رہنمائی کی ضرورت ہے تو تمہاری رہنمائی کروں، مدد کی ضرورت ہے تو تمہاری مدد کروں، بھوکے ہو تو تمہیں سیر کروں اگر لباس کی ضرورت ہو تو لباس دوں گا، آوارہ وطن ہو تو تمہیں پناہ دوں گا یا کوئی اور حاجت ہو تو پوری کروں گا۔ بہرحال میرے پاس کافی جگہ اور مال ومنال ہے۔ جب اس شخص نے آپ کے نرم کلام اور بردبارانہ اخلاق کو دیکھا تو شرمندہ ہوا اور رونے لگا اور بولا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین پر خلیفہ الٰہی ہیں، خدا جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس جگہ قرار دے آپ اور آپ کے والد اب تک میری نظر میں سب سے برے انسان تھے لیکن اب میرے نزدیک محبوب ترین خلق خدا آپ لوگ ہیں، اس طرح حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے نرم رویہ اور بردبارانہ اخلاق کے ذریعے اپنے ایک متعصب ترین دشمن کو جو بنی امیہ کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے آپ سے کینہ ودشمنی رکھتا تھا اپنا دوست اور محبوب بنالیا۔

خلاصہ

سماجی اور آپسی روابط اور تعلقات کے سلسلہ میں بزرگان دین نے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ پیش کئے ہیں۔

خاص طور سے حلم و بردباری، غصہ پر کنٹرول اور برائی کے بدلے میں اپنے دشمنوں پر احسان کر کے انہوں نے اخلاقی اقدار کو مزید بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔

بے شک انسانی زندگی میں حلم و بردباری کا بہت ہی اہم کردار ہے۔

سوالات

۱۔ سماجی زندگی میں حلم و بردباری کے کیا آثار ہیں؟

۲۔ مولائے کائنات علیہ السلام نے حلم کی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں کیوں تاکید کی ہے؟

۳۔ حلم اور غصہ کو پی جانے کے درمیان کیا ربط ہے؟

۴۔ حلم کے سلسلہ میں تاریخ وسیرت سے چند نمونے پیش کیجئے۔

باب۔ ۱۱

عفواور چشم پوشی

گذشتہ دروس سے ہمیں یہ بخوبی معلوم ہوگیا ہے کہ اگر کوئی ہمارے ساتھ برا سلوک کرے تو اسلام کی نگاہ میں اس کا بہترین علاج بردباری اور ضبط تحمل کرنا ہے، اب یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ بردباری اور نرم دلی کا لازمہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں انسان معافی تلافی سے کام لے اور سامنے والے کی غلطی کو معاف کردے لہٰذا اس سبق میں ہم معافی کے عنوان کی وضاحت پیش کریں گے۔

عفوو بخشش کو اسلامی اخلاقیات اور سماجیات کے ارکان میں سے ایک اصلی رکن قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے نویں سبق میں بیان کیا ہے کہ ہر معاشرہ میں یہ عام بات ہے کہ مختلف اسباب کی بناء پر بعض لوگوں کے حقوق پامال ہوجاتے ہیں جیسے کسی کا مذاق اڑانا، کسی کی توہین کرنا وغیرہ اور یہ بھی بالکل صاف بات ہے کہ اس طرح کے اکثر حقوق بہت معمولی اور عام ہوتے ہیں جیسے کسی کے آرام میں خلل ڈالنا، دوسرے کے نمبر پر آگے بڑھ کر خود کوئی چیز لے لینا وغیرہ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ اگر ایسے حالات میں کوئی شخص صد در صد اپنے تمام حقوق حاصل کرنا چاہے اور ذرہ برابر چشم پوشی اور خندہ پیشانی سے کام نہ لے تو سماج کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی اور ہمیں ہر روز نئے سے نئے جھگڑوں کا سامنا کرنا پڑے گا جس کی بناء پر سب کی زندگی تلخ ہوکر رہ جائے گی اس لئے اسلام میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ ایسے حالات میں صبر و تحمل سے کام لے کر دوسروں کی خطاؤں سے چشم پوشی کریں اور حتی الامکان ان کو معاف بھی کردیں۔

قرآن مجید میں رب کریم نے متعدد آیات میں مومنین کرام کو ایک دوسرے کی خطاؤں سے درگزر کرنے اور انہیں معاف کرنے کی خاص تاکید کی ہے کہ جیسا کہ ارشاد ہے:

خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ [۱]

آپ عفو کا راستہ اختیار کریں نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی کریں۔

ایک دوسرے کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ طریقہ کار اتنا عام ہوجائے کہ ہر شخص اس کو اپنی خاص عادت بنالے اور اس پر اسے اتنا کنٹرول ہو کہ جہاں بھی مناسب ہو وہ عفو سے کام لے، نہ یہ کہ جب دل چاہے معاف کردے اور جب دل نہ چاہے معاف نہ کرے۔

اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت بھی ہے کہ:

سئل رسول الله ﷺ جبرئیل علیہ السلام عن ذلك؟ فقال: لا أدری حتی اسئل العالم ثم أتاه فقال یا محمد ان الله یأمرك ان تعفو عمن ظلمك، و تعطی من حرمك، و تصل من قطعك. [۲]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب جبرئیل سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں ہے لہٰذا میں خداوند عالم سے دریافت کرکے آپ کو بتا سکتا ہوں اس کے بعد وہ آسمان پر گئے اور دوبارہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خداوند عالم نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جو بھی آپ پر ظلم کرے اسے معاف کردیں اور جو آپ کو محروم رکھے اسے عطا فرمائیں اور جو آپ سے رابطہ توڑ لے اس سے رابطہ برقرار رکھیں۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں عفو اور بخشش کو متقین کی ایک صفت قرار دیا گیا ہے:

وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ [۳]

(پرہیزگار اور متقین وہ افراد ہیں) جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔

دوسری دو آیتوں میں بھی دشمن سے انتقام لینے کے بجائے اسے معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معاف کرنے والوں کو رحمت الٰہی کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ [۴]

ہر ایک کو معاف کرنا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خدا تمہارے گناہوں کو بخش دے اور اللہ بے شک بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

---

[۱] سورۂ اعراف: آیت ۱۹۹

[۲] تفسیر نور الثقلین/ ج ۲/ ۱۱۱/ [سورۃ الاعراف (۷): الآیات ۱۸۶ الی ۱۹۹]..... ص: ۱۰۶

[۳] سورۂ آل عمران: آیت ۱۳۴

[۴] سورۂ نور: آیت ۲۲

دوسری آیت:

وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ [1]

اور اگر انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو اور انہیں بخش دو تو اللہ بھی بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

معصومین علیہم السلام کی احادیث میں بھی عفو اور بخشش کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کی خطاؤں سے درگزر کریں اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

إنّ الله تعالیٰ عفوّ یحبّ العفو [2]

خدا بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے اور بہت زیادہ معاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

من اقال مسلما عثرته أقال الله عثرته یوم القیامة [3]

جو شخص کسی مسلمان کی غلطی کو معاف کر دے گا تو خداوند عالم بھی روز قیامت اس کی غلطیوں کو معاف کر دے گا۔

عَلَيْكُمْ بِالْعَفْوِ فَإِنَّ الْعَفْوَ لَا يَزِيدُ الْعَبْدَ إِلَّا عِزّاً فَتَعَافَوْا يُعِزَّكُمُ الله. [4]

عفو اور بخشش سے کام لو کیونکہ معاف کرنے سے انسان کی عزت ہی بڑھتی ہے لہٰذا لوگوں کی غلطیوں کو معاف کرو خدا تمہیں باعزت قرار دے۔

وَمَنْ كَثُرَ عَفْوُهُ مُدَّ فِي عُمُرِهِ [5]

جس کے یہاں بخشش اور معافی کی کثرت ہوتی ہے اس کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

الْعَفْوُ تَاجُ الْمَكَارِمِ [6]

معاف کرنا اچھائیوں کے سر کا تاج ہے۔

شَيْئَانِ لَا يُوزَنُ ثَوَابُهُمَا الْعَفْوُ وَالْعَدْلُ [7]

دو چیزوں کے ثواب کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے ایک عفو (معاف کرنا) دوسرے عدل۔

---

[1] سورہ تغابن: آیت ۱۴

[2] کنز العمال: ج ۳ ص ۳۷۳، حدیث ۷۰۰۵

[3] کنز العمال: ج ۳ ص ۳۷۶، حدیث ۷۰۱۹

[4] بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۵

[5] بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۷۴

[6] غرر الحکم: ص ۲۴۵

[7] غرر الحکم: ص ۴۴۶

شَرُّ النَّاسِ مَنْ لَا يَعْفُو عَنِ الزَّلَّةِ وَلَا يَسْتُرُ الْعَوْرَةَ[1]

سب سے برا انسان وہ ہے جو کسی کی غلطی کو معاف نہ کرے اور دوسروں کے عیوب اور برائیوں پر پردہ نہ ڈالے۔

قِلَّةُ الْعَفْوِ أَقْبَحُ الْعُيُوبِ وَالتَّسَرُّعُ إِلَى الِانْتِقَامِ أَعْظَمُ الذُّنُوبِ.[2]

عفو و درگزر کی قلت سب سے بدتر برائی ہے اور انتقام لینے میں جلد بازی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس سلسلے میں فرمایا ہے:

النَّدَامَةُ عَلَى الْعَفْوِ أَفْضَلُ وَأَيْسَرُ مِنَ النَّدَامَةِ عَلَى الْعُقُوبَةِ

معاف کرنے کے بعد شرمندہ ہونا انتقام اور بدلہ لے کر نادم ہونے سے بہت بہتر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ مُرُوَّتُنَا الْعَفْوُ عَمَّنْ ظَلَمَنَا

ہم اہل بیت علیہم السلام کی (شان) یہ ہے کہ جو ہم پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کر دیتے ہیں۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ

ثَلَاثٌ مِنْ مَكَارِمِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَتَحْلُمُ إِذَا جُهِلَ عَلَيْكَ.

تین چیزیں اخلاق دنیا اور آخرت کے اعلیٰ ترین اقدار میں سے ہیں:

(۱) یہ کہ جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو

(۲) جو تم سے رابطہ توڑ لے اس سے تعلق برقرار رکھو

(۳) جو تمہارے ساتھ نادانی کرے اس سے بردباری سے پیش آؤ۔[3]

عفو و درگذر کا فرق

عفو اور چشم پوشی کے بارے میں معصومین علیہم السلام کی بعض روایات سے واقفیت کے بعد اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ اسلامی کتابوں میں کلمہ عفو کے علاوہ ایک کلمہ "صفح" بھی آیا ہے جیسا کہ آپ نے آغاز درس میں آیات کے

[1] بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۶
[2] غرر الحکم: ص ۴۶۵
[3] بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۴، حدیث ۳

ترجمہ میں ملاحظہ فرمایا کہ وہاں ہم نے "صفح" کا ترجمہ چشم پوشی (بالکل نظرانداز) کرنا کیا ہے اگرچہ یہ دونوں الفاظ معاف کرنے اور چشم پوشی کے معانی میں تقریباً ایک ہی طرح استعمال ہوتے ہیں لیکن "صفح" کے معنی عفو کے معنی سے قدرے مختلف ہیں یعنی کسی کی غلطی کو اصلاً نظرانداز کردینا (اور اسے ان دیکھا قرار دینا) لہٰذا اگر کسی کی غلطی ثابت ہوجانے کے بعد اسے ہم سزا نہ دیں تو اس کو عفو اور بخشش کہا جاتا ہے لیکن اگر اس کی غلطی کو بالکل نظرانداز کردیں اور اس پر اصلاً توجہ نہ کریں کہ جیسے اس نے کوئی غلطی ہی نہیں کی کہ اسے سزا دی جاتی تو اس کو "صفح" کہتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عفو یعنی خطا کو معاف کردینا اور صفح یعنی غلطی کو قابل توجہ اور گرفت کے لائق قرار نہ دینا جیسا کہ قرآن مجید میں عفو کے بارے میں ارشاد ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ [1]

اور ہر برائی کا بدلہ اس کے جیسا ہوتا ہے پھر جو معاف کردے اور اصلاح کردے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ یقیناً ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

دوسری آیت میں صفح (چشم پوشی) کے بارے میں یہ ارشاد ہے:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ [2]

لہٰذا ان سے درگزر کیجئے اور سلامتی کا پیغام دے دیجئے۔

ایک اور مقام پر ان الفاظ میں صفح کا حکم دیا گیا ہے۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ [3]

لہٰذا آپ ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کردیں۔

سب سے پہلی آیت میں خداوند عالم نے ہر برے کام کی ایک سزا معین کی ہے لیکن پھر معاف کرنے کی تاکید کی ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ عفو اس جگہ کہا جاتا ہے جہاں کوئی برائی یا جرم ثابت ہوجائے لیکن سزا نہ دی جائے لیکن کلمہ صفح والی دونوں آیتوں میں پروردگار عالم، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسالمت آمیز انداز میں چشم پوشی اور مشرکین کی خطاؤں کو بیان کئے بغیر ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم دے رہا ہے حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے "فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ

---

[1] سورۂ شوریٰ: آیت ۴۰

[2] سورۂ زخرف: آیت ۸۹

[3] سورۂ حجر: آیت ۸۵

الْعَفْوَ مِنْ غَيْرِ عِتَابٍ[1]

یعنی ایسی معافی جس میں کسی قسم کی تنبیہ اور سرزنش نہ کی جائے۔

انتقام کی طاقت کے باوجود غلطی کو معاف کر دینا

عفو اور بخشش کے بارے میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عفو کرنا اس جگہ صحیح ہے جہاں انسان انتقام کی طاقت رکھتا ہو لیکن اگر اپنی کمزوری کی بنا پر اس سے انتقام نہ لے سکے اور اسے معاف کر دے تو یہ نہ صرف یہ کہ کوئی اچھا کام نہیں ہے بلکہ ممکن ہے اس کی بنا پر اس کے دل میں کینہ پیدا ہو جائے جس سے دوسرے گناہ جنم لے لیں جیسے غیبت، جھوٹ، تہمت، اور حسد وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مومنین کو معافی تلافی کا حکم دینے کے باوجود انہیں مظلوموں اور کمزوروں کے حقوق کا دفاع کرنے کا حکم بھی دیا ہے تاکہ کوئی شخص کسی کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی شخص اپنی کمزوری کی بنا پر اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لئے مجبور ہو جائے اور اس کے بدلے اپنے دل میں ظالم کا کینہ بھر لے جس کے نتیجہ میں اسلامی سماج سے خلوص اور پاک دلی کا خاتمہ ہو جائے۔

اسلامی روایات میں انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے کسی کو معاف کر دینے کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ عَفَا عِنْدَ قُدْرَةٍ عَفَا اللهُ عَنْهُ يَوْمَ الْعَثْرَةِ[2]

انتقام کی طاقت رکھنے کے باوجود کسی کی خطا کو معاف کر دے خداوند عالم روز قیامت اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

أَوْلَى النَّاسِ بِالْعَفْوِ أَقْدَرُهُمْ عَلَى الْعُقُوبَةِ[3]

لوگوں میں سب سے زیادہ معاف کرنے کا حقدار وہ ہے جو سب سے زیادہ سزا دینے کی طاقت رکھتا ہو۔

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۵۶

[2] کنزالعمال: ج ۳، ص ۳۷۷

[3] بحارالانوار: ج ۶۸، ص ۴۲۰

حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

إِذَا قَدَرْتَ عَلَى عَدُوِّكَ فَاجْعَلِ الْعَفْوَ عَنْهُ شُكْرًا لِلْقُدْرَةِ عَلَيْهِ [۱]

جب تم اپنے دشمن پر تسلط حاصل کرلو تو اس پر تسلط پانے کے شکرانہ میں اسے معاف کردو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

اَلْعَفْوُ زَكَاةُ الْقُدْرَةِ. [۲]

معاف کردینا طاقت کی زکوٰۃ ہے۔

امام حسن علیہ السلام نے اس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ أَعْفَى النَّاسِ مَنْ عَفَى عَنْ قُدْرَتِهِ. [۳]

سب سے بڑا عفوودرگزر کرنے والا وہ ہے جو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کردے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

الْعَفْوُ عِنْدَ الْقُدْرَةِ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ وَ أَسْرَارِ الْمُتَّقِينَ [۴]

انتقام کی طاقت اور قوت ہوتے ہوئے بھی کسی کو معاف کردینا انبیاء اور متقین کی سنت وسیرت ہے۔

فتح مکہ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی فتح تصور کی جاتی ہے اس میں اسلامی لشکر قدرت و طاقت کی بلندیوں پر پہنچ چکا تھا اور اس کے مقابل مشرکین بالکل ذلیل وخوار اور شکست خوردہ تھے اسی دوران جب اسلامی لشکر مکہ میں داخل ہورہا تھا تو جناب سعد بن عبادہ جو اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے ان کی زبان سے یہ نعرہ بلند ہوا:

اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْيَوْمُ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ [۵]

آج لڑائی کا دن ہے آج تو عورتوں کو بھی قید کرلیا جائے گا۔

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت غصہ آیا اور آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: تم جا کر سعد بن عبادہ سے لشکر کا علم لے لو اور انہیں علمبرداری سے معزول کردو۔

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۷۶

[۲] غررالحکم: ص ۳۴۲

[۳] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۴۱

[۴] بحارالانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۶۲

[۵] شرح نہج البلاغۃ: ج ۱۷، ص ۲۷۲

پھر آپ نے فرمایا:

بَلِ الْیَوْمُ یَوْمَ الْمَرْحَمَه

(نہیں نہیں) بلکہ آج رحمت وبخشش کا دن ہے (قتل وغارت کا دن نہیں ہے)۔

عفو کے مواقع

عفو وبخشش کے بارے میں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ عفو وبخشش کا موقع ومحل کیا ہے؟ اور کب اور کس کو معاف کیا جائے اور کسے معاف نہ کیا جائے لہٰذا اس کی شناخت بھی بہت اہم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ذاتی معاملات میں معاف کردینا اچھی بات ہے مگر دوسروں کے بارے میں یا سماجی اور خدائی معاملات میں کسی کو معاف کرنا مطلقاً درست نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو معاف کرنے میں پورے معاشرے کا ہی فائدہ ہو اسی طرح اگر کسی نے حقوق خدا کو ضائع کیا ہے اور وہ اپنے حدود سے آگے تجاوز کرگیا ہے تو اس کو صرف صرف، نبی خدا، یا ان کا جانشین وہ بھی اذن الٰہی کے ذریعہ معاف کرسکتا ہے، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چہ عفو وبخشش کا نمونہ تھے مگر جس مقام پر سماجی حقوق ضائع ہورہے ہوں وہاں آپ بالکل تحمل نہیں کرتے تھے جیسا کہ جناب ام سلمہ کی کنیز کے بارے میں یہ نقل ہوا ہے کہ اس نے ایک دن چوری کرلی تو جن لوگوں کا مال چوری ہوا تھا انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اس کنیز کو سزا دی جائے جب کہ جناب ام سلمہ نے اس کی سفارش کرنا چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو حدود الٰہیہ میں سے ہے اور حدود الٰہیہ میں کسی قسم کی ڈھیل نہیں دی جاسکتی اس کے بعد کنیز کو سزا دینے کا حکم صادر فرمادیا۔

اسی طرح جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی کہ آپ کے ایک گورنر نے بیت المال کا غلط استعمال کیا ہے تو آپ نے اسے مندرجہ ذیل سخت جملے تحریر فرمائے:

فَاتَّقِ اللهَ، وارْدُدْ إِلَى هَؤُلاءِ الْقَوْمِ أَمْوَالَهُمْ، فإنَّكَ إِنْ لَمْ تَفْعَلْ ثُمَّ أَمْكَنَنِي اللهُ مِنْكَ لأُعْذِرَنَّ إِلَى اللهِ فِيكَ، ولأَضْرِبَنَّكَ بِسَيْفِي الَّذِي مَا ضَرَبْتُ بِهِ أَحداً، إِلَّا دَخَلَ النَّارَ، وواللهِ لَوْ أَنَّ الْحَسَنَ والْحُسَيْنَ فَعَلا مِثْلَ الَّذِي فَعَلْتَ مَا كَانَتْ لَهُمَا عِنْدِي هَوَادَةٌ، ولا ظَفِرَا مِنِّي بِإِرَادَةٍ، حَتَّى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُمَا، وأُزِيحَ الْبَاطِلَ عَنْ مَظْلَمَتِهِمَا. [1]

خداوند عالم سے ڈرو اور ان لوگوں کے اموال انہیں واپس کردو کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور خدا نے تمہارے اوپر

---

[1] نہج البلاغہ: ص ۴۱۳، مکتوب ۴۱

مجھے اختیارات دے دیئے تو میں تمہیں اپنی اس تلوار سے ماروں گا جس سے میں نے جس کسی کو بھی قتل کیا ہے وہ سیدھا واصل جہنم ہی ہوا ہے اور خدا کی قسم! اگر حسن وحسین بھی تمہاری طرح یہ کام کرتے تو میں ان کی بھی کوئی طرف داری نہ کرتا اور وہ میرے ذریعہ اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکتے تھے یہاں تک کہ میں ان دونوں سے صاحبان حق کا حق واپس لے لیتا اور جو تجاوز اور ظلم کیا ہوتا اسے مٹا دیتا۔

لہٰذا عفو وبخشش صرف ذاتی معاملات میں اچھی چیز ہے لیکن خدا یا دوسروں کے حقوق میں ہمیں کسی کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت میں بھی اس سلسلہ میں کسی قسم کی رعایت کا سراغ نہیں ملتا۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عفو وبخشش صرف اسی مقام پر ہوتی ہے جہاں معاف کئے جانے والے شخص کو اس معافی کی قدر وقیمت کا احساس ہو اور اس کے اندر کم از کم اتنی شرافت پائی جاتی ہو کہ جب کسی غلطی کی بنا پر اسے معاف کیا جائے تو وہ اپنی غلطی کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس شرمندگی کی وجہ سے دوبارہ غلطی کرنے کی ہمت بھی نہ کرے لیکن اگر اس کے برعکس پست اور نیچ لوگوں کو معاف کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی غلطی پر شرمندہ نہ ہوں گے بلکہ ان کی ہمتیں اور بلند ہو جائیں گی اور وہ اپنی حد سے مزید تجاوز کرنے لگیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

الْعَفْوُ يُفْسِدُ مِنَ اللَّئِيمِ بِقَدْرِ إِصْلَاحِهِ مِنَ الْكَرِيمِ [1]

عفو وبخشش، جس مقدار میں شریف النفس انسان کی اصلاح کرتی ہے اسی مقدار میں پست اور نیچ انسان اس کے ذریعے خراب ہوتا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

حَقُّ مَنْ أَسَاءَكَ أَنْ تَعْفُوَ عَنْهُ وَإِنْ عَلِمْتَ أَنَّ الْعَفْوَ يَضُرُّ انْتَصَرْتَ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولئِكَ ما عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ. [2]

یعنی جس نے تمہارے ساتھ بدی کی ہے اس کا حق یہ ہے کہ اسے معاف کر دو اور اگر تم یہ سمجھو کہ معاف کرنے میں نقصان ہے تو پھر اس سے بدلہ لو، کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ: جس پر کوئی ظلم ہوا ہے اگر وہ اپنا انتقام لینا چاہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۱۵، حدیث ۴

[2] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱، حدیث ۱

خلاصہ

عفواور بخشش بھی اسلامی اخلاقیات کے اہم رکن ہیں۔

عفو و بخشش اس وقت صحیح ہے جب انسان انتقام کی قدرت بھی رکھتا ہو اور پھر دشمن کی کمزوری کے باوجود اس کی غلطیوں اور خطاؤں سے چشم پوشی کرے۔

عفواور بخشش ذاتی معاملات میں بہتر ہے لیکن خدائی یا سماجی (یعنی دوسروں) کے معاملات میں کسی کو معاف کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

سوالات

۱۔عفواور صفح کے درمیان کیا فرق ہے؟

۲۔حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک گورنر کو بیت المال سے غلط استفادہ کرنے پر کیا تحریر فرمایا؟

۳۔عفو و بخشش صرف شریف آدمی کے بارے میں ہی کیوں جائز ہے؟

۴۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جن خصلتوں کو دنیا اور آخرت میں بہتر قرار دیا ہے ان میں سے چند خصلتیں بیان کیجئے۔

باب۔ ۱۲

انصاف

عدل وانصاف بھی اسلام کے اخلاقی اور سماجی نظام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔معاشرے اورسماج میں انصاف قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کوبھی ہم عدل و انصاف سمجھتے ہیں اس پرعمل کریں چاہے وہ ہمارے نقصان میں ہی کیوں نہ ہو۔

سماجیات میں انصاف کی اہمیت اس لئے ہے کہ پورے معاشرے اورسماج کوصحیح طریقہ سے چلانے اورسب کے حقوق ادا کرنے کے لئے کچھ ایسے قوانین کی ضرورت ہےجن کے مطابق اس نظام کو چلایا جا سکے اور یہ قوانین ایسے ہوں جن میں معاشرے کےمختلف افراد کے درمیان کسی تفاوت اور برتری کا خیال نہ رکھا جائے یعنی ایسا نہ ہو کہ اگر کچھ لوگ بعض قوانین کواپنے فائدے میں دیکھیں توان پرعمل کرتے رہیں اورجس دن انہیں نقصان ہونے لگےتوان قوانین کوتبدیل کردیں۔

ہر معاشرہ کی اصل مشکل یہی ہے کہ تمام لوگ حق کی بات تو بہت زوروشور سے کرتے ہیں لیکن عمل کرتے وقت خاص طور سے جب کہ وہ ان کے نقصان میں ہوااس پرعمل کرنے کے بجائے کسی نہ کسی طریقہ سے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے:

فَالْحَقُّ أَوْسَعُ الْأَشْيَاءِ فِي التَّوَاصُفِ وَأَضْيَقُهَا فِي التَّنَاصُفِ.[1]

---

[1] نہج البلاغۃ:ص ۳۳۲،خطبہ ۲۱۶

تعریف وتمجید کرنا ہوتو حق سے وسیع وعریض کوئی چیز نہیں اور اگر انصاف کرنے کا مرحلہ آجائے اور (اس پر عمل کرنا پڑے) تو پھر حق سے محدود اور چھوٹی بھی کوئی چیز نہیں ہے۔

یعنی لوگ عام طور پر ایسے ہوتے ہیں کہ حق کی بات کرتے وقت تو بہت لمبی لمبی ڈینگیں ماریں گے لیکن جب کسی کا حق ادا کرنے کی باری آتی ہے تو پھر کسی نہ کسی بہانے سے جان بچاتے پھرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق بڑی مشکل سے ادا کرتے ہیں۔

اسی بناء پر اسلامی کتابوں میں اس کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور معاشرہ میں عدالت کو رواج دینے کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

قرآن مجید کی چند آیات میں عدل وانصاف کے ایک بہت ہی نازک مرحلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی جب اکثر لوگوں کو اپنے یا اپنے رشتہ داروں کے بارے میں عدل وانصاف کرنا پڑتا ہے تو ان کے قدم لرکھڑا جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ. [۱]

اور جب بات کروتو انصاف کے ساتھ، چاہے اپنے اقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور عہد خدا کو پورا کرو کہ پروردگار نے تمہیں اس کی وصیت کی ہے کہ شاید تم عبرت حاصل کرسکو۔

دوسری آیت میں خداوند عالم یوں ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا. [۲]

اے ایمان والو! عدل وانصاف کے ساتھ قیام کرو اور اللہ کے لئے گواہ بنو چاہے اپنی ذات یا اپنے والدین اور اقرباء ہی کے خلاف کیوں نہ ہو جس کے لئے گواہی دینا ہے وہ غنی ہو یا فقیر، اللہ دونوں کے لئے تم سے اولیٰ ہے لٰہذا خبردار خواہشات کا اتباع نہ کرنا تاکہ انصاف کرسکو اور اگر توڑ مروڑ سے کام لیا یا بالکل کنارہ کشی اختیار کرلی تو یاد رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

---

[۱] سورۂ انعام: آیت ۱۵۲

[۲] سورہ نساء: آیت ۱۳۵

اس آیت میں خداوند عالم نے عدل وانصاف کی رعایت کرنے کے علاوہ دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔
پہلے یہ کہ عدل وانصاف کرتے وقت ممکن ہے کہ خودتمہارا یا تمہارے عزیزوں کا نقصان ہوجائے لہٰذا ایسے مرحلہ میں اپنے یا اپنے عزیزوں کے ذاتی فائدے کے لئے عدل وانصاف کو اپنے پاؤں تلے نہ روندھ ڈالنا، دوسرا یہ کہ فیصلہ کرتے وقت ہم سامنے والے کی حیثیت کا خیال کرلیتے ہیں مثلاً کسی فقیر پر رحم کھا کر اسے کوئی چیز دے دیں جب کہ وہ اس کا حقدار نہ ہو۔ یا مالداروں اور رئیسوں کی دولت کی لالچ میں ان کے حق میں فیصلہ کردیں اور وہ اس کے حقدار نہ ہوں لہٰذا آیت میں اس بات کی طرف خاص ہدایت دی گئی ہے کہ خبردار کسی کی دولت یا غربت کی بناء پر حق کو ناحق قرار نہ دے دینا۔
اس مضمون کو خداوند عالم نے دوسری آیت میں یوں ارشادفرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ‌ ۚ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا‌ ؕ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ.[1]

ایمان والو! خدا کے لئے قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور خبردار کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ انصاف کو ترک کردو، انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔
اس آیت میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دوسروں کی غلطیوں کی وجہ سے تم حق کے راستہ سے منحرف نہ ہوجانا کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی دوسرے کی برائیوں کی وجہ سے خودبھی انتقام لینے کی خاطر عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے اور ایسے مرحلہ پر واقعاً عدالت سے کام لینا بہت مشکل ہے۔
اس سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے احادیث نقل ہوئی ہیں جن میں سے ہم بعض احادیث یہاں ذکر کررہے ہیں:
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

أَعْدَلُ النَّاسِ مَنْ رَضِيَ لِلنَّاسِ مَا يَرْضَى لِنَفْسِهِ وَ كَرِهَ لَهُمْ مَا يَكْرَه.[2]

سب سے بڑا عادل انسان وہ ہے جو اپنے لئے جو کچھ بھی پسند کرے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہو اسے دوسروں کے لئے بھی ناپسند رکھے۔
اس طرح آپ نے یہ بھی ارشادفرمایا ہے

---

[1] سورہ مائدہ: آیت ۸
[2] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۱

مَنْ وَاسَى الْفَقِيرَ مِنْ مَالِهِ وَ أَنْصَفَ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ فَذٰلِكَ الْمُؤْمِنُ حَقًّا.[1]

جو شخص غریبوں کی امداد کرے اپنے مال سے اور اپنے بارے میں لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لے وہ سچا مومن ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے انصاف کو عزت و سربلندی قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

مَنْ يُنْصِفِ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ لَمْ يَزِدْهُ اللهُ إِلَّا عِزًّا.[2]

اپنے بارے میں جو لوگوں کے ساتھ انصاف فرمائے گا خداوند عالم اس کی عزت میں اضافہ فرمائے گا۔

سبق کے شروع میں انصاف کی جو تعریف بیان کی گئی تھی اس کے مطابق آپ مندرجہ ذیل روایت میں عدل و انصاف کے مصادیق کو بخوبی پہچان سکتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کو اپنی وصیت میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے:

يَا بُنَيَّ اجْعَلْ نَفْسَكَ مِيزَاناً فِيمَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ غَيْرِكَ فَأَحْبِبْ لِغَيْرِكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَ اكْرَهْ لَهُ مَا تَكْرَهُ لَهَا وَ لَا تَظْلِمْ كَمَا لَا تُحِبُّ أَنْ تُظْلَمَ وَ أَحْسِنْ كَمَا تُحِبُّ أَنْ يُحْسَنَ إِلَيْكَ وَ اسْتَقْبِحْ مِنْ نَفْسِكَ مَا تَسْتَقْبِحُهُ مِنْ غَيْرِكَ وَ ارْضَ مِنَ النَّاسِ بِمَا تَرْضَاهُ لَهُمْ مِنْ نَفْسِكَ وَ لَا تَقُلْ مَا لَا تَعْلَمُ وَ إِنْ قَلَّ مَا تَعْلَمُ وَ لَا تَقُلْ مَا لَا تُحِبُّ أَنْ يُقَالَ لَكَ.[3]

بیٹا دیکھو! اپنے اور غیر کے درمیان، میزان اپنے نفس کو قرار دو اور دوسرے کے لئے وہی پسند کرو جو کہ اپنے لئے کر سکتے ہو اور اس کے لئے بھی وہ بات ناپسند کرو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو، کسی پر ظلم نہ کرنا اپنے او پر ظلم پسند نہیں کرتے ہو اور ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنا جس طرح چاہتے ہو کہ سب تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں اور جس چیز کو دوسرے سے برا سمجھتے ہو اسے اپنے لئے بھی برا ہی تصور کرنا لوگوں کی اس بات سے راضی ہو جانا جس سے (اپنی جس بات سے) لوگوں کو راضی کرنا چاہتے ہو بلا علم کوئی بات زبان سے نہ نکالنا اور وہی کہنا جو جانتے ہو۔ اور کسی کے بارے میں وہ بات نہ کہنا جو اپنے بارے میں پسند نہیں کرتے ہو۔

متعدد روایات میں انصاف کو "إِنْصَافُ النَّاسِ مِنَ النَّفْسِ" سے تعبیر کیا گیا ہے انصاف کے یہ معنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں گزر چکے ہیں اور اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم اپنے اور کسی دوسرے کے درمیان فیصلہ کرنے بیٹھو تو خود کو اس کی جگہ سمجھو اور اس وقت اپنے کو جس چیز کا حقدار سمجھو دوسروں کو بھی اسی

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۵

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث

[3] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۲۱

کا حقدار قرار دو اور دوسروں کے لئے جس سزا اور تنبیہ کا انتخاب کرو اپنے لئے بھی اس کو منتخب کرو ایسا نہ ہو کہ ہر جگہ تم اپنے کو ہی حقدار سمجھتے رہو اور جب کسی غلطی پر تمہاری پکڑ کی جائے تو کسی طرح عذر تراشی اور تاویل کر کے اپنی جان بچا لو۔

اس وضاحت سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو مولائے کائنات علیہ السلام نے جو وصیت فرمائی ہے وہ درحقیقت جملہ "إِنْصَافُ النَّاسِ مِنَ النَّفْسِ" کی تفسیر ہے۔

اسی طرح آپ نے جناب مالک اشتر کے نام اپنے مشہور فرمان میں یہ تحریر فرمایا ہے:

أَنْصِفِ اللهَ وَ أَنْصِفِ النَّاسَ مِنْ نَفْسِكَ وَ مِنْ خَاصَّةِ أَهْلِكَ وَ مَنْ لَكَ هَوًى فِيهِ [فِيهِ هُدًى] مِنْ رَعِيَّتِكَ فَإِنَّكَ إِلَّا تَفْعَلْ تَظْلِمْ وَ مَنْ ظَلَمَ عِبَادَ اللهِ كَانَ اللهُ خَصْمَهُ دُونَ عِبَادِهِ وَ مَنْ خَاصَمَهُ اللهُ أَدْحَضَ حُجَّتَهُ وَ كَانَ لِلهِ حَرْباً حَتَّى يَنْزِعَ أَوْ يَتُوبَ.[1]

اپنی ذات اپنے اہل وعیال اور رعایا میں جن سے تمہیں تعلق خاطر ہے سب کے سلسلہ میں اپنے نفس اور اپنے پروردگار سے انصاف کرنا اگر ایسا نہ کرو گے تو ظالم ہو جاؤ گے اور جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرے گا اس کے دشمن بندے نہیں خود پروردگار ہوگا اور جس کا دشمن پروردگار ہو جائے گا اس کی ہر دلیل باطل ہو جائے گی اور وہ پروردگار کا مدمقابل شمار کیا جائے گا جب تک اپنے ظلم سے باز نہ آ جائے اور توبہ نہ کر لے۔

حضرت علی علیہ السلام کے بعض اقوال میں عدل وانصاف کے بعض سماجی اور معاشرتی آثار بھی بیان ہوئے ہیں:۔

الْإِنْصَافُ يَسْتَدِيمُ الْمَحَبَّةَ.[2]

انصاف کی بناء پر محبت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

الْإِنْصَافُ يَأْلِفُ [يَتَأَلَّفُ] الْقُلُوبَ.[3]

انصاف دلوں میں الفت پیدا کر دیتا ہے۔

اَلانصافُ يَرفَعُ الخِلافَ وَيوجِبُ الائتِلافَ.[4]

عدل وانصاف اختلافات کو ختم کر دیتا ہے اور قرابت ومحبت کو جنم دیتا ہے۔

---

[1] بحارالانوار: ج ۳۳، باب ۳۰، حدیث ۷۷۴

[2] غرر الحکم: ص ۳۹۴

[3] غرر الحکم و درر الکلم، ح ۹۱۱۵، ص: ۳۹۴

[4] غرر الحکم، ج ۲، ص ۳۰، ح ۱۷۰۲

الْإِنْصَافُ رَاحَةٌ [1]

انصاف سے سکون واطمینان پیدا ہوتا ہے۔

بِالنِّصْفِهِ تَدُوْمُ الْوَصْلَةُ [2]

انصاف سے رابطے ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔

الْمُنْصِفُ كَثِيْرُ الْأَوْلِيَاءِ وَ الْأَوِدَّاء. [3]

منصف کے دوست اور احباب بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

عدل وانصاف سے متعلق ایک اخلاقی یاددہانی

اب تک آیات وروایات کی روشنی میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اپنے کو تمام حقوق میں دوسروں کے برابر سمجھنے کو انصاف کہا جاتا ہے اور اس کے اچھے اثرات اور نتائج اسی وقت برآمد ہو سکتے ہیں کہ جب تمام لوگ ایک ساتھ تمام قوانین اور حقوق کی پابندی کریں اور کوئی اس سے سرپیچی نہ کرے یعنی خود کو دوسروں کے برابر سمجھے تو حضرت علی علیہ السلام کے بقول معاشرے میں امن وسکون میل محبت اور اخوت وبرادری کا رواج عام ہوگا۔ البتہ یہ بہت ہی مشکل کام ہے کہ ایک انسان ہر لحاظ سے اپنے کو دوسروں کے برابر سمجھے کیونکہ ہر شخص کے اندر حب نفس (یعنی اپنی ذات کی محبت) پائی جاتی ہے اور اسی بناء پر وہ ہر چیز کو اپنے ہی لئے حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ خواہش اتنی خطرناک ہے کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا آسان بات نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَشَدِّ مَا فْتَرَضَ اللهُ عَلَى خَلْقِهِ فَذَكَرَ ثَلَاثَةَ أَشْيَاءَ أَوَّلُهَا إِنْصَافُ النَّاسِ مِنْ نَفْسِكَ. [4]

خداوند عالم نے اپنے بندوں کے اوپر جو سب سے مشکل عمل فرض کیا ہے اور تین چیزیں ذکر کیں ان میں سے پہلا اپنے اور لوگوں کے درمیان انصاف کرنا ہے۔

ایک روایت میں نقل ہوا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کچھ شیعوں نے ایک خط لکھ کر آپ سے کچھ مسائل

---

[1] عیون الحکم والمواعظ (لليثي)، ص: ۶۸، ح ۱۷۲۹

[2] عیون الحکم والمواعظ (لليثي)، ص: ۱۸۵، ح ۳۸۰۶

[3] عیون الحکم والمواعظ (لليثي)، ص: ۲۲، ح ۱۰۴

[4] بحار الانوار: ج ۲۷، ۲۷

دریافت کئے اور وہ خط عبدالاعلی نامی شخص کے ذریعہ آپ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا اور ان سے یہ بھی کہا کہ حضرت سے مومنین کے حقوق بھی زبانی دریافت کرلینا۔

عبدالاعلی کہتے ہیں کہ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ خط پیش کر دیا اور اس کے بعد مومنین کے حقوق کے بارے آپ سے سوال بھی کیا۔ آپ نے خط کے تمام سوالات کے جوابات دے دیئے مگر میرے زبانی سوال کا جواب نہیں دیا۔

چنانچہ جس روز میں مدینہ سے واپس ہو رہا تھا تو امام علیہ السلام سے رخصت ہونے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پھر عرض کی کہ آپ نے میرے سوال کا جواب مرحمت نہیں فرمایا تو آپؑ نے فرمایا:

اخشی ان قلت لم تعمل فتخرج من الدین.

ثم قال: ان اشد ما فرض الله علی عبده ثلاث: انصاف الناس من نفسك، فتفعل مع اخيك المسلم ما تحب ان يفعل بك وان تواسی اخوانك بمالك والثالثة ذكر الله علی كل حال وليس الذكر قولك: سبحان الله والحمد لله ان عرض لك امر حرام جعلت الله نصب عينك.

مجھے ڈر ہے کہ میں تمہارے سامنے حقیقت حال بیان کردوں اور تم لوگ اس پر عمل نہ کرو اور اس طرح دین الٰہی سے خارج ہو جاؤ۔

پھر فرمایا: خداوند عالم نے جو چیزیں اپنے بندوں پر واجب کی ہیں ان میں سے یہ تین چیزیں بہت سخت ہیں۔

۱۔ تمام مومنین کے ساتھ عدل و انصاف کرنا یعنی اپنے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ جس طرح وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے ساتھ پیش آئیں۔

۲۔ اپنے مال و دولت وغیرہ میں ان کو بھی شریک کرے۔

۳۔ ہر وقت خدا کو یاد رکھے، البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلسل الحمد اللہ یا سبحان اللہ کہتا رہے بلکہ جب کوئی حرام کام درپیش ہو تو خدا کو یاد کر کے اسے ترک کر دے۔

مختصر یہ کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے بقول انصاف کرنا بہت سخت کام ہے جس کے لئے جہاد نفس کی بیحد ضرورت ہے اس کے ذریعہ ہم اپنے سرکش نفس پر قابو پاسکتے ہیں اور اس کے بعد ہی اس قابل ہو سکتے ہیں کہ عدالت اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں اور حتیٰ کہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے میں ہمارے اندر کبھی بھی جھجک نہ پیدا ہو۔

خلاصہ

انصاف یعنی تمام حقوق میں خود کو دوسروں کے برابر سمجھنا۔
انصاف کی بنا پر معاشرے اور سماج میں امن وسکون، اخوت وبرادری اور محبت باقی رہتی ہے۔
اس صفت کو ائمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث میں خدا کے مشکل ترین واجبات میں قرار دیا گیا ہے۔

سوالات

۱۔ کسی کے غریب یا فقیر ہونے کی بنا پر ناحق فیصلہ کیوں نہیں کیا جا سکتا؟
۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے انصاف کا معیار کس چیز کو قرار دیا ہے؟
۳۔ انصاف کے بعض آثار ونتائج ذکر فرمائیے؟
۴۔ دوسروں کو اپنے برابر سمجھنا کیوں مشکل ہے؟
۵۔ امام صادق علیہ السلام نے کن چیزوں کو سب سے زیادہ مشکل حکم الٰہی قرار دیا ہے؟

باب۔۱۳

خندہ پیشانی اور مذاق

لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ اور مسکرا کر ملنا بھی اسلامی اخلاقیات کا جزء ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے نہ صرف یہ کہ اس سلسلہ میں خصوصی ہدایات دی ہیں بلکہ اس کے با قاعدہ عملی نمونے بھی پیش کئے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّكُمْ لَنْ تَسَعُوا النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ، فَالْقَوْهُمْ بِطَلَاقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبِشْرِ.[۱]

تم اپنے مال سے لوگوں کے لئے آسانیاں نہیں فراہم کر سکتے ہو لہٰذا ان سے مسکرا کر اور خندہ پیشانی سے ملاقات کیا کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس چاہے جتنی دولت ہو اس کے باوجود بھی تم ہر ایک کی تمام مشکلات بہر حال نہیں حل کر سکتے ہو کہ جس سے وہ تم سے خوش ہو سکیں لہٰذا ان لوگوں سے اچھے طریقہ سے پیش آؤ تا کہ وہ کم از کم تمہارے اخلاق سے خوش رہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایک حدیث میں خوش روئی کو مومنین کی صفت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

الْمُؤْمِنُ بِشْرُهُ فِي وَجْهِهِ وَحُزْنُهُ فِي قَلْبِهِ.[۲]

مومن کی خوشی اس کے چہرہ پر عیاں رہتی ہے اور اس کا غم اس کے دل میں پوشیدہ رہتا ہے۔

یعنی دنیا میں ہر شخص کے سامنے اچھے اور برے مراحل آتے ہیں اور مشکلات میں انسان غمزدہ رہتا ہے لیکن مومن

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۳۸، حدیث ۳۶

[۲] بحار الانوار: ج ۶۷، باب ۱۴، حدیث ۳۷

کی پہچان یہ ہے کہ وہ تمام تر مشکلات کے باوجود ہشاش بشاش نظر آتا ہے اور کسی کو اس کے چہرہ سے اس کی پریشانیوں اور غموں کا اندازہ نہیں ہوسکتا، ورنہ اگر ہر شخص مشکلات آتے ہی بالکل نڈھال اور پژمردہ ہوجائے تو پورے سماج پر ایک افسردگی ہی چھائی رہے گی، اور سب کی زندگیاں تلخ ہوجائیں گی اس لئے مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومن کے چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ اور رونق ہونا چاہئے اور اگر خدانخواستہ کبھی کسی مشکل یا غم سے دوچار ہوجائے تو اسے چھپا کر رکھے اور آسانی سے کسی دوسرے کے اوپر اسے ظاہر نہ ہونے دے۔

کشادہ روئی کے فائدے

خوش روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں سے ملنے کے کیا فائدے ہیں؟ اس سلسلے میں متعدد احادیث موجود ہیں جن میں سے ہم صرف بعض کی طرف اشارہ کررہے ہیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حُسْنُ الْبِشْرِ يَذْهَبُ بِالسَّخِيمَةِ.[1]

کشادہ روئی سے کینہ دور ہوتا ہے۔

اَلْبَشَاشَةُ حِبَالَةُ الْمَوَدَّةِ[2]

کشادہ روئی محبت کا ہار ہے۔

اَلْبَشَاشَةُ أَحَدُ الْقَرَاءَيْنِ الْقَرَابَتَيْنِ.[3]

کشادہ روئی دو قربتوں میں سے ایک ہے۔

اَلْقَهُمْ بِالْبِشْرِ تُمِتْ أَضْغَانَهُمْ[4]

لوگوں سے ہشاش بشاش طریقے سے ملو گے تو ان کے دلوں سے کینے نکل جائیں گے۔

إِذَا لَقِيتُمْ إِخْوَانَكُمْ فَتَصَافَحُوا وَ أَظْهِرُوا لَهُمُ الْبَشَاشَةَ وَ الْبِشْرَ تَتَفَرَّقُوا وَ مَا عَلَيْكُمْ

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۱۰، حدیث ۴۱

[2] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۱۲

[3] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۹

[4] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۲۱

مِنَ الْأَوْزَارِ قَدْ ذَهَبَ.[1]

جب تم کسی سے ملاقات کرو تو اس سے مصافحہ کرو اور خندہ پیشانی کا اظہار کرو تو جدا ہوتے وقت تمہارے اوپر کوئی بوجھ نہ رہ جائے گا۔

إِنَّ أَحْسَنَ مَا يَأْلَفُ بِهِ النَّاسُ قُلُوبَ أَوِدَّائِهِمْ وَ نَفَوْا بِهِ الضِّغْنَ عَنْ قُلُوبِ أَعْدَائِهِمْ حُسْنُ الْبِشْرِ عِنْدَ لِقَائِهِمْ وَ التَّفَقُّدُ فِي غَيْبَتِهِمْ وَ الْبَشَاشَةُ بِهِمْ عِنْدَ حُضُورِهِمْ.[2]

جن چیزوں سے اعزاء واقرباء کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور ان کے آپس کے کینے ختم ہوجاتے ہیں ان میں سب سے بہترین چیز یہ ہے کہ جب ان سے ملے تو خندہ پیشانی کے ساتھ اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو ان کی خیریت دریافت کرتا رہے اور اگر موجود ہوں تو ہنس مکھ انداز میں ان کے ساتھ پیش آئے۔

بِشْرُكَ يَدُلُّ عَلَى كَرَمِ نَفْسِكَ.[3]

تمہاری کشادہ روئی تمہاری شرافت اور بلندیٔ نفس کی دلیل ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے کشادہ روئی کو لوگوں کے درمیان الفت ومحبت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

الْبِشْرُ الْحَسَنُ وَ طَلَاقَةُ الْوَجْهِ مَكْسَبَةٌ لِلْمَحَبَّةِ وَ قُرْبَةٌ مِنَ اللهِ وَ عُبُوسُ الْوَجْهِ وَ سُوءُ الْبِشْرِ مَكْسَبَةٌ لِلْمَقْتِ وَ بُعْدٌ مِنَ اللهِ.[4]

یعنی کشادہ روئی اور پررونق چہروں سے آپسی محبت اور قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے اور ترش روئی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے اور خداوند عالم سے دوری بڑھتی ہے۔

مذکورہ احادیث میں مومنین سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنے کے کچھ دنیاوی وسماجی اثرات اور فوائد کی طرف اشارہ موجود ہے مگر ایک اور حدیث میں اس کے اخروی فائدے بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

ثَلَاثٌ مَنْ أَتَى اللهَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ الْجَنَّةَ الْإِنْفَاقُ مِنْ إِقْتَارٍ وَ الْبِشْرُ لِجَمِيعِ

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۱۹

[2] بحار الانوار: ج ۷، باب ۸، حدیث ۸۳

[3] غرر الحکم: ص ۴۳۴

[4] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸، حدیث ۸۳

الْعَالَمِ وَ الْإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِهِ[1]

تین چیزوں میں سے اگر کسی ایک چیز پر بھی خدا کے لئے عمل کر لے تو پروردگار اس کے لئے جنت واجب کر دیتا ہے:

① ۔غربت اور تنگ دستی میں خیرات کرنا

② ۔دنیا کے ہر شخص سے کشادہ روئی کے ساتھ ملنا

③ ۔اپنے بارے میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنا

ہنسی مذاق

جب کبھی کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کی بات سامنے آتی ہے تو فوراً ہنسی اور مذاق کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے کشادہ روئی کے ساتھ ہنسی اور مذاق کو بھی جائز قرار دیا ہے یا نہیں؟

اس سوال کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دو قسم کی روایات ہیں کچھ کے اندر مذاق کو جائز ہی نہیں بلکہ مومنین کی علامت قرار دیا گیا ہے جب کہ دوسری روایات میں اس کو بالکل ممنوع قرار دیا گیا ہے ہم دونوں طرح کی روایات ذکر کرکے آخر میں اس کا نتیجہ بھی ذکر کریں گے تا کہ ان کا مقصود اچھی طرح واضح ہو جائے۔

الف: وہ روایات جن میں ہنسی مذاق کی تعریف کی گئی ہے۔

۱۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الْمُؤْمِنُ دَعِبٌ لَعِبٌ وَ الْمُنَافِقُ قَطِبٌ غَضِبٌ.[2]

مومن ہنس مکھ اور شوخ مزاج اور منافق بدمزاج اور غصہ ور ہوتا ہے۔

۲۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنِّي لَأَمْزَحُ وَلَا أَقُولُ إِلَّا حَقّاً[3]

میں ہنسی مذاق ضرور کرتا ہوں مگر حق بات کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۰، حدیث ۲۸

[2] بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

[3] بحار الانوار: ج ۱۶، باب ۱۰، حدیث ۲

۳۔امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُدَاعِبَ فِي الْجَمَاعَةِ بِلَا رَفَثٍ.[۱]

چند افراد کے درمیان ہنسی مذاق کرنے والے انسان سے خدا محبت رکھتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی غلط چیز نہ ہو۔

۴۔امام محمد باقر علیہ السلام نے مومنین کی تفریح کے تین طریقے ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک مفاکہة الاخوان یعنی دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا بھی ہے۔

۵۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَ فِيهِ دُعَابَةٌ.[۲]

یعنی ہر مومن کے اندر دعابہ ضرور پایا جاتا ہے سوال کیا گیا کہ یہ دعابہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: مزاح۔

۶۔امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جناب یونس شیبانی کہتے ہیں:

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه السلام: «كَيْفَ مُدَاعَبَةُ بَعْضِكُمْ بَعْضاً؟» قُلْتُ: قَلِيلٌ، قَالَ: «فَلَا تَفْعَلُوا؛ فَإِنَّ الْمُدَاعَبَةَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَ إِنَّكَ لَتُدْخِلُ بِهَا السُّرُورَ عَلَى أَخِيكَ، وَ لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه و آله يُدَاعِبُ الرَّجُلَ يُرِيدُ أَنْ يَسُرَّهُ.[۳]

یونس شیبانی کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کہ تمہارے درمیان آپس میں ہنسی مذاق کا رشتہ کیسا ہے؟

میں نے عرض کی! بہت کم۔

آپ نے فرمایا کہ ہنسی مذاق تو اچھے اخلاق کا حصہ ہے اس سے تم اپنے مومن بھائیوں کو خوش وخرم کر سکتے ہو جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جب کسی کو خوش کرنا چاہتے تھے تو اس کے ساتھ مزاح فرماتے تھے۔

ب: وہ روایات جن میں ہنسی مذاق کی مذمت کی گئی ہے۔

۱۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

---

[۱] بحار الانوار: ج۷۱، باب ۸۰، حدیث ۱۸

[۲] بحار الانوار: ج۷۶، باب ۱۰۶، حدیث ۱۳

[۳] بحار الانوار: ج۱۶، باب ۱۰، حدیث ۲

يَا عَلِيُّ لَا تَمْزَحْ فَيَذْهَبَ بَهَاؤُكَ وَلَا تَكْذِبْ فَيَذْهَبَ نُورُكَ.[1]

اے علیؑ! ہرگز مذاق نہ کرنا کہ اس سے تمہاری قدر و قیمت ختم ہوجائے گی اور غلط بیانی سے کام نہ لینا کہ اس سے تمہارے ایمان کا نور ختم ہوجائے گا۔

اسی سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

"لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ صَرِيحَ الْايمانِ حَتّى يَدَعَ الْمِزاحَ وَالْكِذْبَ وَيَدَعَ الْمِراءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا.

کوئی بندہ اس وقت تک واقعی ایمان تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ مذاق اور جھوٹ اور لڑائی جھگڑا ترک نہ کردے چاہے وہ برحق ہی کیوں نہ ہو۔

اَلْمِزَاحُ يُورِثُ الضَّغَائِنَ.[2]

مذاق سے کینے پیدا ہوجاتے ہیں۔

لِكُلِّ شَيْءٍ بَذْرٌ وَبَذْرُ الْعَدَاوَةِ الْمِزَاحُ.[3]

ہر چیز کا ایک بیج ہوتا ہے اور عداوت و دشمنی کا بیج مذاق ہے۔

آفَةُ الْهَيْبَةِ الْمِزَاحُ[4]

رعب و ہیبت کے لئے مذاق ایک آفت ہے۔

مَنْ مَزَحَ اسْتُخِفَّ[5]

جو مذاق کرتا ہے اس کا وقار کم ہوجاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تُمَازِحْ فَيُجْتَرَأَ عَلَيْكَ[6]

مذاق نہ کرو ورنہ تمہارے اوپر لوگ جری ہوجائیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۳، حدیث ۱۰

[2] بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۳، حدیث ۱۰

[3] غرر الحکم: ص ۴۳۶

[4] غرر الحکم: ص ۲۲۲

[5] بحار الانوار: ج ۷۷، ص ۲۳

[6] بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۶، حدیث ۱۰

إِيَّاكُمْ وَالْمِزَاحَ فَإِنَّهُ يَذْهَبُ بِمَاءِ الْوَجْهِ وَمَهَابَةِ الرِّجَالِ[1]

مذاق سے بچو! کیونکہ اس سے چہرے کی رونق اور ہیبت ختم ہوجاتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام:

أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ وَإِيَّاكَ وَالْمِزَاحَ فَإِنَّهُ يُذْهِبُ هَيْبَةَ[2]

تم سے میری یہ وصیت ہے کہ خدا سے ڈرتے رہنا اور مذاق سے بالکل پرہیز کرنا کیونکہ اس سے تمہاری آبرو اور ہیبت ختم ہوجائے گی۔

مذکورہ روایات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اسلام میں ہرطرح کے مذاق کی کھلی چھوٹ نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ خاص حدود اور شرائط ہیں یعنی جب مذاق سے کسی کی توہین ہورہی ہو یا اس میں حدود شرافت سے گری باتیں ہوں تو اس سے یقیناً ہر شخص کی قدر و قیمت خود بخود ختم ہوجائے گی البتہ دوسری جانب مومنین کو خوشحال کرنے کے لئے اور ان کی محفلوں کو تر و تازہ رکھنے کی خاطر مناسب حد تک مذاق کی ہدایت دی گئی ہے بشرطیکہ وہ حق کے حدود سے باہر نہ ہوں اور سبک اور ہلکے الفاظ اور رکیک حرکتوں سے پرہیز کریں اور مذاق اس قدر زیادہ نہ ہو کہ ایک شخص اخلاقی اقدار کو چھوڑ کر صرف مذاق میں پڑا رہے اور اس کی زندگی سنجیدگی کے بجائے صرف کھیل تماشہ بن کر رہ جائے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔جیسا کہ بعض روایات میں مذاق کی مذمت تو نہیں کی گئی ہے البتہ حد سے زیادہ مذاق کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور اسے غیر اخلاقی فعل قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

كَثْرَةُ الْمِزَاحِ تَذْهَبُ بِمَاءِ الْوَجْهِ[3]

زیادہ ہنسی مذاق سے چہرہ کی شادابی ختم ہوجاتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

كَثْرَةُ الْمِزَاحِ تُسْقِطُ الْهَيْبَةَ.[4]

مذاق کی زیادتی سے ہیبت ختم ہوجاتی ہے۔

---

[1] وسائل الشیعہ: ج ۱۲، ص ۱۱۸

[2] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۶۰

[3] اصول کافی: ج ۲، ص ۶۶۵

[4] غرر الحکم: ج ۴، ص ۵۹۱

كَثْرَةُ الْمِزَاحِ تَذْهَبُ الْبَهَاءَ وَ تُوجِبُ الشَّحْنَاءَ[1]

مذاق کی زیادتی سے انسان کا وقار ختم ہوجاتا ہے اور دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔

مَنْ كَثُرَ مَزْحُهُ قَلَّ وَقَارُهُ[2]

جس کے اندر مذاق کی زیادتی ہوگی اس کا وقار بھی کم ہوجائے گا۔

لہٰذا ہنسی مذاق اور ہنسنا اور ہنسانا تب تک جائز ہے جب تک اس میں افراط یا تفریط نہ ہو اور مذاق کرنے والا تقویٰ و پرہیزگاری اور شرافت کے دائرے سے خارج نہ ہوجائے مثلاً کسی مومن کی توہین نہ کی جائے اور اگر واقعاً مذاق سنجیدگی اور شرافت کے دائرے میں ہو تو اس سے مومنین کے درمیان محبت میں اضافہ ہوتا ہے ان میں اور زیادہ قرابت پیدا ہوجاتی ہے اور اسلامی سماج اور معاشرہ سدا بہار شاد و خنداں رہتا ہے۔

معصومین علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں مذاق کس حد تک پایا جاتا تھا؟ جیسا کہ درس کے شروع میں ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں مزاح سے کام لیتا ہوں مگر حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا ہوں، لہٰذا نمونے کے طور پر آپؐ کے کچھ پر لطف اور سنجیدہ مذاق کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دن ایک بوڑھیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کوئی بوڑھیا جنت میں نہیں جائیگی، یہ سن کر اس نے رونا شروع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور اس سے فرمایا: جنت میں جاتے وقت تم بوڑھیا نہ رہ جاؤ گی، اور اس کے بعد اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا[3]

بیشک ان حوروں کو ہم نے ایجاد کیا تو انہیں نت نئی بنایا۔

اس طرح یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک دن ایک خاتون جن کا نام ام ایمن تھا آپ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ میرے شوہر کو آپ سے کچھ کام ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تمہارا شوہر وہی تو ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ (وہ سمجھی کہ آپ نے اس سفیدی سے موتیا بند کی بیماری مراد لی ہے) تو اس نے جواب دیا کہ نہیں! خدانخواستہ اس کی آنکھ میں تو کوئی سفیدی نہیں ہے۔

---

[1] غرر الحکم: ج۴، ص۵۹۷

[2] غرر الحکم: ج۵، ص۲۹۳

[3] سورہ واقعہ: آیت ۳۵۔۳۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ فرمایا: لیکن اس کی آنکھ میں تو سفیدی ہے۔

اس نے پھر کہا خدا کی قسم! نہیں! تو آپ نے فرمایا: دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ جس کی آنکھ میں وہ سفیدی نہ ہو جو آنکھ کی پتلی کے چاروں طرف پائی جاتی ہے۔

یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک صحرانشین بدو (دیہاتی) عرب کبھی کبھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ لے کر آتا تھا لیکن اسی جگہ اس کے بدلے آپ سے کچھ نہ کچھ ضرور طلب کر لیتا تھا جس سے آپ کو ہنسی آجاتی تھی، لہٰذا جب کبھی آپ محزون اور غمزدہ ہوتے تھے تو فرماتے تھے کہ کاش آج وہ عرب ہمارے پاس آجاتا۔

ایک اور واقعہ یوں نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ مجھے اونٹ پر سوار کرا دیجئے۔ تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا تو اس نے کہا کہ اونٹ کا بچہ تو میرا وزن سنبھال بھی نہیں سکتا تو حضرت نے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹ کا ہی بچہ ہوتا ہے اس قسم کے متعدد لطائف اور مزاح معصومین علیہم السلام کی سیرت میں نقل ہوئے ہیں جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک تو یہ کہ ان حضرات کی زندگی میں یہ مذاق بہت محدود پیمانے پر دکھائی دیتے ہیں اور ان میں مذاق کے تمام حدود کی رعایت موجود ہے اور دوسرے یہ کہ ان میں کسی قسم کی جھوٹی اور بیہودہ بات کہیں دور دور تک نظر نہیں آتی۔

اور یہی چیزیں ہمارے سامنے ایک صاف ستھرا معیار ہیں جن کے اوپر ہم بھی اپنے مذاق اور لطائف کو پرکھ سکتے ہیں۔

خلاصہ

اسلام کے اخلاقی احکام کا ایک حصہ خوش روئی اور خندہ پیشانی بھی ہے۔

اس سے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور میل محبت کا پتہ چلتا ہے۔ان کے دلوں کے کینے دور ہوتے ہیں اور آپس کی الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہنسی مذاق کرنا بھی خوش روئی کا ہی ایک حصہ ہے۔لیکن یہ اس وقت تک درست ہے جب تک اس میں افراط نہ ہو اور انسان شرافت کے دائرے سے خارج نہ ہو۔

سوالات

۱۔معصومین علیہم السلام کی نگاہ میں معاشرہ پر خوش روئی کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

۲۔ہنسی مذاق کس صورت میں جائز ہے؟

۳۔حضرت علی علیہ السلام نے خوش روئی کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۴۔خوش روئی کے اخروی نتائج کے بارے میں ایک حدیث بیان فرمائیے؟

باب۔ ۱۴

تعاون

ہم نے دوسرے سبق میں یہ بیان کیا ہے کہ تمام مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سگے بھائیوں کی طرح رہنا چاہیئے یعنی وہ ایک دوسرے کی مشکلات میں سب کا ہاتھ بٹائیں کیونکہ جب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں تو پھر وہ ایک خاندان کی طرح ہیں اور ان میں سے کسی ایک فرد کی مشکل پورے خاندان کی مشکل اور کسی ایک کا غم سب کے لئے غم ہوتا ہے لہٰذا سب لوگ دوسروں کی مشکلات میں خود کو شریک سمجھتے ہیں اور ان کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ جس طرح راحت و آرام اور خوشیوں میں سب ان کے شریک حال رہے ہیں مشکل اور پریشانی کے اوقات میں بھی وہ ان کی مدد کریں، ایک دوسرے کی مدد کرنا تمام مومنین کی ذمہ داری ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّمَا الْمؤمنون فی تَراحُمِهِم و تَعاطُفِهِم بِمنزلةِ الْجَسدِ الْواحِدِ إذا اشْتَکی مِنْهُ عُضوٌ واحدٌ تداعی لهُ سائِرُ الْجسدِ بِالْحُمّی والسَّهرِ. [1]

تمام مومنین آپسی میل محبت میں ایک جسم اور ایک بدن کی طرح ہیں کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف اور درد ہوتا ہے تو دوسرے اعضاء بھی اس کی تکلیف میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔

مومنین کے اتحاد و برادری کے لئے یقیناً اس سے بہتر کوئی تعبیر اور تشبیہ بیان نہیں کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اگر تمام مومنین اپنے دوسرے برادران ایمانی کو بھی اپنے بدن کا ایک حصہ یا اپنے خاندان کا ایک فرد تصور کرنے لگیں تو پھر نہ صرف یہ کہ ان کو مشکلات میں تنہا نہیں چھوڑیں گے بلکہ ہر مشکل مرحلہ پر ان کے کام آئیں گے اور یہی نہیں بلکہ اس سے پہلے کہ وہ ان سے اپنی

[1] بحار الانوار: ج ۷۴، ص ۲۳۴

ضروریات بیان کریں وہ خودہی ان کی مدد کے لئے پہنچ جائیں گے اوراپنی طاقت بھر یہ کوشش کریں گے کہ اس کو کسی طرح اس مصیبت میں پھنسنے سے پہلے ہی نجات دلادیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہرانسان کی زندگی میں ہرطرح کی ضرورتیں سامنے آتی ہیں اور وہ ایسے حالات میں دوسروں کی امداد کی توقع رکھتا ہے لہٰذا کوئی باضمیر اورغیرت مند انسان یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ اپنی مشکلات میں تو وہ دوسروں کی مدد حاصل کرے لیکن جب دوسروں کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ ان کی امداد کو نہ پہنچے یاان کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھے۔ کیونکہ مومنین کے درمیان میل محبت اور بھائی چارہ کا فائدہ اسی وقت ہے جب دونوں کا سلوک ایک ہی جیسا ہو جس کو قرآن مجید نے تعاون کا نام دیا ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى [۱]

یعنی نیکیوں اورتقویٰ کے لئے ایک دوسرے کا تعاون (امداد) کرو۔

ایک دوسرے کی مدد اورتعاون کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہرایک کے اندر دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو لہٰذا جس سماج اور معاشرے میں تعاون اور مدد کا جذبہ نہ ہو اور دوسروں کے لئے ان لوگوں کے دلوں میں کسی قربت اورمحبت کا گزرنہ ہو تو پھر انہیں کوئی فکر بھی نہیں رہتی کہ چاہے لوگوں پر کچھ بھی گذر جائے۔

اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ أَصْبَحَ لَا يَهْتَمُّ بِأُمُورِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَ مَنْ يَسْمَعُ رَجُلًا يُنَادِي يَا لَلْمُسْلِمِينَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ. [۲]

سویرا ہونے کے بعد جسے مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو تو وہ ان میں سے نہیں ہے اور اگر کوئی مسلمانوں کو اپنی مدد کے لئے پکار رہا ہو اور اس کی آواز سننے کے بعد کوئی اس کی مدد نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

ما آمَنَ بِاللّٰهِ وَلا بِمُحَمَّدٍ وَلا بِعَلِي مَنْ إِذا أَتاهُ أَخُوهُ الْمُؤْمِنُ فِی حاجَةٍ لَمْ يَضْحَكْ فِی وَجْهِهِ فَإِنْ كانَتْ حاجَتُهُ عِنْدَهُ سارَعَ إِلى قَضائِها وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ تَكَلَّفَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهِ حَتّٰى يَقْضِيَها لَهُ فَإِذا كانَ بِخِلافِ ما وَصَفْتُهُ فَلا وَلايَةَ بَيْنَنا وَبَيْنَهُ. [۳]

---

[۱] سورۂ مائدہ: آیت ٦

[۲] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۲۰

[۳] بحارالانوار: ج ۷۲، صفحہ ۱۷٦

اللہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولائے کائنات علیہ السلام پر وہ شخص ایمان نہیں لایا ہے کہ جس کے پاس اس کا کوئی مومن بھائی کسی ضرورت کے تحت آئے اور وہ خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال نہ کرے اور اگر وہ خود اس کی ضرورت پوری کر سکتا ہو تو فوراً اسے حل کر دے اور اگر خود حل نہیں کر سکتا ہے تو پھر زحمت اٹھا کر اسے کسی ایسے شخص کے پاس پہنچا دے جو اس کی حاجت پوری کر دے اور جو پہچان میں نے بیان کی ہے اگر اس کے اندر یہ صفات نہیں ہیں تو پھر اس سے ہماری کوئی قرابت داری نہیں ہے۔

اگر کوئی آدمی اپنے مومن بھائیوں کی مشکل میں ان کے کام نہ آئے اور اپنے اموال سے ان کی حاجت پوری نہ کرے تو احادیث کے مطابق اس کو یہ خدائی سزا ملتی ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن اپنا وہی مال خدا کے دشمنوں کے لئے اور غلط راستے میں خرچ کرتا ہے اور اس طرح عذاب آخرت کا مستحق بن جاتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ بَخِلَ بِمَعُونَةِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ وَ الْقِيَامِ فِي حَاجَتِهِ ابْتُلِيَ بِمَعُونَةِ مَنْ يَأْثَمُ عَلَيْهِ وَلَا يُؤْجَرُ. [۱]

جو شخص اپنے برادر مومن کی امداد کرنے میں بخل کرے اور اس کی ضرورت کے وقت قیام نہ کرے تو وہ ان لوگوں کی مدد میں مبتلا کر دیا جائے گا جو اس کے مال سے گناہ کریں گے اور اسے اپنی بخشش کا کوئی اجر بھی نہیں ملے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

أَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ شِيعَتِنَا أَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ إِخْوَانِهِ وَ اسْتَعَانَ بِهِ فِي حَاجَةٍ فَلَمْ يُعِنْهُ وَ هُوَ يَقْدِرُ إِلَّا ابْتَلَاهُ اللهُ بِأَنْ يَقْضِيَ حَوَائِجَ عَدُوٍّ مِنْ أَعْدَائِنَا يُعَذِّبُهُ اللهُ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. [۲]

ہمارے چاہنے والوں میں اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کے پاس آ کر کوئی مشکل اور حاجت بیان کرے اور اس سے کمک چاہے اور وہ اس کی امداد نہ کرے جب کہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہو تو خداوند عالم اسے ہمارے دشمنوں کی مدد میں مبتلا کر دے گا اور پھر اللہ اس کی وجہ سے روز قیامت اس پر عذاب کرے گا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ قَصَدَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ إِخْوَانِهِ مُسْتَجِيراً بِهِ فِي بَعْضِ أَحْوَالِهِ فَلَمْ يُجِرْهُ بَعْدَ أَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۸

[۲] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۲۱

فَقَدْ قَطَعَ وَلَايَةَ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى.[1]

جس کے پاس اس کا کوئی مومن بھائی اپنی کسی ضرورت کے تحت جائے اور وہ طاقت اور امکان رکھنے کے باوجود اس کی ضرورت پوری نہ کرے تو اس نے خداوند عالم سے اپنا رابطہ توڑ لیا ہے۔

اور یہی نہیں بلکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک روایت میں مومنین کی امداد میں صرف کوتاہی کرنے کو خدا اور رسول سے خیانت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

أَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَنَعَ مُؤْمِناً شَيْئاً مِمَّا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهِ أَقَامَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُسْوَدّاً وَجْهُهُ مُزْرَقَّةً عَيْنَاهُ مَغْلُولَةً يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ فَيُقَالُ هَذَا الْخَائِنُ الَّذِي خَانَ اللهَ وَ رَسُولَهُ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِهِ إِلَى النَّارِ.[2]

جو مومن اپنے کسی مومن بھائی کی ضرورت پوری کرنے سے منع کر دے جب کہ وہ خود یا کسی اور ذریعہ سے اسے حل کر سکتا ہو تو خداوند عالم جب اسے قیامت کے دن محشور کرے گا تو شرم سے اس کا چہرہ سیاہ، آنکھیں نیلی اور دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے بندھے ہوں گے اور یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ خائن ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے پھر اسے جہنم میں لے جانے کا حکم دے دیا جائے گا۔

اس حدیث میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ مومنین کی امداد کے موقع پر صرف یہی کافی نہیں ہے کہ اگر وہ ہمارے امکان سے باہر ہو تو پھر ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک ہم کسی بھی ذریعہ سے اس کی مشکل حل کرا سکتے ہیں ہمارے اوپر کوشش کرنا ضروری ہے ورنہ ہمارا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا جو مومنین کی مدد نہیں کرتے ہیں۔

جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مذکورہ حدیث میں فرمایا ہے کہ:

وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهِ.[3]

یعنی وہ خود اس کی مشکل حل کر سکتا ہو یا کسی دوسرے سے حل کرا سکتا ہو۔

مشہور و معروف اسلامی دانشمند واقدی کا بیان ہے کہ میرے دو دوست تھے ان میں سے ایک ہاشمی تھا۔ ہماری دوستی اتنی مستحکم تھی کہ ہم تینوں ایک ہی سمجھے جاتے تھے ایک سال اتفاق سے میرے مالی حالات کچھ اچھے نہ تھے اور میں تنگدستی کا شکار ہو گیا اسی دوران عید آ گئی تو میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ ہم تو اس غربت کے اوپر صبر کر سکتے ہیں مگر جب

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۲۱

[2] بحارالانوار: ج ۷، باب ۸، حدیث ۸۳

[3] ال※افي (ط-الاسلامي※)، ج ۲، ص: ۳۶۷

ہمارے بچے پڑوسیوں کے بچوں کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے دل کو ٹھیس پہنچے گی لہٰذا اگر ممکن ہو تو کہیں سے کچھ انتظام کرلو تا کہ بچے تو عید کے دن خوش رہیں اور ان کے لئے کپڑے بنالئے جائیں۔

لہٰذا میں نے اپنے ہاشمی بھائی کے نام یہ لکھ کر بھیجا کہ میرے لئے کچھ سرمایہ دینار یا درہم بھیج دو اس نے ایک مہر بند تھیلی میرے پاس بھیج دی اور لکھا کہ اس کے اندر ایک ہزار درہم ہیں ابھی میں نے وہ تھیلی کھولی بھی نہیں تھی کہ میرے تیسرے دوست کا ایک پرچہ مجھے ملا جس میں اس نے مجھ سے مدد چاہی تھی چنانچہ میں نے وہی تھیلی اٹھا کر اس کے پاس بھیج دی اور اس خیال سے کہ بیوی کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے میں مسجد کی طرف چل دیا، راستہ میں مجھے میرا ہاشمی دوست ملا میں نے کیا دیکھا کہ وہی تھیلی اس کے ہاتھ میں موجود ہے اس نے مجھ سے پوچھا کہ جو درہم میں نے تمہیں بھیجے تھے ان کا تم نے کیا کیا؟ میں نے پورا ماجرا بیان کردیا! تو اس نے تعجب سے کہا گویا تم نے میرا مال مجھے واپس لوٹا دیا ہے کیونکہ میرے پاس صرف یہی مال تھا جو میں نے تمہارے پاس بھیجا تھا لہٰذا جب میں نے یہ تھیلی تمہارے پاس بھیج دی اور خود مجھے ضرورت پیش آئی تو میں نے خط لکھ کر اپنے فلاں دوست سے امداد کا مطالبہ کرلیا اور چوں کہ یہ اس کے مکان سے باہر تھا اس نے تم سے مدد کی درخواست کرلی اور اس طرح میری یہ تھیلی میرے ہی پاس واپس لوٹ آئی، اب جبکہ ہماری یہ صورتحال ہے تو اس کے تین حصے کرلئے جائیں تا کہ تینوں کا کام چل جائے۔

اس قصہ سے ہمیں واقعی دوستی کا پتہ چلتا ہے کہ دوستوں کے درمیان ایثار و قربانی کا کیسا جذبہ ہونا چاہئے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لَا یَکُونُ الصَّدِیقُ لِأَخِیهِ صَدِیقاً حَتَّی یَحْفَظَهُ فِی نَکْبَتِهِ وَ غَیْبَتِهِ وَ بَعْدَ وَفَاتِهِ.

کوئی دوست اس وقت تک سچا دوست نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے بارے میں تین باتوں کا خیال نہ رکھے:

۱۔ اس کی مشکلات اور پریشانیوں میں اس کی مدد کرے

۲۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل خانہ کا خیال رکھے۔

۳۔ اس کی موت پر تدفین وغیرہ میں شرکت کرے۔ [۱]

قرآن کریم نے مومنین کے آپسی روابط کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَیُؤْثِرُونَ عَلَی أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. [۲]

[۱] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۰، حدیث ۲۸

[۲] سورہ حشر: آیت ۹

اوراپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ضرورت کیوں نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَسْأَلُنِي الْحَاجَةَ فَأُبَادِرُ بِقَضَائِهَا مَخَافَةَ أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا فَلَا يَجِدَ لَهَا مَوْقِعاً إِذَا جَاءَتْهُ.[۱]

اگر کوئی شخص مجھ سے کوئی خواہش کرتا ہے تو میں اس کی اس حاجت اور خواہش کو فوراً پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ اگر اس کی وہ حاجت کسی اور ذریعہ سے پوری ہوگئی تو اس کی مدد کرنے کا یہ موقع میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

مومنین کرام کی مدد کرنے کے بارے میں معصومینؑ کی روایات میں بہت حسین اور خوبصورت تعبیرات موجود ہیں اور اس کے لئے تصورات سے بالاتر ثواب اور اجر بیان کیا گیا ہے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت علی علیہ السلام:

مواسدۃ الأخ فی اللہ عزوجل تزید فی الرزق[۲]

خدا کی خوشنودی کے لئے برادر مومن کی مدد کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام:

تَقَرَّبُوا إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى بِمُوَاسَاةِ إِخْوَانِكُمْ.[۳]

اپنے بھائیوں کی مدد کر کے قربت خدا حاصل کرو۔

اسی طرح آپ کا یہ ارشاد ہے:

مَنْ قَضَى لِأَخِيهِ الْمُؤْمِنِ حَاجَةً قَضَى اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ- يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِائَةَ أَلْفِ حَاجَةٍ مِنْ ذَلِكَ أَوَّلُهَا الْجَنَّةُ وَمِنْ ذَلِكَ أَنْ يُدْخِلَ قَرَابَتَهُ وَمَعَارِفَهُ وَإِخْوَانَهُ الْجَنَّةَ بَعْدَ أَنْ لَا يَكُونُوا نُصَّاباً.[۴]

جو شخص کسی برادر مومن کی کوئی ایک حاجت پوری کرے گا تو خداوند عالم روز قیامت اس کی ایک لاکھ حاجتیں پوری کرے گا جن میں سب سے پہلی حاجت جنت ہے اور یہ کہ اس کے رشتہ داروں، جان پہچان والوں اور دوستوں کو بھی جنت

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۲۲

[۲] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۲۲

[۳] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۵

[۴] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۹۰

میں داخل کردیا جائے گا بشرطیکہ وہ ناصبی نہ ہوں۔

آپ کا یہ ارشاد بھی ہے:

مَا قَضَی مُسْلِمٌ لِمُسْلِمٍ حَاجَةً إِلَّا نَادَاهُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى عَلَيَّ ثَوَابُكَ، وَلَا أَرْضَى لَكَ بِدُونِ الْجَنَّةِ.[۱]

کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی کوئی ضرورت پوری نہیں کرتا مگر یہ کہ خداوند عالم اس کو یہ آواز دیتا ہے کہ تیرا ثواب میرے ذمہ ہے اور میں تیرے لئے جنت سے کم تر پر راضی نہ ہوں گا۔

آپ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے:

وَ اللهِ لَقَضَاءُ حَاجَةِ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَ اعْتِكَافِهِ[۲]

خدا کی قسم مومن کی حاجت پوری کرنا ایک مہینہ کے روزوں اور اعتکاف سے بہتر ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ ایک سال میں حج کرنے گیا تھا حج سے واپسی پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا آپ نے پوچھا: کہاں تھے؟

عرض کی: مولا حج کرنے گیا تھا!

فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایک حاجی کو کتنا ثواب ملتا ہے؟

عرض کی: جب تک آپ نہ فرمائیں مجھے کیا معلوم؟

آپ نے فرمایا: جب کوئی بندہ حج بیت اللہ کے لئے جائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرے اور نماز طواف پڑھے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے تو خداوند عالم اس کے لئے چھ ہزار نیکیاں (حسنات) لکھتا ہے اور اس کے چھ ہزار گناہ معاف کردیتا ہے۔ نیز اس کو چھ ہزار درجہ بلندی عنایت فرماتا ہے اور اسی طرح اس کی چھ ہزار دنیاوی حاجات پوری کرتا ہے اور مزید چھ ہزار حاجتیں آخرت کے لئے محفوظ کردیتا ہے۔

میں نے عرض کیا: یہ تو بہت عظیم ثواب ہے۔

آپ نے فرمایا: کیا اس سے بڑا ثواب بھی جاننا چاہتے ہو؟

میں نے کہا: کیوں نہیں!

آپؑ اس طرح گویا ہوئے:

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۸

[۲] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۶

لَقَضَاءُ حَاجَةِ امْرِءٍ مُؤْمِنٍ أَفْضَلُ مِنْ حِجَّةٍ وَحِجَّةٍ وَحِجَّةٍ حَتَّى عَدَّ عَشْرَ حِجَجٍ.[1]

مومن کی ایک حاجت پوری کرنا بہتر ہے حج سے، حج سے حج سے، یہاں تک کہ آپ نے دس بار اسی کو دہرایا۔ (یعنی دس حج کرنے سے بہتر ہے)

مومنین کی حاجت برآری کے لئے آپ معصومین علیہم السلام کی احادیث ملاحظہ فرما چکے ہیں انشاء اللہ آئندہ درس میں اس کے دوسرے موضوعات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

[1] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲، حدیث ۴

خلاصہ

تمام انسان بالکل ایک جسم اور بدن کی طرح ہیں۔
مومنین کی مشکلات کوحل کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس کا بے حساب ثواب ہے۔
لیکن اگر کوئی شخص مرد مومن کی مدد نہ کرے تو اس کا بہت سخت عذاب ہے۔

سوالات

۱۔ جسے مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو اسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے کیوں خارج فرمایا؟
۲۔ قرآن مجید؛ مومنین کے آپس کے روابط کے بارے میں کیا ارشاد فرماتا ہے؟
۳۔ مومن کی حاجت روائی اور مدد کرنے کے کیا فوائد ہیں، احادیث کی روشنی میں چند نمونے بیان کیجئے؟
۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مومن کی حاجت پوری کرنے کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

باب۔ ۱۵

مومنین کے درمیان صلح وصفائی

(مصالحت)

گذشتہ سبق میں ہم نے مومنین کی مدد، ان کے مشکلات کوحل کرنے اوران کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے فضائل اوراس سلسلہ میں معصومین علیہم السلام کی تاکیدات بیان کی ہیں کیونکہ مومنین کی مدد اوران کا تعاون کرنا اسلامی اعتبار سے مومن کے دل کوخوش کرنے کا ایک حصہ ہے لہٰذا ہرمومن کوکسی نہ کسی طرح اپنے برادر مومن کوخوش کرتے رہنا چاہئے اب اس درس میں بھی ''ہم مومن کوخوش کرنے'' کے دوسرے طریقوں کوذکرکررہے ہیں اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا:

أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ.

یعنی خداوندعالم کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا:

اِتِّبَاعُ سُرُورِ الْمُؤمِنِ

مسلمان کوخوش کرنے کی فکر میں رہنا

پھرسوال کیا گیا! کہ مسلمان کوکس طرح خوش کیا جائے؟ فرمایا:

شِبَعَةُ جَوْعَهِ, وَتَنْفِيسُ كُرْبَتِهِ, وَقَضَاءُ دَيْنِه.[1]

---

[1] بحارالانوار: ج۷۴، باب ۲۰، حدیث ۲

بھوکا ہو تو شکم سیر کرکے نیز اسکے غموں کو دور کرکے اور اس کا قرض ادا کرکے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جناب کمیلؒ سے فرمایا:

يَا كُمَيْلُ مُرْ أَهْلَكَ أَنْ يَرُوحُوا فِي كَسْبِ الْمَكَارِمِ وَ يُدْلِجُوا فِي حَاجَةِ مَنْ هُوَ نَائِمٌ فَوَالَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ مَا مِنْ أَحَدٍ أَوْدَعَ قَلْباً سُرُوراً إِلَّا وَ خَلَقَ اللهُ لَهُ مِنْ ذَلِكَ السُّرُورِ لُطْفاً فَإِذَا نَزَلَتْ بِهِ نَائِبَةٌ جَرَى إِلَيْهَا كَالْمَاءِ فِي انْحِدَارِهِ حَتَّى يَطْرُدَهَا عَنْهُ كَمَا تُطْرَدُ غَرِيبَةُ الْإِبِلِ.[۱]

اے کمیل! اپنے گھر والوں کو حکم دو کہ اچھی خصلتوں کو تلاش کرنے کے لئے دن میں نکلیں اور سو جانے والوں کی حاجت روائی کے لئے رات میں قیام کریں قسم ہے اس ذات کی جو ہر آواز کو سننے والی ہے کہ کوئی شخص کسی دل میں خوشی داخل نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ پروردگار اس کے لئے اس خوشی میں ایک لطف پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے بعد اگر اس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ لطف اس کی طرف نشیب کی جانب بہنے والے پانی کی طرح تیزی سے بڑھتا ہے اور اس مصیبت کو یوں ہنکا دیتا ہے جس طرح پرائے اونٹ ہنکائے جاتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

تَبَسُّمُ الرَّجُلِ فِي وَجْهِ أَخِيهِ حَسَنَةٌ، وَ صَرْفُ الْقَذَى عَنْهُ حَسَنَةٌ، وَ مَا عُبِدَ اللهُ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِدْخَالِ السُّرُورِ عَلَى الْمُؤْمِنِ.[۲]

مومن کے سامنے مسکرا دینا ایک حسنہ (نیکی) ہے اور اس کی مشکل کو حل کرنا دوسری نیکی ہے اور مومن کو خوش کرنے سے بہتر تو خداوند عالم کی کوئی عبادت نہیں کی گئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا يَرَى أَحَدُكُمْ إِذَا أَدْخَلَ عَلَى مُؤْمِنٍ سُرُوراً أَنَّهُ عَلَيْهِ أَدْخَلَهُ فَقَطْ بَلْ وَ اللهِ عَلَيْنَا بَلْ وَ اللهِ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.[۳]

تم میں سے کوئی ہرگز یہ خیال نہ کرے کہ جب وہ کسی مرد مومن کے دل کو خوش کرتا ہے تو صرف اسی کی خوشی ہوتی ہے! بلکہ خدا کی قسم اس سے ہم اہل بیت بھی خوش ہوتے ہیں بلکہ خدا کی قسم اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی خوش کیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۸۲

[۲] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۵

[۳] الکافي (ط-الاسلامية)، ج ۲، ص: ۱۸۹

مَنۡ سَرَّ مُؤۡمِناً فَقَدۡ سَرَّنِي وَمَنۡ سَرَّنِي فَقَدۡ سَرَّ اللهَ[1]

جس نے کسی مومن کی خوشحال کیا اس نے مجھے خوش کیا ہے اور جس نے مجھے خوش کیا ہے اس نے خدا کو راضی اور خوشنود کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

أَوۡحَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى دَاوُدَ ع إِنَّ الۡعَبۡدَ مِنۡ عِبَادِي لَيَأۡتِينِي بِالۡحَسَنَةِ فَأُبِيحُهُ جَنَّتِي فَقَالَ دَاوُدُ يَا رَبِّ وَمَا تِلۡكَ الۡحَسَنَةُ قَالَ يُدۡخِلُ عَلَى عَبۡدِيَ الۡمُؤۡمِنِ سُرُوراً وَلَوۡ بِتَمۡرَةٍ قَالَ دَاوُدُ يَا رَبِّ حَقٌّ لِمَنۡ عَرَفَكَ أَنۡ لَا يَقۡطَعَ رَجَاءَهُ مِنۡكَ.[2]

یعنی پروردگار عالم نے جناب داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ جب کوئی بندہ میری بارگارہ میں ایک حسنہ (نیکی) پیش کرتا ہے تو میں اس کے لئے جنت کو مباح کر دیتا ہوں تو جناب داؤد علیہ السلام نے عرض کی! پروردگار! وہ حسنہ (نیکی) کیا ہے؟ ارشاد ہوا! کہ مومن کے دل کو خوش کرنا، چاہے ایک کھجور کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ تو جناب داؤد علیہ السلام نے یہ عرض کی! کہ جو تیری معرفت رکھتا ہے اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی امید کو تجھ سے نہ توڑے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ أَكۡرَمَ أَخَاهُ الۡمُسۡلِمَ بِكَلِمَةٍ يُلۡطِفُهُ بِهَا وَفَرَّجَ عَنۡهُ كُرۡبَتَهُ لَمۡ يَزَلۡ فِي ظِلِّ اللهِ الۡمَمۡدُودِ عَلَيۡهِ الرَّحۡمَةُ مَا كَانَ فِي ذَلِكَ.[3]

جو شخص کسی ایک محبت بھرے کلمے سے اپنے برادر مومن کا احترام کرے اور اس کی کوئی مشکل دور کرے تو جب تک وہ اس طرح رہے مسلسل رحمت الٰہی کے زیر سایہ (جو اس کے سر پر سایہ فگن ہے) رہے گا۔

مذکورہ احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ خداوند عالم کے نزدیک ''مومن کو خوش کرنے'' کی کتنی زیادہ اہمیت ہے اور یہ خدا کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ترین اعمال میں سے ہے اور اتنی عظمت اور اہمیت کے باوجود یہ اتنا آسان کام بھی ہے کہ ہر شخص، ہر حالت میں مومن کو خوش وخرم کر سکتا ہے کیونکہ اس کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے بلکہ اسکے بے شمار راستے پائے جاتے ہیں لہٰذا اگر کسی کے پاس مال ودولت نہیں ہے تو وہ اپنی غربت کا بہانہ بنا کر مومن کو خوش نہ کر سکنے کا عذر پیش نہ کرے کیونکہ معصومینؑ نے صاف فرمادیا ہے کہ مسکرا کر یا مومن کے اوپر سے کوئی تنکا (یا دھاگہ) ہٹا کر یا ایک کھجور

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۴

[2] بحار الانوار: ج ۱۴، باب ۳، حدیث ۵

[3] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۳۴

کے ذریعہ بھی اسے خوش کیا جاسکتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک اچھی بات یا پُرمحبت جملہ ہی مومن کے دل کو مسرور کرسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ مومن کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے ایک قدم اٹھانا بھی ادخال سرور (یعنی مومن کو خوش کرنے) کا مصداق ہے اور جو ایسا کرے گا خداوند عالم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس کا اجر وثواب محفوظ رہے گا۔

''مومن کے دل کو خوش کرنے'' کی اس درجہ اہمیت اور فضیلت کے پیش نظر اب ہم ''مومن کو خوش کرنے'' کا دوسرا طریقہ بیان کررہے ہیں۔

مومنین کے درمیان صلح وصفائی (مصالحت) کرانا

ہر معاشرے اور سماج کو نفسیاتی بیماریوں سے نجات دینے کے لئے تمام مومنین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے مومن بھائیوں کے اختلافات دور کرائیں اور ان کے دلوں سے ایک دوسرے کی کدورتیں ختم کرادیں اس بارے میں کسی گفتگو سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں ایک دوسرے سے ناراض رہنا اور آپسی روابط اور تعلقات کو توڑ دینا بہت ہی بری چیز ہے اور یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ دو مومن بھائی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے ناراض ہوکر جھگڑا کرنے لگیں اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے کدورت اور آپسی رنجش پیدا ہوجائے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَيُّمَا مُسلِمَيْنِ تَهَاجَرَا فَمَكَثَا ثَلَاثاً لَا يَصْطَلِحَانِ إِلَّا كَانَا خَارِجَيْنِ مِنَ الْإِسْلَامِ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا وَلَايَةٌ فَأَيُّهُمَا سَبَقَ إِلَى كَلَامِ أَخِيهِ كَانَ السَّابِقَ إِلَى الْجَنَّةِ-يَوْمَ الْحِسَابِ. [۱]

یعنی اگر دو مسلمان ایک دوسرے سے تعلقات توڑ لیں اور اسی طرح ایک دوسرے سے الگ رہتے ہوئے تین دن گذر جائیں اور وہ مصالحت نہ کریں تو دونوں اسلام سے خارج ہیں اور اگر ان کے درمیان دوستی نہ ہو تو ان میں جو کوئی دوسرے سے پہلے بولنا شروع کرے گا روز قیامت وہی جنت میں پہلے جائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لَا يَفْتَرِقُ رَجُلَانِ عَلَى الْهِجْرَانِ إِلَّا اسْتَوْجَبَ أَحَدُهُمَا الْبَرَاءَةَ وَاللَّعْنَةَ وَرُبَّمَا اسْتَحَقَّ ذٰلِكَ كِلَاهُمَا. [۲]

کبھی بھی دو مومنین ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان میں سے ایک (جو خطاوار ہے) بیزاری اور لعنت

---

[۱] بحار الانوار، ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۵

[۲] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۱

کا مستحق ہوتا ہے اور بسا اوقات دونوں ہی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔

روایات میں مومنین کے درمیان اختلاف پیدا کرنے اور عداوت کے بیج بونے کو شیطانی کام کہا گیا ہے اور مومنین کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ شیطان کے وسوسوں میں نہ پڑیں اور اس کے فریب میں نہ آئیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ.[1]

شیطان تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا کرنا چاہتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يُغْرِى بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ مَا لَمْ يَرْجِعْ أَحَدُهُمْ عَنْ دِينِهِ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ اسْتَلْقَى عَلٰى قَفَاهُ وَ تَمَدَّدَ. ثُمَّ قَالَ: فُزْتُ، فَرَحِمَ اللهُ امْرَأً أَلَّفَ بَيْنَ وَلِيَّيْنِ لَنَا، يَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِينَ، تَآلَفُوا وَ تَعَاطَفُوا.[2]

شیطان مومنین کے درمیان اس وقت تک عداوت اور دشمنی پیدا کرتا رہتا ہے جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک اپنے دین سے خارج نہ ہوجائے اور اس کے بعد آرام سے لیٹ کر چین کی سانس لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کامیاب ہوگیا ہوں ۔لہٰذا خداوند عالم اس شخص پر رحمت نازل کرے جو ہمارے چاہنے والوں کے درمیان دوستی کرادے۔اے مومنین کرام: آپس میں پیار ومحبت کے ساتھ شیر وشکر بن کر رہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

لَا يَزَالُ إِبْلِيسُ فَرِحاً مَا اهْتَجَرَ الْمُسْلِمَانِ، فَإِذَا الْتَقَيَا اصْطَكَّتْ رُكْبَتَاهُ، وَ تَخَلَّعَتْ أَوْصَالُهُ، وَنَادٰى: يَا وَيْلَهُ، مَا لَقِيَ مِنَ الثُّبُورِ.[3]

جب تک دو مسلمانوں کے درمیان اختلاف باقی رہتا ہے شیطان مسلسل مسکراتا رہتا ہے لیکن جب ان دونوں کے تعلقات استوار ہوتے ہیں تو اس کے پیر لڑکھڑا جاتے ہیں اور اس کا جوڑ جوڑ کھل جاتا ہے اور وہ چیخ کر کہتا ہے ہائے میں تباہ وبرباد ہوگیا۔

ان روایات کے مطابق مومنین کے درمیان میل محبت اور بھائی چارہ ہی اصل ایمان ہے اور ایک دوسرے سے

---

[1] سورۂ مائدہ: آیت ۹۱

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۶

[3] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۷

اختلاف اور جھگڑا کر کے روابط توڑ لینا یہ شیطانی کام ہیں۔لہٰذا جس قدر ممکن ہو اختلافات سے دور ہی رہیں اور لڑائی جھگڑا کرنا اور آپس میں اختلافات رکھنا جتنا برا اور قبیح ہے،مومنین کے درمیان میل و محبت اور بھائی چارہ کا رشتہ قائم کرنے کی اتنی ہی اہمیت اور عظمت ہے اور خدا کے نزدیک اس کا اتنا ہی بلند مرتبہ ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ [1]

مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح و صفائی قائم رکھو۔

دوسری آیت میں یہ حکم ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ [2]

اگر تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو۔

تیسری آیت بھی ملاحظہ کیجئے:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا. [3]

ان لوگوں کی اکثر رازکی باتوں میں کوئی خیر نہیں ہے مگر وہ شخص جو کسی صدقہ،کار خیر یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے اور جو بھی یہ سارے کام رضائے الٰہی کے لئے انجام دے گا ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَ لَا أُخْبِرُكَ وَ أَدُلُّكَ عَلَى صَدَقَةٍ يُحِبُّهَا اللهُ وَ رَسُولُهُ تُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ إِذَا تَفَاسَدُوا وَ تَبَاعَدُوا. [4]

کیا تمہیں اس صدقہ کی خبر نہ دوں اور اس کی طرف رہنمائی نہ کروں جسے خدا و رسول پسند کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر لوگوں میں اختلاف اور دوری پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان مصالحت (صلح و صفائی) کرا دو۔

اس کے مثل ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے۔

---

(۲)سورۂ حجرات: آیت ۱۰

(۳)سورۂ انفال: آیت ۱

[3] سورۂ نساء: آیت ۱۱۴

[4] کنز العمال: ج۳،ص۵۹،حدیث ۵۴۸۸

صَدَقَةٌ يُحِبُّهَا اللهُ: إِصْلَاحٌ بَيْنَ النَّاسِ إِذَا تَفَاسَدُوا، وَتَقَارُبُ بَيْنِهِمْ إِذَا تَبَاعَدُوا.[۱]

جو صدقہ خدا کو پسند ہے وہ یہ ہے کہ جب لوگوں میں جھگڑا ہو جائے تو صلح کرادی جائے اور جب ان کے درمیان دوریاں پیدا ہو جائیں تو قربت پیدا کر دی جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی شہادت سے پہلے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام نیز اپنی دیگر اولاد حتیٰ اپنے چاہنے والوں سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

أُوصِيكُمَا وَجَمِيعَ وَلَدِي، وَأَهْلِي، وَمَنْ بَلَغَهُ كِتَابِي بِتَقْوَى اللهِ، وَنَظْمِ أَمْرِكُمْ، وَصَلَاحِ ذَاتِ بَيْنِكُمْ، فَإِنِّي سَمِعْتُ جَدَّكُمَا صلى الله عليه و آله يَقُولُ: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ.[۲]

تم دونوں اور اپنی تمام اولاد، اہل خانہ، اور جس تک میری یہ تحریر پہنچے ان سب سے میری یہ وصیت ہے کہ تقوائے الٰہی اختیار کریں اپنے کاموں میں نظم وضبط اور آپس میں اچھے تعلقات قائم رکھیں۔ کیونکہ میں نے تمہارے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مومنین کے درمیان مصالحت کرانا عام نماز اور روزوں سے بھی بہتر ہے۔

اس درس میں جو آیات اور روایات ذکر کی گئی ہیں اگر چہ ان سے بخوبی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا، ان کی غلط فہمیوں کو دور کر کے ان کی دشمنیوں کو ختم کرنا اور ان کے برادرانہ روابط کو مستحکم سے مستحکم بنانا اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ومحبت بھر دینے کی اہمیت کتنی زیادہ ہے لیکن اس کی مزید وضاحت کے لئے دو چیزوں کی طرف مزید توجہ ضروری ہے۔

۱۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے نزدیک مومنین کے درمیان صلح کرانے کی اس قدر اہمیت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چاہنے والوں کے اختلافات دور کرانے کی خاطر ایک بجٹ مخصوص کر رکھا تھا اور جناب مفضل کو یہ تاکید کی تھی جب تم ہمارے شیعوں کے درمیان کوئی اختلاف دیکھنا تو میرے مال سے اس کو رفع دفع کرا دینا۔[۳]

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یوں نقل ہوا ہے:

ابو حنیفہ جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے چاہنے والے تھے اور ان کا مشغلہ حاجیوں کے کاروان کی ساربانی تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میرے برادر نسبتی سے میراث کے معاملہ میں میری کچھ اَن بن ہو گئی اسی وقت وہاں مفضل پہنچ

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۶

[۲] بحار الانوار: ج ۴۲، باب ۱۲۷، حدیث ۵۱

[۳] بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۸

گئے اور کچھ دیر رکے رہے تا کہ انہیں یہ اندازہ ہو جائے کہ ہمارے درمیان اختلاف کس بات پر ہوا ہے پھر انہوں نے ہم دونوں سے کہا کہ آپ حضرات میرے گھر چلیں! جب ہم ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے چار سو درہم دیکر ہمارے درمیان صلح کرادی اور ہم نے ایک دوسرے سے رضایت کا اعلان کر دیا تو مفضل نے کہا کہ یہ میرا مال نہیں ہے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے میرے حوالے کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب دو مومنین کے درمیان کوئی اختلاف دیکھوں تو ان کے درمیان صلح کرادیا کروں۔[1]

۲۔آپ سب کو بخوبی معلوم ہے کہ جھوٹ کتنا بڑا گناہ ہے اور قرآن کریم اور روایات میں اس کی کتنی سخت مذمت کی گئی ہے لیکن اگر اس غلط بیانی سے دو مومنین کے بگڑے ہوئے تعلقات بحال ہو جائیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے لہٰذا جن جگہوں پر غلط بیانی سے کام لینا صحیح ہے ان میں سے ایک جگہ مومنین کے درمیان صلح کرانا بھی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمُصْلِحَ لَيْسَ بِكَذَّابٍ[2]

مصالحت کرانے والا جھوٹا نہیں ہوتا ہے۔

آپ نے اپنے ایک چاہنے والے سے یہ جملہ اس وقت کہا تھا جب ان کو اپنے دو شیعوں کے درمیان صلح کرانے بھیجا تھا اور ان کو یہ نصیحت کی تھی کہ ان دونوں سے میری طرف سے اس طرح کہنا تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کا پیغام تو ان تک پہنچا ہی دوں گا اور کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کروں گا کیا یہ جھوٹ تو نہیں ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا:

نَعَمْ، إِنَّ الْمُصْلِحَ لَيْسَ بِكَذَّابٍ، إِنَّمَا هُوَ الصُّلْحُ لَيْسَ بِكَذِبٍ.[3]

ہاں! تمہارا یہ کام اصلاح ہے نہ کہ جھوٹ اور صلح کرانے والا جھوٹا نہیں ہوتا ہے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۶۷، باب ۱۰۱، حدیث ۹

[2] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۴۸

[3] بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۱۲

خلاصہ

مومنین کو خوش کرنا بھی اسلامی اخلاقیات کا ایک حصہ ہے جس کے مختلف طریقے ہیں!!

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ مومنین کے دلوں سے ایک دوسرے کی کدورت ختم کر کے ان کے درمیان محبت اور بھائی چارہ پیدا کیا جائے!!

اسلام میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس کا بے حد ثواب بیان کیا گیا ہے اور معصومین علیہم السلام نے بھی اس کی خصوصی تاکید فرمائی ہے۔

سوالات

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں خدا کا سب سے محبوب کام کیا ہے؟

۲۔ کیا صرف مالی مدد کے ذریعے ہی مومنین کو خوش کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ روایات کی روشنی میں یہ بتائیے کہ مومنین کے درمیان صلح ہو جانے سے شیطان کیوں افسردہ رہتا ہے؟

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے شیعوں کے اختلافات دور کرنے کے لئے مخصوص بجٹ کیوں معین کر رکھا تھا؟

۵۔ مومنین کے درمیان صلح کرانے کے لئے غلط بیانی کیوں درست ہے؟

باب۔١٦

یتیموں اورغریبوں کی سرپرستی

مومنین کوخوش کرنے کے متعدد طریقوں میں سے ایک طریقہ یتیم اورغریب بچوں کی سرپرستی اور کفالت کرنا بھی ہے۔اسلام، جوکہ پیار ومحبت سے سرشار مذہب ہے اس نے ان بچوں کے سرپردست شفقت رکھا ہے جن کے ماں باپ، دونوں یاان میں سے کوئی ایک دنیا سے چلا گیا ہواوران کا کوئی بھی سرپرست نہ ہو۔اسلام نے ان بچوں کے راحت وآرام کے انتظام کی خاطرخاص حساسیت کا مظاہرہ کیا ہے اوراسے تمام مومنین کامشترکہ فرض قرار دیا ہے جیسا کہ رب کریم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی.[1]

کیااس نے تم کویتیم پاکر پناہ نہیں دی؟

اس کے بعد آپ کو یہ تاکید کی گئی:

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ.[2]

لہٰذااب تم یتیم پرقہرنہ کرنا۔

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپنے سے اپنے والدگرامی کے سایہ سے محروم رہےاور بچپنے میں ہی اپنی والدہ گرامی کی شفقتوں سے بھی محروم ہوگئے تھے اورآپ نے یتیمی کی مشکلات اورزحمتوں کے تلخ ذائقہ کواچھی طرح چکھ رکھا تھا آپ بھی یتیموں کے ساتھ بہت ہی مہربان تھے اوران سے پیار ومحبت کے ساتھ پیش آتے تھے اوردوسروں کوبھی مسلسل ان کا خیال رکھنے کی تاکید

---

[1] سورۂ ضحیٰ: آیت ٦

[2] سورۂ ضحیٰ: آیت ۹

فرماتے تھے آپؐ کے مندرجہ ذیل ارشادات سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

أَحَبُّ الْبُيُوتِ إِلَى اللهِ تَعَالَى بَيْتُ يَتِيمٍ مُكْرَم.[۱]

خدا کے نزدیک سب سے محبوب گھر وہ جس میں کوئی یتیم باعزت طریقہ سے رہتا ہو۔

كُنْ لِلْيَتِيمِ كَالْأَبِ الرَّحِيمِ وَاعْلَمْ أَنَّكَ تَزْرَعُ كَذَلِكَ تَحْصُد.[۲]

یتیم کے لئے مہربان باپ بن کر رہو اور یاد رکھو تم جیسا بوؤ گے ویسا ہی کاٹو گے۔

إنّ فی الجنّة دارا یقال لها دار الفرح لا یدخلها إلّا من فرّح یتامی المؤمنین.[۳]

جنت میں ایک گھر ہے جسے دار الفرح یعنی خوشیوں کا گھر کہا جاتا ہے اور اس میں صرف وہی داخل ہوسکتا ہے جس نے کسی یتیم کو خوش کیا ہوگا۔

آپؐ کا یہ ارشاد بھی ہے:

من عال ثلاثة من الایتام کان کمن قام لیله وصام نهاره وغدا وراح شاهراً سیفه فی سبیل الله و کنت أنا و هو فی الجنة اخوین کما إن هاتین أختین (والصق اصبعیه السبابة والوسطی).[۴]

جو شخص تین یتیموں کی سرپرستی کرے اس کا مرتبہ اس شخص کی طرح ہے جو پوری رات نماز پڑھے اور دن بھر روزہ رکھتا ہو اور صبح سے شام تک راہ خدا میں جہاد کے لئے اس کی تلوار چلتی رہے، میں اور وہ قیامت کے دن دو بھائیوں کی طرح ان انگلیوں کی مانند رہیں گے۔ (پھر آپ نے اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا)۔

واضح رہے کہ یتیموں کی سرپرستی اور کفالت کی اہمیت کے پیش نظر اسلام میں زکات کا ایک مصرف یتیم بھی ہیں، خداوند عالم نے اپنے اقرباء اور یتیموں کی کفالت اور ان پر مال خرچ کرنے کو کار خیر قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے ہو۔

جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے:

---

[۱] الجعفریات،:ص ۱۶۷

[۲] بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۱۸، حدیث ۲۳

[۳] کنز العمال: ج ۳ ص ۱۷۰، حدیث ۶۰۰۸

[۴] سنن ابن ماجہ: ج ۲ ص ۱۲۱۳، حدیث ۳۶۸۰

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى [1]

اور محبت خدا میں قرابتداروں اور یتیموں کے لئے مال دے۔

جب حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں نے تین دن تک مسلسل افطار کے وقت اپنا کھانا مسکین، یتیم اور اسیر کو دے دیا تو قرآن نے ان الفاظ میں ان کی تعریف فرمائی۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا [2]

یہ اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں ہم صرف اللہ کی مرضی کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں ورنہ نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

لہٰذا اسلام کی نگاہ میں تمام مومنین کی ایک اجتماعی ذمہ داری یہ ہے کہ یتیموں کی کفالت کریں اور ان کو کسی قسم کی زحمت میں نہ پڑنے دیں لیکن اس طرف بھی توجہ رہے کہ یتیموں کی ضروریات صرف ان کے لئے روٹی کپڑا اور پڑھائی وغیرہ کا خرچ فراہم کردینا ہی نہیں ہے! بلکہ ان کو ہمارے پیار و محبت اور شفقت کی بھی ضرورت ہے لہٰذا ان کی اس فطری ضرورت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ بھی مومنین کا ایک فریضہ ہے جس کی تاکید متعدد آیات اور روایات میں موجود ہے، جیسا کہ پہلے بھی یہ آیت گذر چکی ہے۔

وَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ

خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ یتیموں پر سختی نہ کریں انہیں اپنے سے دور نہ کریں اور ان سے غصہ سے بات نہ کریں اس سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ ان کے کھانے اور کپڑے وغیرہ کا انتظام کردیا جائے بلکہ ان کے سر پر دست شفقت پھیرنا اور اپنے بچوں کی طرح ان سے برتاؤ کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔

قرآن مجید میں ہی دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ [3]

ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے ہو اور لوگوں کو مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دلاتے۔

مذکورہ آیت میں صاف طور پر یتیم کے اکرام و احترام اور اس کی عزت کرنے کا ذکر ہے کیونکہ اس کی عزت افزائی

---

[1] سورہ بقرہ: آیت ۱۷۷

[2] سورہ دہر: آیت ۸/۹

[3] سورۃ فجر: آیت ۱۷/۱۸

اوراس کا احترام کرنے کا درجہ اسے کھانا کھلانے سے ایک درجہ بلند ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ کسی یتیم کو کسی قسم کی مالی ضرورت نہ ہو (مثلاً اسے باپ کی میراث میں دولت ملی ہو) لیکن پھر بھی وہ دوسروں کے پیار و محبت کی ضرورت کا احساس کرے گا اور معاشرے کے دوسرے افراد کی طرح اس کے دل میں بھی یہ تمنا رہے گی کہ اس کا احترام کیا جائے اور اسے کسی موقع پر فراموش نہ کیا جائے لیکن ہم نے جو آیت ذکر کی ہے اس میں جب مسکین کا ذکر کیا گیا تو اسے کھانا کھلانے اور سیر کرنے کا تذکرہ ہے کیونکہ وہ ضرورت مند ہوتا ہے لہٰذا اس کو زبانی پیار و محبت سے کچھ حاصل نہ ہوگا؟ اس بات کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِؕ‏ ۝١ فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَۙ‏ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ.[1]

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو قیامت کو جھٹلاتا ہے یہ وہی ہے جو یتیم کو دکھ دیتا ہے اور کسی کو مسکین کو کھانا کھلانے کے لئے تیار نہیں کرتا۔

ان آیات میں یتیم کی طرف سے بے توجہی اور اسے جھڑکنے کے ساتھ ساتھ مسکین کی مالی امداد کا تذکرہ کیا گیا ہے تا کہ یہ واضح رہے کہ یتیم کو جھڑکنا اور مسکین کو امداد نہ کرنا دین کی تکذیب اور کفر کے برابر ہے۔

روایات میں یتیموں کے قلبی جذبات اور احساسات پر بے حد توجہ دی گئی ہے اور مومنین کرام کو حتی الامکان اس بارے میں ان کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من وضع يده على راس يتيم ترحماً كان له بكل شعرة تمر يده عليها حسنة[2]

جو شخص یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ لگا ہوگا خداوند عالم ان تمام بالوں کی تعداد کے برابر اسے نیکیاں عنایت فرمائے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا اسی وقت ایک بچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی! یتیم ہوں میری ایک بہن اور بیوہ ماں بھی ہے خداوند عالم نے آپ کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے ہمیں بھی عنایت فرما دیجئے تا کہ رب کریم اپنے خزانہ سے آپ کو اتنا عطا فرمائے کہ آپ خوش ہو جائیں آپ نے اس کی طرف رخ کر کے فرمایا بیٹا تم نے کتنی حسین بات کہی ہے پھر جناب بلال ؓ سے فرمایا کہ جاؤ ہمارے

---

[1] سورۃ ماعون: ۱ / ۳

[2] کنز العمال: ج ۳ ص ۱۷۷

یہاں جو کچھ ہے وہ لے آؤ جناب بلال گئے اور ۲۱ عدد کھجوریں لے آئے وہ کھجوریں آپؐ نے اس یتیم بچہ کو دے دیں اور فرمایا کہ ۷ عدد تمہارے لئے اور ۷ تمہاری بہن کے لئے اور ۷ عدد تمہاری والدہ کے لئے ہیں۔

اس وقت جناب معاذ بن جبلؓ کھڑے ہوئے انہوں نے اس یتیم بچے کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے اسے یہ دعا دی کہ خداوند عالم تمہاری یتیمی کا ازالہ فرمائے اور تمہیں اپنے والد کا بہترین وارث قرار دے (اس کا باپ ایک مسلمان مہاجر تھا)۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل سے پوچھا تم نے کس نیت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا؟

انہوں نے عرض کیا میں نے تو صرف شفقت کی خاطر ایسا کیا تھا! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا يَلِي أَحَدٌ مِنكُمْ يَتِيماً فَيُحسِنُ وِلايَتَهُ, وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةً, وَمَحَا عَنهُ بِكُلِّ شَعَرَةٍ سَيِّئَةً, وَرَفَعَ لَهُ بِكُلِّ شَعَرَةٍ دَرَجَةً.

تم میں سے جو کوئی بھی کسی یتیم کی اچھی طرح کفالت کرے گا اور اس کے سر پر دست شفقت رکھے گا تو خداوند عالم اس کے سر کے تمام بالوں کے برابر اسے حسنات عطا کرے گا اور تمام بالوں کے برابر اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور تمام بالوں کے برابر جنت میں اس کے درجات کو بلند فرمادے گا۔

دوسری روایت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نقل ہوا ہے:

إِنَّ اليَتِيمَ إِذا بَكَى اهتَزَّ لَهُ العَرشُ فَيَقُولُ الرَّبُّ تَبارَكَ وَتَعالَى مَن هَذَا الَّذِي أَبكَى عَبدِيَ الَّذِي أَسلَبتُهُ أَبَوَيهِ فِي صِغَرِهِ فَوَعِزَّتِي وَجَلالِي لا يُسكِتُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَوجَبتُ لَهُ الجَنَّةَ.[1]

جب کوئی یتیم روتا ہے تو اس کے لئے واقعاً عرش الٰہی ہل جاتا ہے اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جس نے میرے اس بندے کو رلایا ہے جس سے میں نے اس کے بچپنے میں اس کے ماں باپ کو واپس لے لیا ہے؟ لہٰذا میری عزت وجلالت کی قسم کوئی اس کو خاموش نہیں کرے گا مگر یہ کہ میں اس کے لئے جنت واجب کردوں گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

أَتُحِبُّ أَنْ يَلِينَ قَلْبُكَ، وتُدْرِكَ حاجَتَكَ؟ ارْحَمِ اليَتِيمَ، وامْسَحْ رَأْسَهُ، وأَطْعِمْهُ مِنْ طَعامِكَ؛ يَلِنْ قَلْبُكَ، وتُدْرِكْ حاجَتَكَ.

---

[1] بحار الانوار: ج، باب ۳۱، حدیث ۱۲

کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے اور تمہاری حاجت پوری ہو جائے اس کے لئے یتیم کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اس کے سر پر دست شفقت پھیرو اور اسے اپنے کھانے میں سے کھلاؤ تو تمہارا دل نرم ہو جائے گا اور تمہاری حاجت پوری ہو جائے گی۔

اب یتیموں کے ساتھ ائمہ کے لطف وکرم اور انداز محبت کا ایک نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

جب حضرت علی علیہ السلام کا دور حکومت تھا۔ آپ کو ایک عورت دکھائی دی جو اپنے کاندھے پر ایک مشک لادے ہوئے بڑی مشکل سے چلی جارہی تھی، آپ اس کی مدد کے لئے اس کے نزدیک گئے اور اس سے مشک لے کر اپنے کاندھے پر رکھ لی اور اس کے گھر کی طرف چل دیئے راستہ میں اس کا مزاج پوچھا تو چونکہ وہ آپ کو نہیں پہچانتی تھی لہٰذا اس نے کہا علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے میرے شوہر کو سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھیجا تھا وہاں قتل ہو گیا اب علی علیہ السلام نے میرے یتیم بچوں کو اسی طرح چھوڑ دیا ہے اور میرے پاس بھی کوئی مال و دولت نہیں ہے لہٰذا میں دوسروں کے یہاں کام کرتی ہوں جس سے اپنا خرچ چلاتی ہوں۔

آپ نے کچھ نہ کہا اور مشک اس کے یہاں پہنچا کر اپنے گھر واپس آ گئے لیکن اس کے بعد افسوس کی بناء پر آپ کو رات بھر نیند نہ آئی اگلے دن ایک (ٹوکری) کھانا لے کر اس کے گھر پہنچے راستہ میں کچھ اصحاب ملے اور انہوں نے آپ سے وہ ٹوکری لینا چاہی تو آپ نے جواب دیا کہ

مَنۡ یَحۡمِلُ وِزۡرِی عَنِّی یَوۡمَ الۡقِیَامَۃ

روز قیامت میرے گناہوں کو اپنے کاندھوں پر کون اٹھائے گا؟ چنانچہ آپ اس کے دروازہ پر پہنچے دروازہ کھٹکھٹایا اس نے پوچھا کون؟ آپ نے جواب دیا کہ

أَنَا ذٰلِكِ الۡعَبۡدُ الَّذِی حَمَلَ مَعَكِ الۡقِرۡبَةَ فَافۡتَحِی فَإِنَّ مَعِی شَیۡئاً لِلصِّبۡیَان

میں وہی ہوں جو کل تیری مشک لایا تھا ذرا دروازہ کھولو! تمہارے بچوں کے لئے کچھ کھانا لایا ہوں اس نے دروازہ کھولا اور کہا اے بھائی خدا تم سے راضی رہے اور میرے اور علی بن ابی طالب کے درمیان خود انصاف کرے آپ گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ میں کوئی کار ثواب کرنا چاہتا ہوں تم ان دو کاموں میں سے میرے لئے کسی ایک کا انتخاب کر دو یا میں بچوں کو دیکھوں اور تم آٹا پیس کر روٹی پکاؤ اور تم اپنے بچوں کو دیکھو اور میں روٹی پکاؤں، خاتون نے کہا میں روٹی تم سے بہتر اور آسانی سے پکا لوں گی لہٰذا تم بچوں کو دیکھو میں روٹی پکاتی ہوں۔ چنانچہ عورت آٹا پیسنے چلی گئی امام علیہ السلام جو گوشت لے کر آئے تھے آپ نے اس میں کچھ حصہ کے کباب تیار کئے اور اسے روٹی میں رکھ کر ایک ایک لقمہ بچوں کے منہ میں رکھنے لگے اور جب بھی ان کے منہ میں لقمہ رکھتے تھے تو فرماتے تھے کہ

يَابُنَيَّ اجْعَلْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فِي حِلٍّ مِمَّا مَرَّ فِي أَمْرِكِ.

بیٹا علی بن ابی طالب نے تمہارے حق میں جو کوتاہی کی ہے اسے معاف کر دینا، جب آٹے کا خمیر تیار ہو گیا تو اس خاتون نے کہا اے بندہ خدا تم ذرا تنور میں آگ جلا دو تا کہ میں روٹی پکالوں آپ نے تنور میں آگ جلائی جب اس سے شعلے اٹھنے لگے تو آپ اپنے چہرہ کو آگ کے نزدیک لے گئے اور کہا اے علی:

ذُقْ يَا عَلِيُّ هٰذَا جَزَاءُ مَنْ ضَيَّعَ الْأَرَامِلَ وَالْيَتَامٰى

ذرا اس کا مزہ چکھ لو! یہ اس شخص کی سزا ہے جس نے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کا حق ادا نہیں کیا ہے۔

اسی وقت پڑوس کی ایک عورت اس بیوہ کے گھر میں آئی اور امام کو دیکھ پہچان گئی اور اس بیوہ کی طرف رخ کر کے کہا: تمہارے اوپر وائے ہو! تم کس سے کام لے رہی ہو؟ یہ حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام ہیں!

جیسے ہی اس عورت نے آپ کو پہچانا گھبرا کر آپ کے پاس آئی اور عرض کی اے امیر المومنین علیہ السلام میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔

آپ نے فرمایا:

بَلْ وَاحَيَائِي مِنْكِ يَا أَمَةَ اللهِ فِيمَا قَصَّرْتُ فِي أَمْرِكِ.[۱]

نہیں نہیں، بلکہ اے کنیز خدا میں تم سے شرمندہ ہوں کہ میں نے تمہارے حق میں کوتاہی کی ہے۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ تو مومنین کے اور یتیموں کے حقوق تھے لیکن بالکل اسی طرح کے حقوق غریبوں اور حاجت مندوں کے بھی ہیں جو سماج کے سرمایہ دار طبقہ کے اوپر ہیں کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی فقیر اور غریب باقی نہ رہے لہٰذا اس نے صاحبان مال و دولت کے کاندھوں پر اس کی ذمہ داری رکھی ہے اور اس کے لئے انہیں زکات خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ پروردگار عالم نے قرآن کریم میں دو مقامات پر سچے متقیوں اور پرہیزگاروں کی یہ صفت قرار دی ہے کہ وہ اپنے اموال میں فقیروں اور غریبوں کا ایک حق محفوظ رکھتے ہیں جیسا کہ سورۂ ذاریات میں ارشاد ہے:

وَفِيٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ[۲]

اور ان کے اموال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محروم افراد کے لئے ایک حق تھا۔

سورہ معارج میں سچے نمازیوں کی تعریف کرتے ہوئے پروردگار عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

---

[۱] بحار الانوار: ج ۴۱، باب ۱۰۴، ص ۵۲

[۲] سورہ ذاریات: آیت ۱۹

وَالَّذِيْنَ فِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [1]

اورجن کے اموال میں ایک مقررہ حق معین ہے مانگنے والے کے لئے اور نہ مانگنے والے کے لئے۔

ان دونوں آیتوں میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ہم اگر کبھی کبھی غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں تو ہمیں یہ خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے مال سے انہیں دے رہے ہیں اور ان پر یہ ہمارا احسان ہے لیکن ان دونوں آیات میں لفظ حق کے ذریعہ یہ صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ سچے مومنین وہ ہیں جن کے مال میں ایک حصہ غریبوں کا بھی ہوتا ہے اور وہ حصہ غریبوں کا حق ہے نہ کہ صاحب مال کا سرمایہ، کیونکہ خداوند عالم کی نظر میں اتنا حصہ ان کا مال نہیں ہے کہ انہیں اس میں تصرف کا حق حاصل ہو لہٰذا جب وہ اسے فقراء کو دیتے ہیں تو درحقیقت یہ ان کا وہ حق اور قرض ہے جو انہوں نے واپس کیا ہے نہ کہ کوئی اور چیز! اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا حق، قرض یا اس کی امانت واپس کرے تو پھر واپس کرنے والے کو کسی قسم کا احسان جتانے کا حق نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے متعدد بار لوگوں کو غریبوں کی امداد کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا ہے کہ خبردار ان کے اوپر احسان نہ جتانا، سورۂ بقرہ کی ۲۶۴ ویں آیت ملاحظہ فرمائیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى [2]

اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات (خیرات) کو غریبوں پر احسان جتا کر اور ان کو اذیت دے کر ضائع نہ کرو۔

---

[1] سورہ معارج: آیت ۲۴، ۲۵

[2] سورہ بقرہ: آیت ۲۶۴

خلاصہ

مومنین کوخوش کرنے کاایک طریقہ یتیموں اورغریبوں کی امداد کرنا بھی ہے۔
یتیموں کی سرپرستی اوران کی مالی، روحانی اور ہرقسم کی ضروریات پوری کرنا تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔
مالی امداد سے مراد یہ ہے کہ ان کی غذا، کپڑے، گھر اور تعلیمی ضروریات کو پورا کیا جائے اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے پیار و محبت اور شفقت سے پیش آیا جائے اوران کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے۔
البتہ حاجت مندوں کو عام طور سے صرف مالی امداد کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔
کیونکہ ان حقوق کی ادائیگی مومنین کی ذمہ داری ہے لہٰذا اس کو ادا کرتے وقت انہیں کسی قسم کا احسان جتانے کا حق نہیں ہے۔

سوالات

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیموں کے بارے میں کیا تاکید فرمائی ہے؟
۲۔ مختصر طور سے بیان کیجئے کہ یتیموں کی سرپرستی کرنے والوں کا کیا انعام اور جزا ہے؟
۳۔ یتیموں کی ضروریات کس طرح پوری ہوتی ہیں؟
۴۔ کسی یتیم کوخوش کرنے والے سے پروردگار عالم نے کیا وعدہ فرمایا ہے؟
۵۔ غریبوں اور یتیموں کی ضروریات کے درمیان کیا فرق ہے؟
۶۔ غریبوں کی مدد کرنے کے بعد منت اور احسان جتانا کیوں صحیح نہیں ہے؟

باب۔۱۷

عیادت

مریضوں کی عیادت (مزاج پرسی کرنا بھی مومنین کوخوش کرنے کے مختلف طریقوں میں ایک طریقہ ہے اور یہ بھی اسلامی اخلاقیات کا جز ہے بیماروں سے ملاقات کرکے ان کی مزاج پرسی کرنا۔ یقیناً ضروری ہے اوراس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اوراس سے مومنین خوش ہوتے ہیں اس میں بھی کوئی دورائے نہیں ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے اس بارے میں کیا کہا ہے؟ اورمومنین کواس سلسلے میں کیا تاکیدات کی گئی ہیں اور تیسرے یہ کہ کسی مریض کی عیادت کے وقت کن باتوں کا خیال رکھا جائے؟ یعنی اسلام میں عیادت کے کیا آداب اورطریقے ہیں؟

اس درس میں ہم انہیں تینوں عنوانات کی وضاحت پیش کریں گے۔

الف: عیادت

ایک دوسرے کی گردن پرمومنین کے جوحقوق ہیں ان میں سے ایک حق کا نام مریضوں کی عیادت بھی ہے اورگزشتہ سبق میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ اگرکوئی چیزحق ہونے کے لحاظ سے ضروری ہوتو پھر وہ ایک فریضہ ہے اوراس کا ادا کرنا ضروری ہے اوراس میں کسی قسم کی کوتاہی کرنا خیانت ہے اور چونکہ یہ حق ہے لہٰذا اس کوادا کرنے کے بعداس کے بدلے شکریہ کی تمنا، یااحسان جتانا بھی صحیح نہیں ہے اس سلسلہ میں چندروایات ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے:

مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ إِذَا لَقِيَهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيْهِ وَإِذَا مَرِضَ أَنْ يَعُودَهُ وَإِذَا مَاتَ أَنْ

يُشَيِّعَ جَنَازَتَه.[۱]

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب اس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے اور جب وہ مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرے اور اگر دنیا سے رحلت کر جائے تو اس کی تشییع جنازہ میں شریک ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لِلْمُسْلِمِ عَلَى أَخِيهِ ثَلَاثُونَ حَقّاً لَا بَرَاءَةَ لَهُ إِلَّا الْأَدَاءُ أَوِ الْعَفْوُ يَغْفِرُ زَلَّتَهُ وَ يَرْحَمُ عَبْرَتَهُ وَ يَسْتُرُ عَوْرَتَهُ وَ يُقِيلُ عَثْرَتَهُ وَ يَقْبَلُ مَعْذِرَتَهُ وَ يَرُدُّ غِيبَتَهُ وَ يُدِيمُ نَصِيحَتَهُ وَ يَحْفَظُ خُلَّتَهُ وَ يَرْعَى ذِمَّتَهُ وَ يَعُودُ مَرْضَتَه.[۲]

ایک مسلمان کے اوپر دوسرے مسلمان کے تیس حق ہیں جن سے ہرگز چھٹکارا ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ ان کو ادا کرے یا وہ خود معاف کر دے ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ مریض ہو جائے تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کرے۔

جناب معلی بن خنیس کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ مولا یہ فرمائیے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا کیا حق ہے؟

قَالَ علیہ السلام لَهُ سَبْعُ حُقُوقٍ وَاجِبَاتٍ مَا مِنْهُنَّ حَقٌّ إِلَّا وَ هُوَ عَلَيْهِ وَاجِبٌ إِنْ ضَيَّعَ مِنْهَا شَيْئاً خَرَجَ مِنْ وِلَايَةِ اللهِ وَ طَاعَتِهِ وَ لَمْ يَكُنْ لِلهِ فِيهِ مِنْ نَصِيبٍ قُلْتُ لَهُ جُعِلْتُ فِدَاكَ وَ مَا هِيَ قَالَ يَا مُعَلَّى إِنِّي عَلَيْكَ شَفِيقٌ أَخَافُ أَنْ تُضَيِّعَ وَ لَا تَحْفَظَ وَ تَعْلَمَ وَ لَا تَعْمَلَ قَالَ قُلْتُ لَهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ قَالَ أَيْسَرُ حَقٍّ مِنْهَا أَنْ تُحِبَّ لَهُ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَ تَكْرَهَ لَهُ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ وَ الْحَقُّ الثَّانِي أَنْ تَجْتَنِبَ سَخَطَهُ وَ تَتَّبِعَ مَرْضَاتَهُ وَ تُطِيعَ أَمْرَهُ وَ الْحَقُّ الثَّالِثُ أَنْ تُعِينَهُ بِنَفْسِكَ وَ مَالِكَ وَ لِسَانِكَ وَ يَدِكَ وَ رِجْلِكَ وَ الْحَقُّ الرَّابِعُ أَنْ تَكُونَ عَيْنَهُ وَ دَلِيلَهُ وَ مِرْآتَهُ وَ الْحَقُّ الْخَامِسُ أَنْ لَا تَشْبَعَ وَ يَجُوعُ وَ لَا تَرْوَى وَ يَظْمَأُ وَ لَا تَلْبَسَ وَ يَعْرَى وَ الْحَقُّ السَّادِسُ أَنْ يَكُونَ لَكَ خَادِمٌ وَ لَيْسَ لِأَخِيكَ خَادِمٌ فَوَاجِبٌ أَنْ تَبْعَثَ خَادِمَكَ فَيَغْسِلَ ثِيَابَهُ وَ يَصْنَعَ طَعَامَهُ وَ يُمَهِّدَ فِرَاشَهُ وَ الْحَقُّ السَّابِعُ أَنْ تُبِرَّ قَسَمَهُ وَ تُجِيبَ دَعْوَتَهُ وَ تَعُودَ مَرِيضَهُ وَ تَشْهَدَ جَنَازَتَهُ وَ إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ لَهُ حَاجَةً تُبَادِرُهُ إِلَى قَضَائِهَا.[۳]

تو آپ نے فرمایا: ایک مسلمان کی گردن پر دوسرے مسلمان کے سات واجب حقوق ہیں جو سب کے سب واجب

---

[۱] مکارم الاخلاق: ص ۳۵۹

[۲] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۵، حدیث ۳۶

[۳] بحار الانوار: ج ۷۴ باب ۱۵ حدیث ۴۰

ہیں اگر ان میں سے ایک بھی اس نے ادا نہ کیا تو وہ خداوند عالم کی دوستی اور اطاعت سے خارج ہو جائے گا اور خدا کو اس کی بندگی سے کچھ حاصل نہیں ہے۔(یعنی اس نے خدا کی بندگی ہی نہیں کی ہے) میں نے (خدا کی بندگی) کی۔ ذرا فرمائیں کہ وہ حقوق کیا ہیں؟

فرمایا: اے معلّی مجھے ڈر ہے کہ تم ان کو ضائع کر دو اور ان کی حفاظت نہ کر سکو اور جاننے کے باوجود انہیں ادا نہ کرو۔

میں نے عرض کی: ''لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ'' (اللہ کے علاوہ کوئی قوت وطاقت نہیں ہے)

فرمایا کہ ان میں سب سے آسان حق یہ ہے کہ اس کے لئے وہی سب کچھ پسند کرو جو تمہیں اپنے لئے پسند ہے اور اس کے لئے ہر اس چیز کو ناپسند رکھو جو خود تمہیں پسند نہیں ہے اور اس کا ساتواں حق یہ ہے کہ اس کی قسم اور اس کی دعوت کو قبول کر لو، مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرو، مر جائے تو اس کی میت میں شریک ہو اور جیسے ہی تمہیں یہ اطلاع ملے کہ اس کو کوئی ضرورت ہے تو اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی اسے پورا کر دو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہی ایک صحابی جناب معاویہ بن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

کہ ذرا یہ فرمایئے کہ اپنے اعزاء اقرباء سے اور جن لوگوں سے ہمارے تعلقات ہیں ان کے ساتھ ہمیں کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ:

قَالَ: تُؤَدُّونَ الْأَمَانَةَ إِلَيْهِمْ وَ تُقِيمُونَ الشَّهَادَةَ لَهُمْ وَ عَلَيْهِمْ وَ تَعُودُونَ مَرْضَاهُمْ وَ تَشْهَدُونَ جَنَائِزَهُمْ.[1]

ان کی امانتوں کو واپس کرو ان کے بارے میں گواہی دو چاہے وہ ان کے فائدے میں ہو یا نقصان میں اور ان کے بیماروں کی مزاج پرسی کرو اور ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔

اس قسم کی تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مومن کس دوسرے مومن کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو گویا اس نے اس کا وہ حق ادا کیا ہے جو اس کے ذمہ تھا اور اس طرح اس کی امانت واپس کی ہے۔ لہٰذا جس طرح وہ مومن کو خوش کرتا ہے اسی طرح وہ خود بھی خوشی محسوس کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنا فریضہ اچھی طرح انجام دے دیا ہے اور خدا بھی اس سے خوش ہوتا ہے اور اس طرح عیادت کرنے والے کو دہری خوشی حاصل ہو جاتی ہے اور خداوند عالم بھی اس کی طرف خاص نظر کرم کرتا ہے اور اس کا بے حد ثواب ہے جس کا تذکرہ ہم آئندہ کریں گے۔

---

[1] اصول کافی: ج۲ ص ۶۳۵

ب: عیادت کرنے کی تاکید

اسلام نے اگرچہ مریضوں کی عیادت کو برادران اسلامی کا واجب حق قرار دیا ہے اور اس کو ایک شرعی اور دینی فریضہ کہا ہے اس کے باوجود اس نے اس کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کے لئے مختلف طریقے اپنائے ہیں انہیں طریقوں میں ایک طریقہ وہ بھی ہے جس میں معصومین علیہم السلام نے عیادت کے بے شمار فوائد اور اس کی جزا بیان کی ہے۔

① ۔چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

إِذَا عَادَ الْمُسْلِمُ أَخَاهُ أَوْزَارَهُ قَالَ اللهُ تَعَالَى طِبْتَ وَ طَابَ مَمْشَاكَ وَ تَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلاً.

یعنی جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے اور اس سے ملاقات کرتا ہے تو خداوند عالم فرماتا ہے تم پاک و پاکیزہ رہو اور تمہارا راستہ بھی صاف ستھرا رہے تم نے جنت میں اپنے لئے گھر بنالیا ہے۔

② ۔اسی طرح آپ نے فرمایا:

أَيُّمَا مُؤْمِنٍ عَادَ مُؤْمِناً حِينَ يُصْبِحُ شَيَّعَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ فَإِذَا قَعَدَ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ وَ اسْتَغْفَرُوا لَهُ حَتَّى يُمْسِيَ وَ إِنْ عَادَهُ مَسَاءً كَانَ لَهُ مِثْلُ ذَلِكَ حَتَّى يُصْبِحَ.[1]

جب کوئی مرد مومن کسی مریض کی عیادت کے لئے صبح کو جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں اور جب وہ اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتا ہے تو اس پر رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے اور یہ فرشتے اس کے لئے شام تک استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت وہ عیادت کرتا ہے تو (صبح تک اس کے لئے استغفار کرتے ہیں)۔

③ ۔آپ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے:

يُعَيِّرُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ [عَبْداً] مِنْ عِبَادِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ عَبْدِي مَا مَنَعَكَ إِذَا مَرِضْتُ أَنْ تَعُودَنِي فَيَقُولُ يَا رَبِّ سُبْحَانَكَ سُبْحَانَكَ أَنْتَ رَبُّ الْعِبَادِ لَا تَأْلَمُ وَ لَا تَمْرَضُ فَيَقُولُ مَرِضَ أَخُوكَ الْمُؤْمِنُ فَلَمْ تَعُدْهُ وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ ثُمَّ لَتَكَفَّلْتُ بِحَوَائِجِكُمْ فَقَضَيْتُهَا لَكَ وَ ذَلِكَ مِنْ كَرَامَةِ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ وَ أَنَا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.[2]

خداوند عالم روز قیامت اپنے ایک بندے کی ملامت کرتے ہوئے اس سے کہے گا کہ اے میرے بندے کیا وجہ

---

[1] اصول کافی: ج ۲ ص ۱۲۰، حدیث ۶

[2] بحار الانوار: ج ۷، باب ۱۵، حدیث ۷۵

تھی کہ جب میں بیمار ہوا تھا تو تو نے میری عیادت نہیں کی تھی؟ تو وہ جواب دے گا: تو پاک ومنزہ ہے تو تمام بندوں کا رب ہے تجھے نہ درد ہوتا ہے اور نہ کوئی مرض تو ارشاد رب العزت ہوگا کہ تیرا ایک مومن بھائی بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی میری عزت وجلالت کی قسم اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے نزدیک ہی پاتا اور میں تیری حاجات کا ضامن ہوتا اور تیرے لئے ان کو پورا کر دیتا اور یہ سب اپنے اس مومن بندے کے احترام کے باعث کرتا اور میں تو رحمٰن ورحیم ہوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

كَانَ فِيمَا نَاجَى بِهِ- مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ ع رَبَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَنْ قَالَ لَهُ يَا رَبِّ مَا بَلَغَ مِنْ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ مِنَ الْأَجْرِ قَالَ أُوَكِّلُ بِهِ مَلَكاً يَعُودُهُ فِي قَبْرِهِ إِلَى مَحْشَرِهِ.[۱]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں پروردگار عالم سے یہ سوال کیا کہ پروردگارا مریض کی عیادت کرنے والے کا ثواب کیا ہے؟ تو پروردگار عالم نے جواب دیا کہ میں اس کے لئے ایک فرشتہ معین کر دوں گا جو قبر سے محشر تک اس کے ساتھ رہے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ عَادَ مَرِيضاً فِي اللهِ لَمْ يَسْأَلِ الْمَرِيضُ لِلْعَائِدِ شَيْئاً إِلَّا اسْتَجَابَ اللهُ لَهُ.[۲]

جو شخص خدا کی خوشنودی کے لئے کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو مریض اس کے لئے کوئی دعا نہیں کرتا مگر یہ کہ خداوند عالم اسے ضرور قبول کرتا ہے۔

مذکورہ روایات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مریض کی عیادت کرنے سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں حاجتیں پوری ہوتی ہیں، خداوند عالم کی خاص نظر کرم ہوتی ہے اور فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں جگہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

ج: عیادت کرنے کا طریقہ

جس طرح دنیا کے تمام رسوم اور طور طریقوں کے لئے کچھ نہ کچھ آداب اور قوانین ہوتے ہیں اسی طرح اسلام نے عیادت کے یہ آداب بیان کئے ہیں۔

(۱)۔ ہدیہ لے جانا یعنی جس چیز سے مریض کا دل خوش ہو اسی قسم کا ہدیہ پیش کرے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

[۱] بحار الانوار: ج ۷، باب ۱۵، حدیث ۷۵
[۲] بحار الانوار: ج ۷، باب ۱۵، حدیث ۱۰

بارے میں فرمایا ہے کہ:

مَنْ أَطْعَمَ مَرِيضاً شَهْوَتَهُ أَطْعَمَهُ اللهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ. [۱]

یعنی جو شخص کسی مومن مریض کو اس کی پسندیدہ چیز کھلائے گا تو خداوند عالم اس کو جنت کے میوے کھلائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست مریض ہو گئے تھے اور ہم ان کی عیادت کے لئے جا رہے تھے راستہ میں امام علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی:

فَقَالَ لَنَا: «قِفُوا» فَوَقَفْنَا، فَقَالَ: «مَعَ أَحَدِكُمْ تُفَّاحَةٌ، أَوْ سَفَرْجَلَةٌ، أَوْ أُتْرُجَّةٌ، أَوْ لُعْقَةٌ مِنْ طِيبٍ، أَوْ قِطْعَةٌ مِنْ عُودِ بَخُورٍ؟» فَقُلْنَا: مَا مَعَنَا شَيْءٌ مِنْ هذا، فَقَالَ: «أَ مَا تَعْلَمُونَ أَنَّ الْمَرِيضَ يَسْتَرِيحُ إِلَى كُلِّ مَا أُدْخِلَ بِهِ عَلَيْهِ؟» [۲]

پوچھا آپ حضرات کہاں تشریف لے جا رہے ہیں ہم نے عرض کی ایک مریض کی عیادت کرنے! فرمایا کیا اس کے لئے کوئی تحفہ جیسے پھل یا عطر وغیرہ لے جا رہے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں تو آپؑ نے فرمایا: کیا آپ حضرات کو نہیں معلوم کہ مریض کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے اس سے اس کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

② ۔عیادت کا دوسرا ادب یہ ہے کہ زیادہ دیر تک مریض کے پاس نہ بیٹھے کیوں کہ مریض عام طور سے درد اور مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں لہٰذا انہیں آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور دیر تک عیادت کرنے سے انہیں تھکان ہونے لگتی ہے اور ضرورت کے مطابق آرام نہیں مل پاتا اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

خَيْرُ الْعِيَادَةِ أَخَفُّهَا [۳]

بہترین عیادت وہ ہے جو بالکل مختصر ہو۔

اس طرح آپ نے فرمایا:

الْعِيَادَةُ قَدْرَ فُوَاقِ نَاقَةٍ [۴]

بیمار کی عیادت صرف اتنی دیر کی ہے جتنی دیر میں اونٹ بیٹھتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

---

[۱] بحار الانوار: ج۸۱، باب ۴، حدیث ۳۲

[۲] بحار الانوار: ج۸۱، باب ۴، حدیث ۳۹

[۳] کنز العمال: ج۹ ص ۹۴، حدیث ۲۵۱۳۹

[۴] اصول کافی: ج ۳ ص ۱۱۸

إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْعُوَّادِ أَجْراً عِنْدَ اللهِ لَمَنْ إِذَا عَادَ أَخَاهُ خَفَّفَ الْجُلُوسَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمَرِيضُ يُحِبُّ ذٰلِكَ وَيُرِيدُهُ[1]

مریض کی عیادت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ثواب اس کے لئے ہے جو مریض کے پاس کم سے کم بیٹھے مگر یہ کہ مریض کو اس کی ضرورت ہو اور وہ خود اسے اپنے پاس رہنے کے لئے کہے۔

③۔ تیسرے یہ کہ مریض کی مزاج پرسی اور اس کے لئے دعا کرنا۔

اس بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ أَنْ يَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلَيْهِ وَ يَسْأَلَهُ كَيْفَ أَنْتَ كَيْفَ أَصْبَحْتَ وَ كَيْفَ أَمْسَيْتَ وَ تَمَامُ تَحِيَّتِكُمُ الْمُصَافَحَة[2]

یعنی عیادت کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ مریض کے اوپر ہاتھ رکھ کر اس کا مزاج دریافت کرے کہ آپ کیسے ہیں دن کیسا گزرا، رات کیسی گزری اور سلام کی تکمیل یہ ہے کہ مصافحہ کرے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

عودوا المرضی... وتدعوا للمريض فتقول اللهم اشفه بشفائك و داوه بدوائك وعافه من بلائك[3]

یعنی مریض کی عیادت کرو اور ان کے لئے یہ دعا کرو اللھم ...... بارالہا! اسے اپنی شفا کے ذریعہ شفا عطا فرما اپنی دوا کے ذریعہ اس کا علاج فرما اور اس اسے اپنی بلا سے محفوظ رکھنا۔

④۔ مریض کی دلداری کرنا اور اس کے ارادہ نفسیات کو مضبوط کرنا بھی عیادت کا ایک حصہ ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا ہے:

إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَنَفِّسُوا لَهُ فِي الْأَجَلِ فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئاً وَ هُوَ يُطَيِّبُ النَّفْس[4]

جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے زندگی کی امید دلاؤ اس سے اگر چہ کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اس کا دل ضرور

---

[1] بحارالانوار: ج۸۱، باب ۴، حدیث
[2] بحارالانوار: ج۸۱، باب ۴، حدیث ۳۲
[3] گذشتہ حوالہ
[4] بحارالانوار: ج۸۱، باب ۴، حدیث ۳۳

مطمئن ہوجاتا ہے۔

۵۔عیادت کرتے وقت مریض یا اس کے اہل خانہ سے اپنی آؤ بھگت (ناشتہ کھانا وغیرہ) کی امید نہ رکھے اور جہاں تک ممکن ہو انہیں اس سے منع کر دے۔ کیوں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو اس سے منع فرمایا ہے۔

نَهَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ يَأْكُلَ الْعَائِدُ عِنْدَ الْعَلِيلِ فَيُحْبِطُ اللهُ أَجْرَ عِيَادَتِهِ. [1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مریض کے پاس کچھ کھانے سے منع فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کے پاس کچھ کھائے گا تو اس کی عیادت کا ثواب ختم ہوجائے گا۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۴۱

خلاصہ

اسلامی آداب کا ایک اور حصہ نیز مومنین کو خوش کرنے کا ایک طریقہ مریضوں کی عیادت کرنا بھی ہے۔

اسلام نے اس کو مومنین کا ایک حق قرار دیا ہے اور انہیں ترغیب دلانے کے لئے اس کا بے حد ثواب ذکر کیا ہے۔

بیماروں کی عیادت کرنے کے کچھ آداب ہیں جیسے ان کے پاس کم بیٹھنا، ان کے لئے ہدیہ لے جانا، مزاج پرسی کرنا، ان کے لئے دعا کرنا اور ان کی ہمت افزائی کرنا نیز ان سے کسی آؤ بھگت کی توقع نہ رکھنا۔

سوالات

۱۔ مریض کی عیادت کرنا مومنین کو خوش کرنے کا ایک مصداق کیوں ہے؟

۲۔ اگر عیادت ایک حق ہو تو اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟

۲۔ خدا کی عیادت کرنے سے کیا مراد ہے؟

۴۔ عیادت کے آداب مختصر طور سے بیان کیجئے؟

۵۔ عیادت کے چند فوائد بیان فرمائیں؟

باب۔۱۸

خوشی اور غم میں شرکت

مومنین کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی پریشانیوں اور مشکلات میں پریشاں حال لوگوں کے کام آئیں اوراس کے علاوہ اپنے برادران ایمانی کی خوشی اور غم میں بھی ضرور شریک رہیں کیوں کہ رشتہ داری اور دوستی ایسے ہی مواقع پر پرکھی جاتی ہے نیز دوسرے کی خوشی یا غم میں شرکت کرنا ''مومن کوخوش کرنے'' کا ایک اور مصداق ہے جس کا تذکرہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔

کیونکہ ہر شخص کی زندگی میں خوشی یا غم کے ایسے بے شار لمحات آتے ہیں جب وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے افراد بھی اس کی خوشیوں میں شریک ہوں یا اس کے غم میں شریک ہوکراس کا غم ہلکا کریں جس سے اس کے دل کو بھی سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔لہٰذا ایسے ہر موقع پر کہ جب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے رشتہ دار یا دوست اور احباب ہر مرحلہ پر ہمارے شریک حال رہیں ہمیں بھی ان کے ہر غم اور خوشی میں اسی گرم جوشی سے شرکت کرنا چاہئے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم کسی کے کام نہ آئیں اور سب لوگ ہمارے کام آتے رہیں۔

روایات میں مومنین کے درمیان اخوت اور بھائی چارہ کو ''تآخی'' قرار دیا گیا ہے جو باب تفاعل سے ہے اور اس کے معنی میں دوطرفہ شرکت پائی جاتی ہے، یا جیسے ایک دوسرے سے ملاقات کو ''تزاور'' کہا گیا ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ جب ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرے تو دوسرا بھی اسی طرح اس سے ملاقات کرنے جائے۔لہٰذا اخوت اور دوستی، اسی وقت کامیاب کہلائے گی اس میں دوطرفہ رابطہ رہے۔

زندگی میں خوشی اور غم کے جو مختلف مواقع آتے ہیں ہم روایات کی روشنی میں ان میں سے صرف دو اہم مواقع کا تذکرہ کررہے ہیں:

ا۔ دعوت قبول کرنا

برادران دینی کے جو حقوق ایک دوسرے کے ذمہ ہیں ان میں سے ایک حق ''مومنین کی دعوت کو قبول کرنا'' بھی ہے اور اس کو روایات میں باقاعدہ حق قرار دیا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ أَنْ يُجِيبَهُ إِذَا دَعَاهُ.[1]

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب وہ اسے دعوت دے تو اسے قبول کر لے۔

دوسری روایت میں مومن کی دعوت کو قبول نہ کرنے کو مومن کے اوپر ظلم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین علیہم السلام کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ

ثَلَاثَةٌ مِنَ الْجَفَاءِ: أَنْ يَصْحَبَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَسْأَلَهُ عَنِ اسْمِهِ وَ كُنْيَتِهِ، وَ أَنْ يُدْعَى الرَّجُلُ إِلَى طَعَامٍ فَلَا يُجِيبَ أَوْ يُجِيبَ فَلَا يَأْكُلَ، وَ مُوَاقَعَةُ الرَّجُلِ أَهْلَهُ قَبْلَ الْمُدَاعَبَةِ.[2]

تین کام ظلم ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی مومن کھانے پر مدعو کرے تو اسے قبول نہ کرے یا قبول تو کر لے مگر کھانا نہ کھائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مِنَ الْحُقُوقِ الْوَاجِبَاتِ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يُجِيبَ دَعْوَتَه[3]

ایک مومن کے اوپر دوسرے مومن کے واجب حقوق میں سے ایک یہ حق بھی ہے کہ اس کی دعوت کو قبول کر لے۔

مذکورہ روایت میں اس حق کو صریحاً واجب قرار دیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کیوں کہ جب کوئی آدمی کسی کو دعوت دیتا ہے تو اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں البتہ عام طور سے ولیمہ یا کھانے کی دعوت کو ہی اصل دعوت کہا جاتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی دعوت کرتا ہے تو پھر مہمان کے شایان شان اہتمام کرتا ہے اور اس میں سرمایہ لگاتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے تمام مہمان اس کی دعوت میں شریک ہوں چنانچہ اس دعوت میں شرکت سے ایک طرف تو میزبان کا دل خوش ہوتا ہے، جو مومن کو خوش کرنے کے ثواب میں داخل ہے اور دوسری طرف مہمان کے احترام سے احترام مومن کا ثواب حاصل ہوتا ہے لہٰذا کسی بھی مومن کو کسی عذر کے بغیر اپنے برادر مومن کی دعوت کو ٹھکرانا

---

[1] بحار الانوار: ج۷۵، باب ۸۹، حدیث ۵

[2] بحار الانوار: ج۷۴، باب ۱۱، حدیث ۵

[3] بحار الانوار: ج۷۴، باب ۸۹، حدیث ۶

نہیں چاہئے اسی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی دعوت قبول کرنے کو دین کا حصہ قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

أُوصِی الشَّاهِدَ مِنْ أُمَّتِی وَ الْغَائِبَ أَنْ يُجِيبَ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِ وَلَوْ عَلَى خَمْسَةِ أَمْيَالٍ فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الدِّينِ.[1]

اپنی امت کے ہر موجود اور غائب شخص سے میری وصیت ہے کہ مسلمان کی دعوت کو ضرور قبول کرے چاہے پانچ میل دور ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ یہ دین کا حصہ ہے۔

دوسری حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ وَيُكْرَهُ إِجَابَةُ مَنْ يَشْهَدُ وَلِيمَتَهُ الْأَغْنِيَاءُ دُونَ الْفُقَرَاءِ.[2]

جو شخص کسی کی دعوت قبول نہ کرے اس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے البتہ جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے اس میں شرکت کرنا مکروہ ہے۔

اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کی دعوت رد کرنے کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی دعوت کو قبول کرنا مومنین کے حق کے علاوہ خدا کے حکم کی اطاعت بھی ہے۔ ہاں اگر اس دعوت میں نہ صرف مالداروں کو ہی مدعو کیا جائے تو پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق اس میں شرکت نہیں کرنا چاہئے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے مادی برتری کے تمام معیاروں کو ختم کر دیا ہے اور اسے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ صرف مال و دولت کی بنا پر کسی کو فضیلت دی جائے اور غربت کی بنا پر بعض لوگوں کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اسلام کی نظر میں فضیلت اور برتری کا صرف ایک ہی معیار ہے اور وہ تقویٰ۔

لہٰذا اگر کسی بھی انداز احترام سے مال و دولت یا قومیت کی بو آتی ہو تو وہ اسلام کی نگاہ میں لائق مذمت ہے یہی وجہ ہے کہ جس دسترخوان پر صرف اہل دولت مدعو ہوں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور یہی سبب تھا کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی کہ بصرہ میں آپ کے گورنر جناب عثمان بن حنیف نے ایک ایسی ہی دعوت میں شرکت کی ہے تو آپ نے ان کی باقاعدہ تنبیہہ فرمائی جیسا کہ نہج البلاغہ میں ان کے نام آپ کا یہ خط موجود ہے:

يَا ابْنَ حُنَيْفٍ فَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ رَجُلًا مِنْ فِتْيَةِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ دَعَاكَ إِلَى مَأْدُبَةٍ فَأَسْرَعْتَ إِلَيْهَا

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۹، حدیث ۷

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۹، حدیث ۱۱

تُستَطابُ لَكَ الْأَلْوانُ وَ تُنْقَلُ إِلَيكَ الْجِفانُ وَ ما ظَنَنْتُ أَنَّكَ تُجيبُ إِلى طَعامِ قَومٍ عائِلُهُمْ مَجْفُوٌّ وَ غَنِيُّهُمْ مَدْعُو [1]

اے ابن حنیف مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بصرہ کے ایک جوان نے تمہاری دعوت کی تو تم فوراً پہنچ گئے اور تمہارے سامنے یکے بعد دیگرے رنگ برنگے کھانے اور طرح طرح کے خوان پیش کئے جا رہے تھے مجھے یہ امید نہ تھی کہ تم ایسی دعوت کو قبول کروگے جہاں غریبوں کو نظر انداز کر کے صرف مالداروں کو دعوت دی گئی ہے۔

لہٰذا جب تک اسلامی احکام کے خلاف کوئی بات نہ ہو مومن کی دعوت کو رد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ مومن کا حق بھی ہے اور خدا اور رسول کے حکم کی اطاعت بھی ہے۔

۲۔تعزیت

ایک دوسرے کی گردن پر مومن کا ایک اور حق یہ ہے کہ جب کوئی مومن دنیا سے گزر جائے تو اس کی تشییع جنازہ، تکفین، تدفین اور ایصال ثواب کے پروگراموں میں شرکت کریں، اس بارے میں معصومین نے خاص تاکید کی ہے بلکہ مسلمان کے غسل وکفن نماز جنازہ اور تدفین کو تو اسلام نے واجب کفائی قرار دیا ہے اس بات کی مزید اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے مندرجہ ذیل روایات کو بخوبی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ شَيَّعَ جَنازَةَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ أُعْطِيَ يَوْمَ الْقِيامَةِ أَرْبَعَ شَفاعاتٍ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئاً إِلَّا قالَ الْمَلَكُ وَلَكَ مِثْلُ ذٰلِكَ [2]

جو شخص کسی مسلمان کی تشییع جنازہ میں شرکت کرے گا اسے روز قیامت چار شفاعتیں نصیب ہوں گی اور وہ مردے کے حق میں جو بھی دعا کرے گا فرشتہ اس سے کہے گا کہ تمہیں بھی اسی کے برابر حق دیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ شَيَّعَ جَنازَةَ مُؤْمِنٍ حَتّٰى يُدْفَنَ فِي قَبْرِهِ وَكَّلَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِهِ سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ مِنَ الْمُشَيِّعِينَ يُشَيِّعُونَهُ وَ يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ إِذا خَرَجَ مِنْ قَبْرِهِ. [3]

[1] بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۶۸۶

[2] بحار الانوار: ج ۸۰، باب ۷، حدیث ۲

[3] بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۷، حدیث ۱

جو شخص کسی مرد مومن کی تشییع جنازہ میں دفن تک ساتھ رہے اور خود اس کی قبر میں بھی داخل ہو تو خداوند عالم اس کے پیچھے چلنے کے لئے ستر ہزار فرشتے معین کر دیتا ہے اور جب وہ قبر سے باہر نکلتا ہے تو وہ سب اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

آپ کا ہی یہ ارشاد بھی ہے:

مَنْ شَيَّعَ جَنَازَةَ مُؤْمِنٍ حُطَّ عَنْهُ خَمْسٌ وَ عِشْرُونَ كَبِيرَةً. [۱]

مومن کی تشییع جنازہ کرنے والے کے پچیس گناہ کبیرہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اس طرح آپ نے جناب خیثمہ سے خطاب کر کے یہ فرمایا:

يَا خَيْثَمَةُ، اقْرَأْ مَوَالِيَنَا السَّلَامَ، وَ أَوْصِهِمْ بِتَقْوَى اللهِ الْعَظِيمِ، وَ أَنْ يَعُودَ غَنِيُّهُمْ عَلَى فَقِيرِهِمْ، وَ قَوِيُّهُمْ عَلَى ضَعِيفِهِمْ، وَ أَنْ يَشْهَدَ أَحْيَاؤُهُمْ جَنَائِزَ مَوْتَاهُمْ [۲]

اے خیثمہ! ہمارے چاہنے والوں کو ہمارا اسلام کہنا اور انہیں رب ذو الجلال کے تقویٰ اور خوف کی وصیت کرنا، اغنیاء کو فقراء اور طاقتوروں کو کمزوروں کی مدد کرنے کی وصیت کرنا اور یہ بھی (کہنا) کہ وہ اپنے مردوں کی تشییع جنازہ میں ضرور شرکت کیا کریں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

أَيُّمَا مُؤْمِنٍ غَسَّلَ مُؤْمِناً فَقَالَ إِذَا قَلَّبَهُ- اللهُمَّ إِنَّ هَذَا بَدَنُ عَبْدِكَ الْمُؤْمِنِ قَدْ أَخْرَجْتَ رُوحَهُ مِنْهُ وَ فَرَّقْتَ بَيْنَهُمَا فَعَفْوَكَ عَفْوَكَ غَفَرَ اللهُ لَهُ ذُنُوبَ سَنَةٍ إِلَّا الْكَبَائِرَ. [۳]

جب کوئی شخص کسی مومن کی میت کو غسل دے اور اس کو کروٹ دیتے وقت یہ کہے! بار الٰہا یہ تیرے مومن بندے کا بدن ہے تو نے اس کی روح نکال لی ہے اور ان دونوں میں جدائی ڈال دی ہے لہٰذا اسے بخش دے اسے معاف فرما دے تو خداوند عالم گناہ کبیرہ کے علاوہ اس کے ایک سال کے تمام گناہ بخش دے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

مَنْ غَسَّلَ مَيِّتاً مُؤْمِناً فَأَدَّى الْأَمَانَةَ غُفِرَ لَهُ قِيلَ وَ كَيْفَ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ قَالَ لَا يُخْبِرُ بِمَا يَرَى [۴]

---

[۱] بحار الانوار: ج ۸۱ باب ۷، حدیث ۶

[۲] قرب الاسناد (ط-الحدیث ※)، متن، ص: ۳۲

[۳] بحار الانوار: ج ۸۰، باب ۹، حدیث ۵

[۴] بحار الانوار: ج ۸۰، باب ۸، حدیث ۶

جو شخص کسی مرد مومن کو غسل دے اور امانت داری سے کام لے تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، سوال کیا گیا کہ یہاں امانت داری سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ جو کچھ دیکھا ہے اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔

امام حسن علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ نقل کیا ہے کہ

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُصَلِّي الْجَنَائِزَ إِلَّا أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مُنَافِقاً أَوْ عَاقّاً.[۱]

کوئی مرد مومن ایسا نہیں ہے کہ جو کسی کی نماز جنازہ پڑھے مگر یہ کہ خداوند کریم اس کے لئے جنت کو واجب کر دیتا ہے مگر یہ کہ وہ منافق یا عاق شدہ ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اجداد کرام کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ نقل کیا ہے:

مَنْ صَلَّى عَلَى مَيِّتٍ صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ وَ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَإِنْ أَقَامَ حَتَّى يُدْفَنَ وَ يُحْثَى عَلَيْهِ التُّرَابُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ قَدَمٍ نَقَلَهَا قِيرَاطٌ مِنَ الْأَجْرِ وَ الْقِيرَاطُ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ.[۲]

جو شخص کسی میت کی نماز جنازہ پڑھے گا تو اس کے اوپر ستر ہزار فرشتے نماز پڑھیں گے اور خداوند عالم اس کے گزشتہ اور آئندہ تمام گناہ بخش دے گا اور اگر وہ اس کی تدفین اور قبر پر مٹی ڈالے جانے تک وہیں کھڑا رہے تو اس کے لئے ہر قدم کے بدلے ایک قیراط ثواب ہے اور وہ قیراط کوہ احد کے برابر ہے۔

مذکورہ احادیث سے جنازہ کی تشییع، غسل و کفن اور دفن میں شرکت کا ثواب بخوبی واضح ہو جاتا ہے نیز اس ثواب کی کثرت اور عظمت سے اس عمل کی عظمت کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مردوں کے بارے میں ہی مومنین کے اوپر ایک اور حق یہ ہے کہ ان کے سوگ میں شرکت کریں اور ان کے ورثاء اور پسماندگان کی دلجوئی کریں اور انہیں تعزیت پیش کریں اور مردے کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور ان کی قبروں کی زیارت کی جائے اس بارے میں بھی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَزَّى مُصَاباً فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ.[۳]

کسی مصیبت زدہ کی دلجوئی کرنے اور اس تعزیت پیش کرنے والے کو بھی اسی کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

---

[۱] بحار الانوار: ج۷۸، ۳۴۷
[۲] بحار الانوار: ج۷۶، باب۶، حدیث۱
[۳] بحار الانوار: ج۸۲، باب۱۶، حدیث۴۹

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے:

مَنْ عَزَّى أَخَاهُ الْمُؤْمِنَ مِنْ مُصِيبَتِهِ كَسَاهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. [۱]

جو شخص کسی مرد مومن کی مصیبت میں اس کو تعزیت پیش کر کے اس کی دلجوئی کرے گا تو خداوند عالم قیامت کے دن کرامت و بزرگواری کا لباس اس کے زیب تن کرے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

مَنْ عَزَّى الثَّكْلَى أَظَلَّهُ اللهُ فِي ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ. [۲]

جو شخص کسی غمزدہ کو تعزیت پیش کرے گا خداوند عالم اسے اس دن اپنے عرش کے زیر سایہ جگہ عنایت فرمائے گا جس دن اس کے سایہ رحمت کے علاوہ کوئی سایہ موجود نہ ہوگا۔

آپ کا ہی یہ ارشاد ہے:

زُورُوا مَوْتَاكُمْ، فَإِنَّهُمْ يَفْرَحُونَ بِزِيَارَتِكُمْ، وَ لْيَطْلُبْ أَحَدُكُمْ حَاجَتَهُ عِنْدَ قَبْرِ أَبِيهِ وَ عِنْدَ قَبْرِ أُمِّهِ بِمَا يَدْعُو لَهُمَا. [۳]

اپنے مرحومین کی قبروں کی زیارت کے لئے جاتے رہا کرو کیونکہ وہ تمہاری زیارت سے خوش ہوتے ہیں اور اگر کسی شخص کو کچھ حاجت ہو تو اپنے باپ یا ماں کی قبر کے پاس جا کر پہلے ان کیلئے دعائے خیر کرے پھر اپنی حاجت طلب کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے آپ کے کسی چاہنے والے نہ یہ سوال کیا کہ: جو مرد مومن اپنے والدین یا جان پہچان والے یا کسی انجان شخص کی قبر پر جاتا ہے تو اس سے اس (میت) کو بھی کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟

تو آپ نے یہ فرمایا:

نَعَمْ إِنَّ ذَلِكَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ كَمَا يَدْخُلُ عَلَى أَحَدِكُمُ الْهَدِيَّةُ يَفْرَحُ بِهَا [۴]

ہاں کیوں نہیں، یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح تم کوئی ہدیہ یا تحفہ پا کر خوش ہوتے ہو وہ بھی اس سے اسی طرح خوش ہوتا ہے۔

---

[۱] بحار الانوار: ج ۸۲، باب ۱۶، حدیث ۴۹

[۲] بحار الانوار: ج ۸۲، باب ۲۶، حدیث ۱۵۷

[۳] بحار الانوار: ج ۱۰، باب ۷، حدیث ۱

[۴] بحار الانوار: ج ۴۹، ص ۶۴

خلاصہ

سماجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر زندگی گزارنے کے لئے مومنین کے اوپر ایک حق اور ہے وہ یہ کہ!!
ایک دوسرے کی خوشی یا غم میں شریک ہوں،
اگر کوئی دنیا سے چلا جائے تو اس کے جنازہ کی تشییع، تکفین، تدفین، فاتحہ خوانی اور مجالس ترحیم وغیرہ میں شرکت کریں اور اس کے پسماندگان کو تعزیت پیش کر کے ان کی دل جوئی کریں۔

سوالات

۱۔ مومن کی دعوت رد کرنے کے اوپر ظلم و جفا کیوں قرار دیا گیا ہے؟
۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں کس شخص کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے؟
۳۔ دنیا سے چلے جانے والے مومنین کے بارے میں ہمارے فرائض کیا ہیں؟
۴۔ کسی غمزدہ کے ساتھ ہم کو کیا کرنا چاہئے؟
۵۔ کیا کسی مومن کو اس کے مرنے کے بعد بھی خوش کیا جا سکتا ہے؟ کس طرح؟

باب۔ ۱۹

ملاقات اور مہمان نوازی

ایک دوسرے سے ملاقات کرنا بھی اسلام کے معاشرتی اصولوں میں شامل ہے کیوں کہ اسلامی اخلاقیات کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ مومنین مسلسل ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جاتے رہیں اور ان کی خبر گیری (مزاج پرسی) کرتے رہیں جس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ دو دوستوں کی ملاقات میں جتنا زیادہ فاصلہ ہوتا جائے گا اور انہیں ایک دوسرے سے الگ رہنے کی عادت ہوجائے گی تو کچھ مدت بعد وہ ایک دوسرے کو بھی بھول جائیں گے۔لہٰذا جو مومنین ایک دوسرے کے نزدیک رہتے ہیں وہ مسلسل اپنے بھائیوں سے ملاقات کرتے رہیں اور اگر دور ہوں تو پھر خط،ٹیلیفون یا دوسرے ذرائع سے ایک دوسرے سے باخبر رہیں اور اس طریقہ سے آپس میں اظہار محبت کرتے رہیں۔

اسلام نے مومنین کو آپس میں بھائی چارہ،دوستی اور پیار و محبت ایک دوسرے کے ساتھ گہرے سے گہرے تعلقات رکھنے کا حکم دیا ہے اور چونکہ ملاقات،دوستی یا تعلقات کو استوار رکھنے کا سب سے اہم رکن ہے اور اس سے تعلقات مزید مستحکم ہوتے ہیں لہٰذا اسلام نے اس پر بھی خصوصی توجہ دی ہے اور مومنین کو اس کی طرف ترغیب دلائی ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں تو مومنین سے ملاقات کرنے کو خدا کی ملاقات قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ زَارَ أَخَاهُ الْمُؤْمِنَ إِلَى مَنْزِلِهِ لَا لِحَاجَةٍ مِنْهُ إِلَيْهِ كُتِبَ مِنْ زُوَّارِ اللهِ وَ كَانَ حَقِيقاً عَلَى اللهِ أَنْ يُكْرِمَ زَائِرَهُ.[1]

[1] بحارالانوار:ج۷۵،باب۸۱،حدیث۷۷

جوشخص اپنے مومن بھائی کے گھر جا کر اس سے ملاقات کرے اور اسے اس سے کوئی کام بھی نہ ہو تو اسے زائرین خدا میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ خدا پر حق ہے کہ وہ اپنے زائرین کا احترام کرے۔

دوسرے مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

مَنْ زَارَ أَخَاهُ فِي بَيْتِهِ قَالَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ أَنْتَ ضَيْفِي وَ زَائِرِي عَلَيَّ قِرَاكَ وَ قَدْ أَوْجَبْتُ لَكَ الْجَنَّةَ بِحُبِّكَ إِيَّاه.[١]

جوشخص اپنے مومن بھائی کے گھر میں جا کر اس سے ملاقات کرے تو خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: تم میرے مہمان اور زائر ہو تمہاری مہمان نوازی میرے ذمہ ہے اور تمہیں اپنے بھائی سے جو محبت ہے اس کی بناء پر میں نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ:

مَنْ زَارَ أَخَاهُ فِي اللهِ قَالَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِيَّايَ زُرْتَ وَ ثَوَابُكَ عَلَيَّ وَ لَسْتُ أَرْضَى لَكَ ثَوَاباً دُونَ الْجَنَّةِ.[٢]

جوشخص خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے کسی مومن سے ملاقات کرے تو پروردگار عالم فرماتا ہے تو نے میری زیارت کی ہے اور تیرا ثواب میرے ذمہ ہے اور میں تیرے لئے جنت سے کمتر ثواب پر راضی نہیں ہوں گا۔

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

حَدَّثَنِي جَبْرَئِيلُ علیہ السلام أَنَّ اللهَ أَهْبَطَ إِلَى الْأَرْضِ مَلَكاً وَ أَقْبَلَ ذَلِكَ الْمَلَكُ يَمْشِي حَتَّى وَقَعَ إِلَى بَابِ دَارِ رَجُلٍ وَ إِذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّ الدَّارِ فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ مَا حَاجَتُكَ إِلَى رَبِّ الدَّارِ قَالَ أَخٌ لِي مُسْلِمٌ زُرْتُهُ فِي اللهِ قَالَ لَهُ مَا جَاءَ بِكَ إِلَّا ذَلِكَ قَالَ مَا جَاءَ بِي إِلَّا ذَلِكَ قَالَ فَإِنِّي رَسُولُ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَيْكَ وَ هُوَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَ يَقُولُ أَوْجَبْتُ لَكَ الْجَنَّةَ قَالَ وَ قَالَ الْمَلَكُ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ يَقُولُ أَيُّمَا مُسْلِمٍ زَارَ مُسْلِماً لَيْسَ إِيَّاهُ يَزُورُ وَ إِنَّمَا إِيَّايَ يَزُورُ وَ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ.[٣]

آپ نے فرمایا ہے کہ: مجھ سے جبرئیل نے بیان کیا ہے کہ پروردگار عالم ایک فرشتہ زمین پر بھیجتا ہے اور وہ چلتے چلتے اس دروازے پر پہنچ جاتا ہے جہاں کوئی شخص کسی صاحب خانہ سے اس کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت لے رہا ہے۔

---

[١] بحارالانوار: ج۷۵، باب۸۱، حدیث ۶۲

[٢] بحارالانوار: ج۷۵، باب۸۱، حدیث ۴

[٣] بحارالانوار: ج۵۹، باب ۲۳، حدیث ۳۹

وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ اس صاحب خانہ سے تمہیں کیا کام ہے وہ جواب دیتا ہے کہ یہ میرا مسلمان بھائی ہے میں خدا کی خاطر اس سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ اس کے علاوہ تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ نہیں اور کوئی کام نہیں ہے تو فرشتہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تمہارے پاس خداوند عالم نے بھیجا ہے اور اس نے تمہیں سلام کہا ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارے لئے مجھ پر جنت واجب ہے پھر فرشتہ کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو گویا اس نے اس سے ملاقات نہیں کی بلکہ مجھ سے ملاقات کی ہے اور اس کا ثواب میرے ذمہ یہ ہے کہ اسے جنت عطا کروں۔

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ معصومین علیہم السلام نے ملاقات کرنے کے کتنے فضائل بیان کئے ہیں اور ان کو خداوند عالم کی زیارت اور اس سے ملاقات قرار دیا ہے۔ البتہ مذکورہ حدیثوں میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ ملاقات صرف اور صرف خدا کی خوشنودی کے لئے ہو اور اس سے ملاقات کرنے کی خاطر ہی ہو لہٰذا جو لوگ ضرورت کے وقت اور کوئی کام پڑنے پر کسی سے ملاقات کرنے جاتے ہیں تو اس کو واقعی ملاقات نہیں کہا جا سکتا اور ایسی ملاقاتوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ دوستی اور محبت کے حق کی ادائیگی کے بجائے ایک طرح کی خود خواہی ہے۔

روایات میں مومنین کی ملاقات کے بے شمار فوائد اور آثار بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومنین ایک دوسرے سے جو ملاقات کرتے ہیں اس کے ذریعہ ان کے دل زندہ ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

تَزَاوَرُوا، فَإِنَّ فِي زِيَارَتِكُمْ إِحْيَاءً لِقُلُوبِكُمْ، وَ ذِكْراً لِأَحَادِيثِنَا، وَ أَحَادِيثُنَا تُعَطِّفُ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ، فَإِنْ أَخَذْتُمْ بِهَا رَشَدْتُمْ وَ نَجَوْتُمْ، وَ إِنْ تَرَكْتُمُوهَا ضَلَلْتُمْ وَ هَلَكْتُمْ، فَخُذُوا بِهَا، وَ أَنَا بِنَجَاتِكُمْ زَعِيمٌ. [1]

ایک دوسرے سے ملتے رہو کیونکہ اس سے تمہارے دل زندہ ہوتے ہیں اور ہماری حدیثوں کا ذکر ہوتا ہے جو تم کو ایک دوسرے سے نزدیک کرتی ہیں اگر تم ان پر عمل کروگے تو کامیابی اور نجات تمہارے لئے یقینی ہے اور اگر تم نے انہیں ترک کر دیا تو پھر گمراہ اور ہلاک ہو جاؤ گے لہٰذا ان احادیث پر اچھی طرح عمل کرو میں تمہاری نجات کا ذمہ دار ہوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

تَزَاوَرُوا فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ ذَلِكَ حَيَاةٌ لِأَمْرِنَا رَحِمَ اللهُ عَبْداً أَحْيَا أَمْرَنَا. [2]

اپنے گھروں میں ایک دوسرے سے ملاقات کرو کیونکہ اس سے ہمارے مشن کو زندگی ملتی ہے پروردگار عالم اس بندہ

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۱۵، حدیث ۵۶

[2] بحارالانوار: ج ۲، باب ۱۹، حدیث ۶

پر رحمت نازل کرے جو ہمارے مشن کو زندہ کرتا ہے۔

ان روایات میں ایک اور نکتہ یہ پایا جاتا ہے کہ ہمارے ائمہ علیہم السلام ہم سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب ہم کسی سے ملاقات کرنے جائیں تو ان کی احادیث بیان کریں تا کہ اس کے ذریعہ اہلبیت علیہم السلام کا دین اور ان کی سیرت زندہ رہے اور خود ہمارے دل بھی ان کے ذریعہ روشن و منور ہوتے رہیں۔

اسی طرح ملاقات کرنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ان کی آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلزِّيَارَةُ يُنْبِتُ الْمَوَدَّةَ.[۱]

ملاقات کرنے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

لِقَاءُ الْإِخْوَانِ مَغْنَمٌ جَسِيمٌ وَإِنْ قَلُّوا[۲]

دوستوں سے ملاقات کرنا بے حد مفید ہے چاہے ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔

ضیافت (مہمان نوازی)

جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی عزیز یا کوئی دوسرا شخص ہم سے ملنے کے لئے آرہا ہے تو پھر ہم اس کی ضیافت اور آؤ بھگت بھی کرتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی مناسب جگہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی احوال پرسی کریں اور چونکہ مہمان نوازی ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اس سے دلوں میں الفت و محبت کے رشتے مزید قوی ہوتے ہیں اسی لئے معصومین علیہم السلام نے ہمارے اندر اس کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اس کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بارے میں فرمایا ہے:

كُلُّ بَيْتٍ لَا يَدْخُلُ فِيهِ الضَّيْفُ لَا يَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ.[۳]

جس گھر میں مہمان نہیں آتا اس میں ملائکہ بھی نہیں داخل ہوتے ہیں۔

یا آپؐ نے فرمایا ہے:

---

[۱] بحار الانوار: ج۲۱، حدیث ۲۶

[۲] بحار الانوار: ج۷۴، باب ۲۱، حدیث ۱۶

[۳] بحار الانوار: ج۷۵، باب ۹۳، حدیث ۱۴

لا خير فيمن لا يضيف.[۱]

جومہمان نوازی نہیں کرتا ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

آپ نے مہمان سے ناراض ہونے کو خدا سے ناراضگی قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

لا تكلفوا للضيف فتبغضوه فان من أبغض الضيف فقد أبغض الله ومن أبغض الله فقد أبغضه الله.[۲]

مہمان کے لئے تکلفات کر کے اپنے کو زحمت میں نہ ڈالو ورنہ تم اس سے نفرت کرنے لگو گے اور جو مہمان سے ناراض ہوتا ہے وہ گویا خدا سے ناراض ہے اور جو خدا سے ناراض ہوتا ہے تو خدا اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

الضَّيْفُ يَنْزِلُ بِرِزْقِهِ وَيَرْتَحِلُ بِذُنُوبِ أَهْلِ الْبَيْتِ.[۳]

مہمان اپنا رزق ہمراہ لے کر آتا ہے اور اہل خانہ کے گناہ ساتھ لے کر جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

من اتاه الله مالا فليصل به القرابة و اليحسن منه الضيافة.[۴]

جسے خداوند عالم نے مال و دولت سے نوازا ہے وہ اس کے ذریعہ صلہ رحم کرے یا اچھی طرح مہمان نوازی کرے۔

ضیافت کے آداب

اسلام نے مہمان نوازی کے بھی کچھ آداب اور اصول معین فرمائے ہیں جن میں سے کچھ آداب میزبان سے متعلق اور کچھ مہمان کے لئے ہیں جن میں سے بعض اہم چیزوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱۔ مہمان داری کا سب سے اہم معیار تقویٰ ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ صرف دینداروں کی دعوت کرے اور انہیں کے یہاں دعوت میں شرکت کرے اور بے دین اور فاسق و فاجر کی نہ تو دعوت کرے اور نہ ہی ان کی دعوتوں میں شریک ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا:

---

[۱] ن ※ ج الفصاح ※ (مجموع ※ لمات قصار حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص: ۶۷۶۔ ح ۲۴۹۵

[۲] ن ※ ج الفصاح ※ (مجموع ※ لمات قصار حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص: ۶۷۴۔ ح ۲۴۸۴

[۳] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۹۳، حدیث ۱۴

[۴] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۳۰، حدیث ۱۴

الاتاکل الاطعام تقی ولا یاکل طعامك الاتقی.[۱]

صرف متقی کے یہاں کھانا کھاؤ اور تمہارے یہاں بھی متقی کے علاوہ کوئی اور نہ کھائے۔

یا یہ فرمایا ہے کہ:

لاتاکل طعام الفاسقین.

فاسقوں کا کھانا نہ کھاؤ۔

اسی طرح فرمایا ہے:

أضف بطعامك وشرابك من تحبه فی الله[۲]

اپنے کھانے پانی سے اس کی ضیافت کرو جس سے تم خدا کے لئے محبت کرتے ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اپنی دعوت میں غریبوں اور مالداروں کے درمیان کوئی فرق نہ رکھے اور صرف مومنین اور صاحبان تقویٰ کی دعوت کرے چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں اور اسی طرح دوسرے کی دعوت قبول کرتے وقت بھی اس کے ایمان اور تقویٰ پر نظر کرے نہ کہ مال ودولت پر۔ جیسا کہ نقل ہوا ہے کہ ایک دن امام حسن علیہ السلام ایک راستہ سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ کچھ فقیر ایک ٹیلے پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے ہیں جب انہوں نے امامؑ کو دیکھا تو عرض کی: اے فرزند پیغمبرؐ! کیا آپ ہمارے ساتھ کھانا پسند کریں گے؟

حضرت نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِينَ[۳]

کیوں نہیں، خداوند عالم تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے اس کے بعد آپ گھوڑے سے اترے اور ان کے پاس بیٹھ گئے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور ان سے رخصت ہو کر چلے گئے۔

اسی طرح مسافت کی دوری کی بنا پر کسی کی دعوت سے جان نہیں چرانا چاہئے جیسا کہ گزشتہ سبق میں ہم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی تھی کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اگر برادر مومن کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے پانچ میل جانا پڑے تب بھی اس کی دعوت میں شرکت کرو۔[۴]

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۴، حدیث ۸۶
[۲] بحارالانوار: ج ۷۷، باب ۴، حدیث ۲
[۳] اعیان الشیعہ: ج ۴، ص ۲۴
[۴] بحارالانوار: ج ۷۲، ص ۴۴۷

۳۔مہمان جب میزبان کی بزم میں داخل ہوتو جہاں خالی جگہ دکھائی دے وہیں بیٹھ جائے اورصدر مجلس یا کسی اور اچھی جگہ بیٹھنے کی خواہش نہ کرے اور دوسروں کو اپنے لئے جگہ بنانے کی رحمت نہ دے اسی طرح میزبان جہاں بیٹھنے کے لئے کہے وہیں بیٹھ جائے۔

۴۔میزبان اپنے مہمان سے کام نہ لے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک مہمان ایک بار کوئی کام کرنے کے لئے اٹھے تو آپ نے ان کو منع کر کے وہ کام خود انجام دیا اور فرمایا:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ أَنْ يُسْتَخْدَمَ الضَّيْفُ.[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہمان سے کام لینے کے لئے منع کیا ہے۔

۵۔مہمان کی وجہ سے میزبان اپنے گھر والوں اور خود اپنے کو زحمت میں نہ ڈالے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث اس بارے میں گزر چکی ہے کہ جس میں آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے گھر حضرت علی علیہ السلام کی دعوت کی تو آپ نے فرمایا: اگر تین باتوں کا وعدہ کرو گے تو میں تمہاری دعوت قبول کروں گا۔

اس نے پوچھا: وہ تین چیزیں کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا:

لَا تُدْخِلْ عَلَيَّ شَيْئاً مِنْ خَارِجٍ وَلَا تَدَّخِرْ عَنِّي شَيْئاً فِي الْبَيْتِ وَلَا تُجْحِفْ بِالْعِيَالِ.[2]

میرے لئے گھر کے باہر سے کوئی چیز نہ لانا اور نہ ہی گھر کی کوئی چیز میرے لئے خاص طور سے بچا کر رکھنا اور نہ اپنے گھر والوں کو زحمت میں ڈالنا۔

اس نے کہا مجھے قبول ہے: تو آپ نے اس کی دعوت قبول کر لی۔

اصولی طور پر مہنگی اور خستہ کن دعوتیں دوستی اور محبت کے اصولوں کے برخلاف ہیں کیونکہ ہر ایک کی مالی حیثیت برابر نہیں ہوتی ہے لہٰذا کم در آمد والے مومنین یا تو شرمندہ ہوں اور ایسی دعوتوں میں شرکت نہ کریں اور یا پھر مقابلہ اور رقابت کی نیت سے مجبوراً اپنا سرمایہ خرچ کر دیں جس سے آپس کی محبت میں اضافہ کی بجائے فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ دعوتیں دوستی کے بجائے مقابلہ کے میدان میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

۶۔دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد میزبان سب سے پہلے کھانا شروع کرے اور سب سے آخر تک کھاتا رہے امام جعفر

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۴۱، حدیث ۴۹

[2] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۹۱، حدیث ۴

صادق نے فرمایا ہے کہ:

کان رسول اللہﷺ اذا أکل مع القوم أول من یضع یدہ مع القوم و آخر من یرفعها لأن یأکل القوم.[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے تو سب سے پہلے خود کھانا شروع کرتے تھے اور سب سے آخر میں ہاتھ کھینچتے تھے تا کہ دوسرے با آسانی اچھی طرح کھانا کھا سکیں اور تکلف نہ کریں۔

۷۔میزبان کو چاہیئے کہ جب مہمان اس کے گھر سے باہر نکلنے لگیں تو گھر کے دروازے تک انہیں رخصت کرنے جائے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان من سنة الضیف ان یشیع الی باب الدار.

مہمان نوازی کی سنت یہ ہے کہ گھر کے دروازہ تک مہمان کو رخصت کیا جائے۔

اسی طرح مہمان بھی میزبان کی اجازت کے بعد ہی گھر سے نکلے اور رخصت ہوتے وقت خندہ پیشانی کے ساتھ مسکرا کر نیز خوشی کا اظہار اور شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو۔

[1] بحار الانوار: ج۷۵، باب۹۱، حدیث ۲۲

خلاصہ

ایک دوسرے سے ملاقات کرنے سے مومنین کی آپسی محبت اور تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے اسی لئے روایات میں اسی کی خاصی تاکید کی گئی ہے اور معصومین علیہم السلام نے اس کی ترغیب دلائی ہے۔

یہی فائدہ مومنین کی ضیافت اور مہمان نوازی میں بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مہمان نوازی کا ایک اسلامی اصول یہ ہے کہ صرف نیک اور صالح افراد کی دعوت کی جائے نہ کہ فاسق وفاجر اور برے لوگوں کی دعوت کرے۔

فقیر وامیر کے درمیان کوئی فرق نہ رکھا جائے کیونکہ اسلام میں فضیلت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

میزبان اپنے مہمان سے کام نہ لے اور مہمان کی وجہ سے اپنے کو اور اپنے اہل خانہ کو زحمت میں نہ ڈالے

جب مہمان رخصت ہونے لگے تو دروازے تک اسے رخصت کرنے جائے۔

میزبان دسترخوان پر سب سے پہلے کھانا شروع کرے اور سب سے آخر تک کھاتا رہے۔

سوالات

۱۔روایات میں مومنین کی ملاقات کو کیسا کہا گیا ہے؟

۲۔کیا اپنے کسی کام کے لئے کسی مومن سے ملاقات کرنے کی کوئی قدر و قیمت ہے؟

۳۔مومنین کی ایک دوسرے سے ملاقات کے بعض فوائد اور اس کی اہمیت بیان کیجئے؟

۴۔مہمان نوازی کے بارے میں معصومین نے کیا فرمایا ہے؟

۵۔مختصر طور پر ضیافت کے آداب بیان کیجئے؟

باب۔۲۰

سلام

ہر قوم اور معاشرہ میں کسی سے ملاقات کرتے وقت اس سے اپنے جذبات اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے کچھ مخصوص طریقے اور الفاظ ایجاد کئے گئے ہیں۔ خاص طریقے اپنائے جاتے ہیں اور مخصوص الفاظ پائے جاتے ہیں۔

آداب ورسوم اسلامی اخلاقیات اور رسم ورواج میں بھی اس کام کے لئے ایک دوسرے کو سلام کرنے، مصافحہ کرنے اور معانقہ یعنی ایک دوسرے سے گلے ملنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

السلام تحية لملتنا وأمان لذمتنا.[۱]

سلام ہماری ملت کا تحفہ اور ہماری طرف سے امان کی ضمانت ہے۔

ا۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کو سلام کا اسلامی طریقہ سکھایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلامی سلام صرف سلام علیکم ہی ہے جیسا کہ سورہ نور میں ارشاد ہے:

فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ [۲]

جب تم گھروں میں داخل ہو تو کم از کم اپنے ہی اوپر سلام کرلو کہ یہ پروردگار کی طرف سے نہایت ہی مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے اور پروردگار اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ شاید تم عقل سے کام لے سکو۔

---

[۱] بحار الانوار، ج۷۶، باب۹۷، حدیث ۴۶

[۲] سورہ نور: آیت ۶۱

۲۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا [1]

اور اللہ کے بندے وہی ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو سلامتی کا پیغام دے دیتے ہیں (کہتے ہیں کہ ہمارا سلام ہو)۔

۳۔ جب جناب ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی عبادت سے انکار کر دیا اور آپ کے چچا نے اس بات پر آپ کی مذمت کی اور آپ کو بتوں کی عبادت کرنے کی تاکید کی اور یہ دھمکی دی کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تم کو سنگسار کر دیا جائے گا تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے نہایت ہی نرمی سے اس کا یہ جواب دیا (آپ پر سلام ہو)

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا [2]

ابراہیم نے کہا کہ خدا آپ کو سلامت رکھے (آپ پر سلام ہو) میں عنقریب اپنے رب سے آپ کے لئے مغفرت طلب کروں گا کہ وہ میرے حال پر بہت مہربان ہے۔

اسی روایت کے مطابق یہ بھی ہے کہ جب خدا کے فرشتے جناب ابراہیم علیہ السلام کے یہاں مہمان بن کر آئے تو انہوں نے سلام کیا اور آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔

وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ [3]

اور ابراہیم کے پاس ہمارے نمائندے بشارت لے کر آئے اور سلام کیا تو ابراہیم نے بھی سلام کیا۔

۴۔ متعدد آیات میں خداوند عالم نے اپنے صالح اور نیک بندوں کے تذکرہ کر کے ان پر سلام و درود بھی بھیجا ہے۔ جیسے:

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ، سَلٰمٌ عَلٰٓي اِلْ يَاسِيْنَ. [4]

ساری خدائی میں نوح پر ہمارا سلام، سلام ہو ابراہیم پر، سلام ہو موسیٰؑ اور ہارون پر، سلام ہو آل یاسین پر۔

۵۔ اسی طرح متعدد آیات میں پروردگار عالم نے سلام کو اہل جنت کا شیوہ بتایا ہے جیسا کہ سورہ رعد آیت ۲۳ اور ۲۴ میں ارشاد ہے:

---

[1] سورہ فرقان: آیت ۶۳
[2] سورہ مریم: آیت ۴۷
[3] سورہ ہود: آیت ۶۸
[4] سورہ صافات: آیت ۷۹/۱۰۹/۱۲۰

الْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ. سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ

اور ملائکہ ان کے پاس ہر دروازے سے حاضری دیں گے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا ہے اور اب آخرت کا گھر تمہاری بہترین منزل ہے۔

یا سورہ نحل میں ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.[۱]

یہ وہ لوگ ہیں جن کی روحیں فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (نجاستِ کفر سے) پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں تو فرشتے ان سے (نہایت تپاک سے) کہتے ہیں سلام علیکم جو (نیکیاں دنیا میں) تم کرتے تھے اس کے صلہ میں جنت میں (بے تکلف) چلے جاؤ۔

دوسرے مقامات پر قرآن کریم یہ بیان کرتا ہے کہ اہل جنت ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔

تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ.[۲]

اور ان کا تحفہ سلام ہوگا۔

ان کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات ہیں جن میں سلام کا تذکرہ ہے اور خاص طور سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین کی روایات میں سلام کی تاکید کی گئی ہے اور بے شمار فضیلت و ثواب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند روایات ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفاً يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَ بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا يَسْكُنُهَا مِنْ أُمَّتِي مَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَ أَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ أَفْشَى السَّلَامَ وَ صَلَّى بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ.[۳]

یعنی جنت میں کچھ ایسے کمرے ہوں گے جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور باہری حصہ اندر سے باقاعدہ دکھائی دے گا اور ان کے اندر میری امت کے وہ افراد رہیں گے جو خوش سخن، لوگوں کو کھانا کھلانے والے، بلند آواز سے سلام کرنے والے اور رات کو نماز شب پڑھنے والے ہوں گے۔

---

[۱] سورہ صافات: آیت ۱۳۰
[۲] سورہ یونس: آیت ۱۰/ سورہ ابراہیم: آیت ۲۳
[۳] بحار الانوار: ج ۸، باب ۳۲، حدیث ۵

۲۔امام جعفر صادق علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد عبدالمطلب کو مخاطب کر کے فرمایا:

يَابَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَفْشُوا السَّلَامَ وَ صِلُوا الْأَرْحَامَ وَ تَهَجَّدُوا وَ النَّاسُ نِيَامٌ وَ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ أَطِيبُوا الْكَلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.[1]

اے اولاد عبدالمطلب واضح انداز میں (بلند آواز سے) ایک دوسرے کو سلام کرو، صلہ رحم کرتے رہو اور جب لوگ سورہے ہوں تو نماز شب پڑھو لوگوں کو کھانے کھلاؤ اچھے انداز میں گفتگو کرو تا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوسکو۔

۳۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

سَلِّمْ عَلَى مَنْ لَقِيتَ يَزِدِ اللهُ فِي حَسَنَاتِكَ وَ سَلِّمْ فِي بَيْتِكَ يَزِدِ اللهُ فِي بَرَكَتِكَ.[2]

کسی سے ملاقات ہو اسے سلام کرو اللہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کرے گا اور اپنے گھر والوں کو سلام کرو اللہ تمہیں مزید برکتیں عنایت فرمائے گا۔

۴۔اسی طرح آپ کا ارشاد ہے:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ أَخْلَاقِ أَهْلِ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ إِفْشَاءُ السَّلَامِ فِي الْعَالَمِ.[3]

کیا تمہیں اہل دنیا و آخرت کے بہترین اخلاق سے باخبر نہ کروں؟ تو سب نے کہا ضرور باخبر فرمایئے، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں بلند آواز سے سلام کرنا۔

۵۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ فَأَفْشُوهُ بَيْنَكُمْ.[4]

سلام خداوند عالم کا ایک نام ہے لہٰذا اس کو اپنے درمیان بلند آواز سے ادا کیا کرو۔

۶۔امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

---

[1] بحارالانوار:ج ۶۹، باب ۳۸، حدیث ۷۴

[2] بحارالانوار:ج ۶۹، باب ۳۸، حدیث ۸۱

[3] بحارالانوار:ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۵۰

[4] بحارالانوار:ج ۸۴، باب ۱۷، حدیث ۳۰

مَنْ قَالَ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ فَهِيَ عِشْرُونَ حَسَنَةً [۱]

یعنی جو شخص کسی کو سلام کرے اور کہے سلام علیکم...... تو اسے بیس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔

۷۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

إِنَّ مِنْ مُوجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ بَذْلَ السَّلَامِ وَحُسْنَ الْكَلَامِ. [۲]

گناہوں کی مغفرت کا ایک ذریعہ ایک دوسرے کو سلام کرنا اور اچھی گفتگو کرنا بھی ہے۔

۸۔ یا آپ نے یہ فرمایا ہے:

مِنَ التَّوَاضُعِ أَنْ تُسَلِّمَ عَلَى مَنْ لَقِيتَ. [۳]

تواضع کی ایک علامت یہ ہے کہ جس سے ملاقات ہو اسے سلام کرو۔

چونکہ سلام کرنے میں کوئی زحمت اور پریشانی نہیں ہوتی اور اس کے لئے کچھ خرچ بھی نہیں کرنا پڑتا اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے:

أَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ. [۴]

سب سے زیادہ کنجوس وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں بخل اور کنجوسی سے کام لے۔

سلام کا طریقہ

① ۔ سلام کرنا کیونکہ ایک کار خیر ہے اور پروردگار عالم نے فرمایا ہے کہ

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ. [۵]

یعنی تم نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت کرو۔

لہٰذا مومنین کرام کو سلام کرنے میں بھی ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرنا چاہئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ملتا ہے کہ آپ کسی سے ملاقات کرتے تھے تو اس کے سلام کرنے سے پہلے ہی آپ اسے سلام کر لیتے تھے حضرت

---

[۱] بحار الانوار: ج۷۶، باب ۹۷، حدیث ۴۶

[۲] گذشتہ حوالہ

[۳] بحار الانوار: ج۷۵، باب ۵۱، حدیث ۹

[۴] بحار الانوار: ج۱۰۰، باب ۵، حدیث ۲۶

[۵] سورۃ المائدہ: آیت ۴۸

علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

السَّلَامُ سَبْعُونَ حَسَنَةً تِسْعٌ وَسِتُّونَ لِلْمُبْتَدِی وَوَاحِدَةٌ لِلرَّادِ. [1]

یعنی سلام میں ستر نیکیاں ہیں جن میں سے ۶۹ نیکیاں سلام کرنے والے کو ملتی ہیں صرف ایک نیکی جواب دینے والے کے حصہ میں آتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

الْبَادِی بِالسَّلَامِ أَوْلَی بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِه.

سلام میں سبقت کرنے والا اللہ اور رسول سے زیادہ نزدیک ہے۔

۲۔ سلام اور اس کا جواب دونوں اتنی بلند آواز میں ہونا چاہئے جسے مخاطب با آسانی سن سکے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

إِذَا سَلَّمَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْهَرْ بِسَلَامِهِ لَا يَقُولُ سَلَّمْتُ فَلَمْ يَرُدُّوا عَلَيَّ وَلَعَلَّهُ يَكُونُ قَدْ سَلَّمَ وَلَمْ يُسْمِعْهُمْ فَإِذَا رَدَّ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْهَرْ بِرَدِّهِ وَلَا يَقُولُ الْمُسْلِمُ سَلَّمْتُ فَلَمْ يَرُدُّوا عَلَيَّ. [2]

جب تم کسی کو سلام کرو تو بلند آواز سے سلام کیا کرو ورنہ یہ نہ کہنا کہ میں نے سلام کیا تھا اور کسی نے جواب نہیں دیا کیونکہ شاید انہوں نے سنا ہی نہ ہو اور جب تم کسی کے سلام کا جواب دو تو وہ بھی بلند آواز سے تاکہ سلام کرنے والا یہ نہ کہے میں نے سلام کیا تھا اور انہوں نے جواب نہیں دیا۔

۳۔ کوئی بات شروع کرنے سے پہلے سلام کرے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ بَدَأَ بِالْكَلَامِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِيبُوهُ. [3]

جو سلام کے بغیر بات شروع کردے اس کی بات کا جواب نہ دو۔

آپؐ ہی کا تو ارشاد ہے:

لَا تَدْعُ إِلَى طَعَامِكَ أَحَداً حَتَّى يُسَلِّمَ. [4]

کسی کو اپنے دسترخوان پر اس وقت تک نہ بلاؤ جب تک وہ سلام نہ کرلے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۴۷

[2] اصول کافی: ج ۲ ص ۶۴۵، حدیث ۷

[3] بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۶

[4] بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۶

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَأْذَنُوا لِأَحَدٍ حَتَّى يُسَلِّمَ.[1]

کسی کو کسی بھی چیز کی اجازت نہ دو جب تک وہ سلام نہ کرلے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ.[2]

پہلے سلام پھر گفتگو۔

④۔سلام کرنے کے لئے کسی عمر یا عہدہ کی شرط نہیں ہے بلکہ جو بھی پہلے سلام کرے گا اسے زیادہ ثواب ملے گا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں ملتا ہے کہ آپ بچوں کو بھی سلام کرتے تھے آپ کا ارشاد ہے:

خَمْسٌ لَا أَدَعُهُنَّ حَتَّى الْمَمَاتِ اَلْأَكْلُ عَلَى الْحَضِيضِ مَعَ الْعَبِيدِ وَ رُكُوبِيَ الْحِمَارَ مُؤْكَفاً وَ حَلْبِي الْعَنْزَ بِيَدِي وَ لُبْسُ الصُّوفِ وَ التَّسْلِيمُ عَلَى الصِّبْيَانِ لِتَكُونَ سُنَّةً مِنْ بَعْدِي.[3]

پانچ باتوں کو مرتے دم تک نہیں چھوڑ سکتا ہوں: (ان میں سے ایک) بچوں کو سلام کرنا ہے تاکہ میرے بعد یہ ایک سنت ہو جائے۔

البتہ سلام میں پہل کون کرے؟ تو اس کے بھی آداب ہیں جیسا کہ روایت میں ہے:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَ الْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ، وَ إِذَا لَقِيَتْ جَمَاعَةٌ جَمَاعَةً، سَلَّمَ الْأَقَلُّ عَلَى الْأَكْثَرِ، وَ إِذَا لَقِيَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً، سَلَّمَ الْوَاحِدُ عَلَى الْجَمَاعَةِ.

سوار پیدل کو اور، پیدل کھڑے ہوئے کو سلام کرے۔ جب ایک جماعت دوسری جماعت سے ملے تو کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں اور جب کوئی تنہا شخص کسی جماعت کے پاس سے گزرے تو وہ اکیلا آدمی جماعت کو سلام کرے۔

اسی طرح کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے ان احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سلام میں اسے پہل کرنا چاہئے جس کے لئے تواضع اور فروتنی زیادہ مناسب ہو جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول تمام روایات میں یہی قاعدہ نظر آتا ہے۔

---

[1] بحارالانوار: ج۷۸، باب ۲۰، حدیث ۲

[2] بحارالانوار: ج۹۳، باب ۱۷، حدیث ۱۷

[3] بحارالانوار: ج۱۶، باب ۶، حدیث ۳۷

۵۔ سلام کے جواب کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح سلام کیا گیا ہے اس سے بہتر طریقہ سے یا کم از کم بالکل اسی انداز سے جواب دیا جائے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا [۱]

اور جب تم لوگوں کو تحفہ سلام پیش کیا جائے تو اس سے بہتر یا کم سے کم ویسا ہی واپس کرو کہ بے شک اللہ ہر شے کا حساب کرنے والا ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کہہ کر سلام کیا۔

آپؐ نے جواب میں فرمایا:

عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ.

اس کے بعد کوئی اور آیا تو اس نے یوں سلام کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ.

تو آپ نے جواب میں کہا:

عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ.

کچھ دیر بعد تیسرا شخص آ گیا اس نے کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ.

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ.

آپ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابی نے ان تینوں کا سلام اور ان کے لئے آپ کے تین مختلف جواب سنے تو سوال کر لیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے پہلے اور دوسرے جواب میں تو کچھ اضافہ فرمایا مگر آخری شخص کو وہی جواب دیا جو اس نے کہا تھا اور اس میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ تیسرے شخص نے سلام کا کوئی حصہ باقی نہیں چھوڑا تھا لہٰذا میں نے اسے وہی جواب دے دیا۔ [۲]

سلام کے بارے میں گفتگو کے اختتام پر یہ یاددہانی بھی ضروری ہے کہ سلام ایک اسلامی سنت ہے جو مومنین کے درمیان رائج رہنا چاہئے اور روایات کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار یا فاسق و فاجر افراد کو سلام کرنا جائز و مناسب

---

[۱] سورہ نساء: آیت ۸۶

[۲] بحار الانوار: ج ۸۱ ص ۲۷۴

نہیں ہے۔

مصافحہ ومعانقہ

مذہب اسلام میں سلام کے بعد مصافحہ اور مانقہ (گلے ملنے) کی بہت اہمیت ہے حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے

إِذَا لَقِيتُمْ إِخْوَانَكُمْ فَتَصَافَحُوا وَ أَظْهِرُوا لَهُمُ الْبَشَاشَةَ وَ الْبِشْرَ تَتَفَرَّقُوا وَمَا عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَوْزَارِ قَدْ ذَهَبَ۔[1]

یعنی جب تم برادرن ایمانی سے ملاقات کرو تو مصافحہ کرو نیز تبسم اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرو اس کے بعد جب تم ایک دوسرے سے جدا ہو گے تو تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہ رہ جائے گا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے

إِذَا تَلَاقَيْتُمْ فَتَلَاقَوْا بِالتَّسْلِيمِ وَ التَّصَافُحِ وَإِذَا تَفَرَّقْتُمْ فَتَفَرَّقُوا بِالاسْتِغْفَارِ..[2]

جب تم کسی سے ملاقات کرو تو سلام اور مصافحہ کر کے ملاقات کرو اور جب ایک دوسرے سے جدا ہو تو استغفار کر کے جدا ہو۔

اس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے:

تَصَافَحُوا فَإِنَّ التَّصَافُحَ يُذْهِبُ بِالسَّخِيمَةِ[3]

ایک دوسرے سے مصافحہ کرو کیونکہ مصافحہ سے کینہ دور ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

إِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ إِذَا اعْتَنَقَا غَمَرَتْهُمَا الرَّحْمَةَ

جب مومنین گلے ملتے ہیں تو رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔

آپ ہی سے منقول ہے:

إِنَّ تَمَامَ التَّحِيَّةِ لِلْمُقِيمِ الْمُصَافَحَةُ وَتَمَامَ التَّسْلِيمِ عَلَى الْمُسَافِرِ الْمُعَانَقَةُ.[4]

---

[1] بحارالانوار: ج۷۶، باب۱۰۰، حدیث ۳
[2] بحارالانوار: ج۷۶، باب۹۷، حدیث ۱۳
[3] بحارالانوار: ج۷۷، باب۷، حدیث ۱
[4] بحارالانوار: ج۷۸، باب۲۳، حدیث ۱۰۸

یعنی غیر مسافر کو مکمل سلام کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے مصافحہ کیا جائے اور مسافر کو مکمل سلام کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے گلے ملا جائے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے مصافحہ کرتے تھے تو جب تک وہ خود آپ کا ہاتھ نہیں چھوڑ دیتا تھا آپؐ اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے تھے یعنی درحقیقت آپ اس طریقہ کار کے ذریعہ اپنی جانب سے زیادہ محبت کا اظہار فرماتے تھے ایک حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

إِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ إِذَا الْتَقَيَا وَ تَصَافَحَا أَدْخَلَ اللهُ يَدَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا فَصَافَحَ أَشَدَّهُمَا حُبّاً لِصَاحِبِهِ.[1]

جب مومنین ایک دوسرے سے ملتے وقت مصافحہ کرتے ہیں تو خداوند عالم ان کے ہاتھوں کے درمیان اپنا ہاتھ بھی رکھ دیتا ہے اور ان دونوں میں جس کے دل میں اپنے ساتھی کی محبت زیادہ ہوتی ہے خدا اسی سے مصافحہ کرتا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں جو اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ (لطف ورحمت الٰہی) میں رکھنا چاہتا ہے تو اسے اپنے مومن بھائی سے مصافحہ کرنا چاہیے۔

---

[1] بحارالانوار: ج۷۶، باب ۱۰۰، حدیث ۱۲

خلاصہ

مصافحہ کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرے،
اس سے مصافحہ کرے اور اس سے گلے ملے،
مصافحہ کے درمیان سلام کرنے کے مقابلہ میں پہلے سلام کرنے کی اہمیت زیادہ ہے
حتیٰ کہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ ہر بات سے پہلے سلام کرو
سلام میں سبقت اور بلند آواز سے سلام کرنا اچھی طرح سلام کا جواب دینا بھی سلام کے اسلامی آداب ہیں۔

سوالات

۱۔سلام سے متعلق تمام آیات سے کیا نتیجہ حاصل ہوتا ہے؟
۲۔سلام کو عام کرنے (افشاء السلام) کا کیا مطلب ہے؟
۳۔اسلام کی نگاہ میں کون شخص دوسرے کو سلام کرے؟
۴۔سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟
۵۔مصافحہ اور معانقہ کسے کہتے ہیں؟

باب۔ ۲۱

حدود کی رعایت

خداوند عالم نے اس نظام خلقت میں اپنی مخلوق اور اپنے ہر بندوں کے لئے کچھ نہ کچھ قوانین اور حقوق معین کئے ہیں اوران کے لئے کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں جن کی پابندی ہر ایک کا فریضہ ہے۔ درحقیقت ان کی رعایت کرنے سے زندگی میں امن وسکون پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی جان و مال، عزت وآبرو اور مقام ومنزلت اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے اور صرف اسی صورت میں ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارسکتا ہے جب ان حدود کی پابندی کی جائے ورنہ بداعتمادی، ناامیدی اور اضطراب کی صورت حال پیدا ہوجائے گی اور ہر ایک اپنا مستقبل خصوصاً شرافت مندانہ زندگی کا مستقبل تاریک نظر آنے لگے گا۔ اگر کوئی انسان سماج میں کسی کے مال کو دوسرے کا مال نہ سمجھے بلکہ دوسروں کے مال کو اپنا مال تصور کرے یا کوئی انسان دوسروں کی عزت وآبرو کو اہمیت نہ دے یا کچھ لوگ ایسے ہوں جو لوگوں کی جان کے درپے ہوجائیں خلاصہ یہ کہ ہر انسان من مانے طریقے سے دوسروں کے حقوق کو پامال کرے تو سماج میں نہ صرف یہ کہ ترقی کے راستے بند ہوجائیں گے بلکہ بہت جلد یہ معاشرہ ختم ہوجائے گا اسی لئے خداوند عالم نے انسانوں کے لئے کچھ حقوق وحدود مقرر کئے ہیں اور سب کو ان کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے البتہ خداوند عالم نے ان حقوق کی ضمانت کے ذرائع اور اسباب بھی فراہم کئے ہیں جن میں سب سے پہلا ذریعہ خود انسان ہے۔ خداوند عالم نے پہلے لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی ہے جس سے انسان خود بخود نہ صرف دوسروں کے حقوق پامال نہ کرے گا بلکہ دوسروں کے حقوق وحدود کو سمجھے گا ان کی رعایت کرے گا اور ساتھ ساتھ خدا نے ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا بھی معین کردی ہے۔

چونکہ صرف اخلاقی پہلو ہمارے مدنظر ہے اس لئے ہم صرف ان حدود کی شناخت کرائیں گے جو لوگوں کے لئے معین کئے گئے ہیں ان حقوق وحدود کی ممانعت کرنے والوں کی سزا اور اس کی تفصیلات ایک الگ بحث ہے جو ہمارے اس

مختصر مقالہ سے مناسبت نہیں رکھتا ہے۔

ا۔ شخصی حدود

شخصی حدود سے مراد وہ حدود ہیں جنہیں انسان خود اپنی نجی زندگی میں برقرار رکھنا چاہتا ہے معین کرتا ہے اور اس میں کسی غیر کی مداخلت اسے پسند نہیں ہے جیسے گھریلو معاملات یا نجی کمرہ اس سلسلہ میں اسلام کا نظریہ ہے کہ کسی کے شخصی حدود میں داخل ہونے کے لئے اس شخص کی اجازت واجب ولازم ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ [1]

اے ایمان والو! خبردار اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا جب تک کہ صاحب خانہ سے اجازت نہ لے لو اور انہیں سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے کہ شاید تم اس سے نصیحت حاصل کرسکو، پھر اگر گھر میں کوئی نہ ملے تو اس وقت تک داخل نہ ہونا جب تک اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جانا کہ یہی تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے تین مرتبہ اجازت لینا چاہئے۔

الِاسْتِئْذَانُ ثَلَاثَةٌ أَوَّلُهُنَّ يَسْمَعُونَ وَ الثَّانِيَةُ يَحْذَرُونَ وَ الثَّالِثَةُ إِنْ شَاءُوا أَذِنُوا وَ إِنْ شَاءُوا لَمْ يَفْعَلُوا فَيَرْجِعُ الْمُسْتَأْذِنُ.[2]

تین مرتبہ اجازت لینی چاہئے سب سے پہلے سنانے کے لئے (صاحب خانہ متوجہ ہوجائے کہ کوئی آنا چاہتا ہے) دوسری مرتبہ آمادہ ہونے کے لئے (خود انسان گھر اور اہل خانہ کو آمادہ کرے کہ کوئی آرہا ہے) اور تیسری مرتبہ اس لئے کہ اگر گھر والے اجازت دیں تو ٹھیک ہے ورنہ اجازت لینے والے کو واپس ہوجانا چاہئے۔

اس رعایت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان کو گھر کے دروازہ سے داخل ہونا چاہئے نہ دیوار وغیرہ کی طرف سے۔ آغاز اسلام میں بعض افراد یہ سمجھتے تھے کہ دیوار سے کود کر کسی کے گھر میں چلے گئے تو بڑا کمال کردیا ہے (ان کا خیال تھا کہ اس طرح سے صاحب خانہ سے زیادہ محبت کا اظہار ہوتا ہے) لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی اور مومنین کو اس کام سے روک دیا گیا:

---

[1] سورہ نور: آیت ۲۷/۲۸

[2] بحار الانوار: ج۷۶، باب ۹۸، حدیث ۲

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.[۱]

اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ امکانات میں پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی ان کے لئے ہے جو پرہیز گار رہوں اور مکانوں میں دروازہ کی طرف سے آئیں اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

ان حدود کے دوسرے پہلو میں گھر والے بھی شامل ہیں یہاں تک کہ ماں باپ بھائی بہن وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ.[۲]

اے ایمان والوں تمہارے غلام وکنیز اور وہ بچے جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان سب کو چاہئے کہ تمہارے پاس داخل ہونے کے لئے تین اوقات میں اجازت لیں نماز صبح سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب تم کپڑے اتار کر آرام کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین اوقات پردے کے ہیں، اس کے بعد تمہارے لئے یا ان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے پاس چکر لگاتے رہیں کہ اللہ اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح کرکے بیان کرتا ہے اور بے شک اللہ ہر شے کا جاننے والا اور صاحب حکمت ہے اور جب تمہارے بچے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیں جس طرح پہلے والے اجازت لیتے تھے اور پروردگار اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیتوں کو واضح کرکے بیان کرتا ہے کہ وہ صاحب علم وحکمت ہے۔

۲۔عیب چھپانا

ہرانسان کے اندر کوئی نہ کوئی عیب پایا جاتا ہے کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس سے غلطی نہ ہو جیسا کہ روایات میں بھی ہے کہ ہر انسان خطا کار ہے لہٰذا ہر انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے عیب کو چھپائے اور خداوند عالم بھی ستار العیوب ہے اور

---

[۱] سورہ بقرہ: آیت ۱۸۹

[۲] سورہ نور: آیت ۵۸/۵۹

عیب چھپانے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

لہٰذا دوسروں کے عیوب کو آشکار کرنا ایک بری خصلت اور حرام کام ہے اور اس کا شمار دوسروں کے حدود سے تجاوز میں ہوتا ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

من علم أخيه سيئة فسترها ستر الله عليه يوم القيامه.[۱]

جو اپنے بھائی کے کسی عیب سے واقف ہو اور پھر اس عیب کو چھپائے تو خداوند عالم روز قیامت اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا۔

اس طرح منقول ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

احب ان يستر الله على عيوبي.

میں چاہتا ہوں کہ خدا میرے عیوب کو ظاہر نہ کرے۔

آپؐ نے فرمایا:

استر عيوب أخوانك ستر الله عليك عيوبك.[۲]

تم اپنے بھائیوں کے عیوب کو پوشیدہ رکھو خداوند عالم تمہارے عیوب کو چھپائے گا۔

اسی طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ:

مَنْ رَوَى عَلَى مُؤْمِنٍ رِوَايَةً يُرِيدُ بِهَا شَيْنَهُ وَ هَدْمَ مُرُوءَتِهِ لِيَسْقُطَ مِنْ أَعْيُنِ النَّاسِ أَخْرَجَهُ اللهُ مِنْ وَلَايَتِهِ إِلَى وَلَايَةِ الشَّيْطَانِ فَلَا يَقْبَلُهُ الشَّيْطَانُ.[۳]

جو کسی مومن کو بدنام کرنے کے لئے اس کا ذکر کرے اور اس طرح لوگوں کی نظر میں اس کا احترام ختم کرنا چاہتا ہو، تو خداوند عالم اسے اپنی ولایت سے نکال کر شیطان کی ولایت میں دے دیتا ہے لیکن شیطان بھی اسے قبول نہیں کرتا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ أَقْرَبَ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ إِلَى الْكُفْرِ أَنْ يُوَاخِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ عَلَى الدِّينِ فَيُحْصِيَ عَلَيْهِ عَثَرَاتِهِ وَ زَلَّاتِهِ لِيُعَنِّفَهُ بِهَا يَوْماً.[۴]

---

[۱] الترغیب والترہیب: ج ۳، ص ۲۳۹، ومسند احمد، ج ۴، ص ۱۰۴

[۲] کنز العمال: ج ۱۶، ص ۱۲۹، حدیث ۴۴۱۵۴

[۳] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۷، حدیث ۴۰

[۴] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۵، حدیث ۱۳

کفر اور بے ایمانی کی سب سے نزدیکی سرحد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے دین کے نام پر قریب ہوتا کہ اس کی غلطیوں اور عیوب کو جمع کرتا رہے اور ایک روز انہیں فاش کر کے اسے بدنام کر دے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جناب مالک اشتر کو جب مصر کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہیں کچھ نصیحتیں کیں اور عیب پوشی کے سلسلہ میں ان سے یہ فرمایا:

وَ لْيَكُنْ أَبْعَدَ رَعِيَّتِكَ مِنْكَ وَ أَشْنَأَهُمْ عِنْدَكَ أَطْلَبُهُمْ لِمَعَايِبِ النَّاسِ فَإِنَّ فِي النَّاسِ عُيُوباً الْوَالِي أَحَقُّ مَنْ سَتَرَهَا فَلَا تَكْشِفَنَّ عَمَّا غَابَ عَنْكَ مِنْهَا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ تَطْهِيرُ مَا ظَهَرَ لَكَ وَ اللهُ يَحْكُمُ عَلَى مَا غَابَ عَنْكَ فَاسْتُرِ الْعَوْرَةَ مَا اسْتَطَعْتَ يَسْتُرِ اللهُ مِنْكَ مَا تُحِبُّ سَتْرَهُ مِنْ رَعِيَّتِكَ [1]

تمہاری حکومت میں تمہارے نزدیک بدترین اور تم سے دورترین ان لوگوں کو ہونا چاہئے جو لوگوں کی عیب جوئی کرتے ہیں اس لئے کہ لوگوں میں بہرحال عیب پائے جاتے ہیں ان کو چھپانے کی سب سے زیادہ ذمہ داری حاکم پر ہے۔ لہٰذا جو عیوب پوشیدہ ہیں انہیں ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اس لئے کہ تمہارا فرض صرف ان عیوب کو دور کرنا ہے جو ظاہر ہیں اور وہ عیوب جو پوشیدہ ہیں ان پر خداوند عالم خود حکم کرے گا لہٰذا جتنا ہو سکے لوگوں کے عیوب کو چھپاؤ تا کہ خداوند عالم تمہارے ان عیوب کو چھپائے جن کو تم عیاں ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

۳۔ امانت داری

حقوق الناس میں سے ایک حق امانت داری ہے امانت چاہے مال ہو یا راز جب ایک قابل اعتماد شخص کے حوالہ امانت کی جاتی ہے تو اس امانتدار کے لئے ضروری ہے کہ ہر طرح اس کی حفاظت کرے اور جب اس کا مالک طلب کرے تو اسے فوراً واپس کر دے، امانت میں خیانت نہ کرنا اور اسے اس کے مالک کو واپس کر دینا ایک الٰہی اور شرعی فریضہ ہے جس کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے اور ہر قسم کی خیانت کو دوسروں کے حدود سے تجاوز شمار کیا جاتا ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے اس کا شمار گناہان کبیرہ میں ہے۔

قرآن کریم میں امانت داری کو صاحبان ایمان کی اہم خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا. [2]

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل (مالک) تک پہنچا دو۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۳۰، حدیث ۷۴۴

[2] سورہ نساء: آیت ۵۸

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا دِينَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ.[1]

جو امانت دار نہیں وہ دیندار نہیں ہے۔

نیز آپؐ فرماتے ہیں:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَانَ بِالْأَمَانَةِ.[2]

جو امانت میں خیانت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اسی طرح آپؐ نے فرمایا ہے:

لِلْمُنَافِقِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا ائْتُمِنَ خَانَ.[3]

منافق کی تین علامتیں ہیں جب وہ گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وفا نہیں کرتا اور امانت میں خیانت کرتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تَنْظُرُوا إِلَى طُولِ رُكُوعِ الرَّجُلِ وَ سُجُودِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ شَيْءٌ اعْتَادَهُ فَلَوْ تَرَكَهُ اسْتَوْحَشَ لِذَلِكَ وَلَكِنِ انْظُرُوا إِلَى صِدْقِ حَدِيثِهِ وَأَدَاءِ أَمَانَتِهِ.[4]

انسان کے طولانی رکوع اور سجود کو نہ دیکھو اس لئے کہ یہ اس کی عادت بن گئی ہے کہ اگر اسے ترک کرے گا تو پریشان ہو جائے گا لیکن یہ دیکھو کہ وہ بات کا سچا اور امانت دار ہے یا نہیں؟

اسلام میں امانت داری اس قدر اہم ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام نے امانت کے بارے میں صالح اور فاسق کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے بلکہ تاکید فرمائی ہے کہ امانت صاحب امانت کو واپس کرنا ضروری ہے صاحب امانت چاہے جو بھی ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] بحار الانوار: ج ۳، ص ۷۷ ۶، حدیث ۸۴۳۶

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۱۴

[3] بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۰۶ حدیث ۶

[4] بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۶۰، حدیث ۱۰

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيّاً إِلَّا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ إِلَى الْبَرِّ وَ الْفَاجِرِ.[۱]

خداوند عالم نے تمام انبیاء کو صدق بیانی اور ہر نیک و بد کے ساتھ امانتداری سے پیش آنے کا حکم دے کر مبعوث فرمایا

نیز آپؑ فرماتے ہیں:

أَدُّوا الْأَمَانَةَ وَلَوْ إِلَى قَاتِلِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ علیہ السلام.[۲]

امانت مالک کو ادا کرو چاہے وہ حسین بن علی علیہما السلام کا قاتل ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تَخُنْ مَنِ ائْتَمَنَكَ وَإِنْ خَانَكَ وَلَا تُذِعْ سِرَّهُ وَإِنْ أَذَاعَ سِرَّكَ.[۳]

جو تمہیں امانتدار سمجھے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو چاہے اس نے تمہارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کی ہو اور اس کے راز کو فاش نہ کرو چاہے اس نے تمہارے راز کو فاش کیا ہو۔

امانت داری کے نتائج اور اس کے فوائد کے سلسلہ میں بہت ساری روایتیں ہیں جن میں سے ہم بعض روایات یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

الْأَمَانَةُ تَجْلِبُ الْغِنَى، وَ الْخِيَانَةُ تَجْلِبُ الْفَقْرَ.[۴]

امانتداری مالداری اور خیانت فقر کا باعث ہوتی ہے۔

اسی طرح کی حدیث حضرت علی علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

الْأَمَانَةُ تَجُرُّ الرِّزْقَ وَ الْخِيَانَةُ تَجُرُّ الْفَقْرَ.[۵]

امانتداری سے روزی اور خیانت سے فقر پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں:

---

[۱] بحارالانوار: ج ۱۱، باب ۲، حدیث ۲۱

[۲] بحارالانوار: ج ۱۱، باب ۲، حدیث ۲۱

[۳] بحارالانوار: ج ۷۷، باب ۸، حدیث ۱

[۴] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۴

[۵] بحارالانوار: ج ۷۸، باب ۱۶ حدیث ۱۳۸

إِذَا قَوِيَتِ الْأَمَانَةُ كَثُرَ الصِّدْقُ.[1]

امانت داری اگر زیادہ ہوتو سچائی میں اضافہ ہوتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

الْأَمَانَةُ تُؤَدِّي إِلَى الصِّدْقِ[2]

امانت داری سچائی کا باعث ہے۔

ہم نے اس بحث کے شروع میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ امانت داری کا تعلق صرف پیسے اور قیمتی چیزوں سے نہیں ہے بلکہ دوسرے کی کوئی بھی چیز بھی اگر کسی کے پاس بطور امانت ہوتو اس کی حفاظت ضروری ہے چاہے وہ قیمتی ہو یا بے قیمتی اور یا کوئی راز ہو۔ بلکہ ہر وہ چیز جو کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھی جائے اس کی حفاظت ضروری ہے اور اس کے بارے میں کسی طرح کی لاپرواہی تجاوز اور خیانت شمار ہوگی اور خیانت کرنے والا خدا کے قہر اور غضب کا حقدار ہوگا۔

[1] غرر الحکم: ج۳،ص ۱۳۴

[2] غرر الحکم: ج۲،ص ۷

خلاصہ

ہر انسان کے کچھ خصوصی حقوق اور حدود ہیں جن کی رعایت کرنا سب پر واجب ہے،
جان ومال عزت اور آبرو نیز عیوب اور کسی کا گھر سب اس کی امانت اور اس کے حدود شمار ہوتے ہیں،
اور کسی کو بغیر اجازت کے حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

سوالات

۱۔شخصی حدود سے کیا مراد ہے؟
۲۔کیا کسی کے شخصی حدود میں صرف غیروں کی مداخلت ممنوع ہے۔
۳۔قرآنی آیات کی روشنی میں لوگوں سے اجازت کے خصوصی اوقات کون سے ہیں؟
۴۔کسی کے عیوب کو عام کرنا اس کے حدود میں مداخلت کیوں شمار ہوتا ہے؟
۵۔کن چیزوں کو امانت کہا جاتا ہے؟

باب۔ ۲۲

دوست اور ساتھی (۱)

ہر انسان کے سماج میں کچھ لوگوں سے تعلقات ضرور ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں سے دوستی بھی ہوتی ہے انسان انہیں لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا یا آمد ورفت رکھتا ہے خرید وفروخت کرتا ہے یا اپنے مسائل اور مشکلات حل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مشورہ کرتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔

اسلام نے دوستی اور ہم نشینی کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کے لئے مومنین سے بہت تاکید کی گئی ہے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ لَا صَدِيْقَ لَهُ لَا ذُخْرَ لَهُ.[۱]

جس کا کوئی دوست نہیں ہے اس کے پاس کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں:

الْأَصْدِقَاءُ نَفْسٌ وَاحِدَةٌ فِي جُسُومٍ مُتَفَرِّقَةٍ.[۲]

دوست ایسے ہوتے ہیں جیسے مختلف جسموں میں ایک روح ہوتی ہے۔

لیکن اس بات کا خیال رہے کہ ہر کس و ناکس سے دوستی مناسب نہیں ہے جب دوست انسان کے تمام رشتہ داروں کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے تو یقیناً انسان دوست سے متاثر بھی زیادہ ہوگا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[۱] غرر الحکم: ج، ص ۱۷۷

[۲] غرر الحکم: ج ۲، ص ۱۲۳

الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ.[1]

انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا تم دیکھو کہ کس کے دوست ہو۔

نیز آپؐ فرماتے ہیں:

اِخْتَبِرُوا النَّاسَ بِأَخْدَانِهِمْ فَإِنَّمَا يُخَادِنُ الرَّجُلُ مَنْ يُعْجِبُهُ نَحْوُهُ.[2]

لوگوں کو ان کے دوستوں کے ذریعہ پہچانو اس لئے کہ ہر انسان اس سے دوستی کرتا ہے جو اسے اچھا لگتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

كُلُّ امْرِءٍ يَمِيلُ إِلَى مِثْلِهِ.[3]

ہر انسان اپنے جیسے کی طرف میلان رکھتا ہے۔

نیز آپؑ فرماتے ہیں:

لَا يُصْحَبُ الْأَبْرَارُ إِلَّا نُظَرَاءَهُمْ وَلَا يُوَادُّ الْأَشْرَارُ إِلَّا أَشْبَاهُهُمْ.[4]

لوگ نیک اور اچھے کو ہی اپنا دوست بناتے ہیں اور برے لوگ برے دوستوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوست کے انتخاب میں بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ہم اس درس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک اچھے دوست کے خصوصیات بیان کریں گے اور اگلے درس میں یہ بتائیں گے کہ کن لوگوں کی دوستی سے پرہیز کرنا چاہئے۔

ا۔ قرآن کریم ان لوگوں سے دوستی کرنے کا حکم دیتا ہے جس کے شب وروز یاد خدا میں بسر ہوتے ہیں اور جو رضائے الٰہی کے خواہاں ہوتے ہیں:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ[5]

جو لوگ صبح وشام اپنے خدا کو پکارتے ہیں اور خدا ہی کو اپنا مقصود بنائے ہوئے ہیں ان کو اپنی بزم سے الگ نہ کیجئے گا۔

---

[1] (ا) بحارالانوار: ج ۷۲، باب ۱۴، حدیث ۱۲

[2] مستدرک: ج ۸، باب ۱۰، ص ۲۲۳۷ روایت ۹۵۴۸

[3] غررالحکم: ج ۴، ص ۵۳۲

[4] غررالحکم: ج ۶، ص ۳۷۶

[5] سورہ انعام: آیت ۵۲

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ[1]

اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلبگار ہیں۔

۲۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریف النفس اور اعلیٰ ظرف افراد کے ساتھ ہم نشینی کی وصیت فرمائی ہے:

أَسْعَدُ النَّاسِ مَنْ خَالَطَ كِرَامَ النَّاسِ[2]

سب سے زیادہ خوش نصیب وہ انسان ہے جو کریم افراد سے رابطہ رکھے۔

۳۔ ایک دوسری حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مردان خدا کی ہم نشینی کا حکم دیا ہے آنحضرتؐ سے کسی نے سوال کیا کہ بہترین ہم نشین (ساتھی) کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

مَنْ ذَكَّرَكُمْ بِاللهِ رُؤْيَتُهُ وَزَادَكُمْ فِي عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهُ وَذَكَّرَكُمْ بِالْآخِرَةِ عَمَلُهُ.[3]

جس کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آجائے، جس کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے اور عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔

۴۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اجداد کے ذریعہ امام زین العابدین علیہ السلام سے ایک مفصل حدیث بیان کی ہے جس میں مختلف انسانوں کی شناخت کے کچھ معیار اور علامتیں ذکر کی گئی ہیں۔ جن کے ذریعے ہم اچھے یا برے انسانوں کی شناخت کر سکتے ہیں چونکہ اس حدیث میں ایسے مفید اور کارآمد نکات کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے لئے راہنما اور سبق آموز ہیں لہٰذا ہم یہاں اس روایت کو نقل کر رہے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ حَسُنَ سَمْتُهُ وَهَدْيُهُ وَتَمَاوَتَ فِي مَنْطِقِهِ وَتَخَاضَعَ فِي حَرَكَاتِهِ فَرُوَيْداً لَا يَغُرَّنَّكُمْ فَمَا أَكْثَرَ مَنْ يُعْجِزُهُ تَنَاوُلُ الدُّنْيَا وَرُكُوبُ الْحَرَامِ مِنْهَا لِضَعْفِ نِيَّتِهِ وَمَهَانَتِهِ وَجُبْنِ قَلْبِهِ فَنَصَبَ الدِّينَ فَخّاً لَهَا فَهُوَ لَا يَزَالُ يَخْتِلُ النَّاسَ بِظَاهِرِهِ فَإِنْ تَمَكَّنَ مِنْ حَرَامٍ اقْتَحَمَهُ وَإِذَا وَجَدْتُمُوهُ يَعِفُّ عَنِ الْمَالِ الْحَرَامِ فَرُوَيْداً لَا يَغُرَّنَّكُمْ فَإِنَّ شَهَوَاتِ الْخَلْقِ مُخْتَلِفَةٌ فَمَا أَكْثَرَ مَنْ يَنْبُو

---

[1] سورہ کہف: آیت ۲۸

[2] بحار الانوار: ج ۴، باب ۴، حدیث ۱۳

[3] مستدرک: ج ۵، باب ۴۲، حدیث ۶۱۷۳

عَنِ الْمَالِ الْحَرَامِ وَإِنْ كَثُرَ وَيَحْمِلُ نَفْسَهُ عَلَى شَوْهَاءَ قَبِيحَةٍ فَيَأْتِي مِنْهَا مُحَرَّماً فَإِذَا وَجَدْتُمُوهُ يَعِفُّ عَنْ ذَلِكَ فَرُوَيْداً لَا يَغُرَّكُمْ حَتَّى تَنْظُرُوا مَا عَقَدَهُ عَقْلُهُ فَمَا أَكْثَرَ مَنْ تَرَكَ ذَلِكَ أَجْمَعَ ثُمَّ لَا يَرْجِعُ إِلَى عَقْلٍ مَتِينٍ فَيَكُونُ مَا يُفْسِدُهُ بِجَهْلِهِ أَكْثَرَ مِمَّا يُصْلِحُهُ بِعَقْلِهِ فَإِذَا وَجَدْتُمْ عَقْلَهُ مَتِيناً فَرُوَيْداً لَا يَغُرَّكُمْ حَتَّى تَنْظُرُوا أَ مَعَ هَوَاهُ يَكُونُ عَلَى عَقْلِهِ أَوْ يَكُونُ مَعَ عَقْلِهِ عَلَى هَوَاهُ وَ كَيْفَ مَحَبَّتُهُ لِلرِّئَاسَاتِ الْبَاطِلَةِ وَ زُهْدُهُ فِيهَا فَإِنَّ فِي النَّاسِ مَنْ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةَ يَتْرُكُ الدُّنْيَا لِلدُّنْيَا وَ يَرَى أَنَّ لَذَّةَ الرِّئَاسَةِ الْبَاطِلَةِ أَفْضَلُ مِنْ لَذَّةِ الْأَمْوَالِ وَ النِّعَمِ الْمُبَاحَةِ الْمُحَلَّلَةِ فَيَتْرُكُ ذَلِكَ أَجْمَعَ طَلَباً لِلرِّئَاسَةِ حَتَّى إِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ فَهُوَ يَخْبِطُ خَبْطَ عَشْوَاءَ يَقُودُهُ أَوَّلُ بَاطِلٍ إِلَى أَبْعَدِ غَايَاتِ الْخَسَارَةِ وَ يُمِدُّهُ رَبُّهُ بَعْدَ طَلَبِهِ لِمَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ فِي طُغْيَانِهِ فَهُوَ يُحِلُّ مَا حَرَّمَ اللهُ وَ يُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَا يُبَالِي بِمَا فَاتَ مِنْ دِينِهِ إِذَا سَلِمَتْ لَهُ رِئَاسَتُهُ الَّتِي قَدْ يَتَّقِي مِنْ أَجْلِهَا فَأُولَئِكَ الَّذِينَ غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُهِيناً.[1]

ولكنّ الرَّجلَ كُلَّ الرجلِ نِعْمَ الرجلُ هو الذی جَعَلَ هواه تبعاً لأمر الله، وقُواهُ مبذولةً فی رضی الله، یری الذُّلَّ مع الحقّ أقربَ إلی عِزِّ الأبد من العزّ فی الباطل، ویعلم أنّ قلیل ما یحتمله من ضرّائها یؤدّی إلی دوام النِّعَمِ فی دارٍ لا تبید ولا تنفد، وأنّ کثیر ما یلحقه من سرّائها إن اتّبع هواه یؤدّیه إلی عذابٍ لا انقطاع له ولا یزول؛ فذلکم الرجلُ نِعْمَ الرجل، فبه تَمَسَّکوا، وبسُنّته فاقتدوا إلی ربّکم، فبه فتوسّلوا؛ فإنّه لا تُرَدُّ له دعوةٌ، ولا تُخَیَّبُ له طَلِبَة.

جب بھی کسی کو دیکھو کہ اس کا ظاہر بہت عمدہ، طریقہ کار مناسب ہے زاہدوں جیسی باتیں کرتا ہے اور اعمال میں خضوع وخشوع پایا جاتا ہے تو خبردار اس کے دھوکے میں نہ آنا اس لئے کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اپنی کمزوری، خوف اور بزدلی کے باعث حصول دنیا اور ارتکاب حرام سے عاجز ہیں اس لئے دین کو اپنے لئے ڈھال بنالیتے ہیں تاکہ دینداری کا اظہار کر کے لوگوں کو دھوکا دے سکیں لیکن جیسے ہی انہیں کسی حرام پر قدرت حاصل ہوتی ہے حرام میں غرق ہوجاتے ہیں اور پھر بھی اگر دیکھو کہ مال حرام سے چشم پوشی کررہے ہیں تب بھی ان کے دھوکے میں نہ آنا اس لئے کہ انسانوں کی خواہشات نفسانی مختلف ہوتی ہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں جو مال حرام کھانے سے پرہیز کرتے ہیں چاہے وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو لیکن اپنے نفس کو برائی

---

[1] سورہ بقرہ: آیت ۲۰٦

سے نہیں روکتے اوراس راستہ سے حرام میں مبتلا ہوتے ہیں۔اب اگر یہ دیکھو کہ اس کام سے بھی پرہیز کرتے ہیں پھر بھی ان کے دھوکے میں نہ آنا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ ان کی عقل کی بنیاد کس چیز پر ہے اس لئے کہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو ہر طرح کے امور سے پرہیز کرتے ہیں لیکن عقل کو بروئے کار نہیں لاتے ہیں لہٰذا وہ اپنی نادانی کی وجہ سے جو فساد پیدا کرتے ہیں وہ اس اصلاح سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو وہ اپنی عقل مندی کے ذریعے کرتے ہیں۔تو اگر تم انہیں صحیح عقل وفکر والا پاؤ پھر بھی ان کے فریب میں نہ آنا! جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کے ساتھ اپنی عقل پر بھی غالب ہیں یا عقل کے باوجود خواہشات نفسانی ان پر غالب ہیں اوران کی محبت زہد و پرہیز گاری سے زیادہ ہے یا وہ باطل سے ریاست کو زیادہ دوست رکھتے ہیں اس لئے کہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے دنیا وآخرت کو برباد کرلیا ہے اور دنیا کو دنیا کے لئے ترک کردیا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ باطل ریاست کا مزہ مباح وحلال ثروت سے زیادہ اچھا ہے۔اور یہ سب کچھ ریاست باطل حاصل کرنے کے لئے ترک کردیتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: ''اگر ان سے کہا جائے کہ تقویٰ اختیار کرو تو ان کا تکبر انہیں گناہ کی طرف کھینچتا ہے اور پھر جہنم ان کا مقام اور کس قدر بری جگہ ہے۔[1]

لہٰذا وہ تاریک رات کی طرح گمراہی کی طرف بڑھتے ہیں اوران کی پہلی باطل خواہش انہیں بے انتہا خسارے اور گھاٹے میں مبتلا کردیتی ہے اوران کا خدا بھی انہیں اس چیز کی دعوت دیتا ہے جو ان سے بن نہیں پڑتی (یعنی تقویٰ اور ہدایت کی طرف بازگشت) اور وہ ان کی اس سرکشی میں ان کی مدد بھی کرتا ہے اور پھر وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے ہیں اور اگر ان کی ریاست محفوظ رہے تو ان کا دین جتنا بھی برباد ہوجائے انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل کیا ہے ان پر لعنت کی ہے اوران کے لئے دردناک عذاب کو مہیا کر رکھا ہے۔

واقعاً مرد، مرد کامل اور بہترین مرد وہ ہے جس نے اپنی خواہشات کو خداوند عالم کے احکام کا تابع بنالیا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی تمام تر توانائیوں کو صرف کرتا ہے اور حق کی ذلت کو باطل کی راہ کی عزت سے بہتر سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس راہ میں یہ تھوڑی سی سختی اور مشکل اسے اس دنیا کی نعمت تک پہنچانے والی ہے جو کبھی بھی ضائع اور برباد ہونے والی نہیں ہے اور اگر وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرے گا تو اس سے جو لذتیں اسے حاصل ہوں گی وہ اسے ایسے عذاب میں مبتلا کرنے والی ہیں جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔ایسا انسان واقعاً بہترین انسان ہے۔پس اس سے متمسک ہوجاؤ اس کی پیروی کرو اسے خدا کا وسیلہ بناؤ، اس لئے اس کی دعا ہرگز رد نہیں ہوگی اوراس کی کوئی خواہش ٹھکرائی نہیں جاتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی نظر میں فضیلت اور کامیابی کا معیار اچھا ظاہر، اچھی

---

[1] سورہ بقرہ: آیت ۲۰۶

گفتگو اور مال حرام سے پرہیز وغیرہ نہیں ہے۔ ہاں اگر انسان اپنے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دے اور خدا کی رضا کے لئے ذلت وخواری کو بھی برداشت کرلے اور اپنی خواہشات نفسانی کو اپنی عقل وشرع کا پیرو بنالے تو ایسا انسان پیروی واتباع اور دوستی وہم نشینی کے لائق ہے۔

۵۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں حکماء اور فقرا کے ساتھ ہم نشینی کی تاکید کی ہے آپ فرماتے ہیں:

سَائِلُوا الْعُلَمَاءَ وَخَاطِبُوا الْحُكَمَاءَ وَجَالِسُوا الْفُقَرَاءَ.[۱]

علماء سے سوال کرو حکماء سے رابطہ رکھو اور فقرا کی ہم نشینی اختیار کرو۔

ایک دوسری روایت میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

صَاحِبِ الْحُكَمَاءَ وَجَالِسِ الْحُلَمَاءَ وَأَعْرِضْ عَنِ الدُّنْيَا تَسْكُنْ جَنَّةَ الْمَأْوَى.[۲]

حکماء کی صحبت اور علماء کی ہم نشینی اختیار کرو اور دنیا سے بچو تا کہ جنت میں جگہ پاؤ۔

نیز آپؑ نے فرماتے ہیں:

أَكْثَرُ الصَّلَاحِ وَالصَّوَابِ فِي صُحْبَةِ أُولِي النُّهَى وَالْأَلْبَابِ.[۳]

سب سے زیادہ خیر عقلمندوں اور متفکرین کے ساتھ ہم نشینی میں ہے۔

۶۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام "جنادہ بن امیہ" کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ساتھ اٹھو بیٹھو جو تمہاری زینت وسر بلندی کا باعث ہو، تمہاری بزرگی وکرامت میں اضافہ کا موجب ہو اور ہر حال میں تمہارے کمال کا سبب ہو اور تم اس کی مدد سے اپنے نقائص کو دور کر سکو۔ آپؑ فرماتے ہیں:

فَاصْحَبْ مَنْ إِذَا صَحِبْتَهُ زَانَكَ وَإِذَا خَدَمْتَهُ صَانَكَ وَإِذَا أَرَدْتَ مِنْهُ مَعُونَةً فاتك [أَعَانَكَ] وَإِنْ قُلْتَ صَدَّقَ قَوْلَكَ وَإِنْ صُلْتَ شَدَّ صَوْلَكَ وَإِنْ مَدَدْتَ يَدَكَ بِفَضْلٍ جَدَّهَا [مَدَّهَا] وَإِنْ بَدَتْ مِنْكَ ثُلْمَةٌ سَدَّهَا وَإِنْ رَأَى مِنْكَ حَسَنَةً عَدَّهَا وَإِنْ سَأَلْتَهُ أَعْطَاكَ وَإِنْ سَكَتَّ عَنْهُ ابْتَدَأَكَ وَإِنْ نَزَلَتْ بِكَ أَحَدُ الْمُلِمَّاتِ أسألك [وَاسَاكَ].[۴]

اس شخص کی ہم نشینی اختیار کرو کہ جس کی ہم نشینی تمہارے لئے سر بلندی اور زینت کا باعث ہو، اگر تم اس کی خدمت

---

[۱] بحار الانوار: ج۱۔ باب ۳، حدیث ۵

[۲] غرر الحکم: ج۴ص، ۲۰۵

[۳] غرر الحکم: ج۴ص ۴۲۹

[۴] بحار الانوار: ج۴۴، باب ۲۲، حدیث ۶

کروتو وہ تمہارا احترام کرے، اگر اس سے مدد چاہو تو تمہاری مدد کرے، کوئی بات کہو تو تمہاری تائید کرے، اگر کسی کار خیر کے لئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ تو تمہاری حمایت کرے، اگر تمہارے اندر کوئی عیب دیکھے تو اسے چھپائے اور اسے ظاہر نہ کرے اگر تمہارے اندر کوئی اچھی صفت دیکھے تو اس کی قدر کرے، تم اس سے اگر کچھ طلب کرو تو عطا کرے اگر تمہیں کوئی ضرورت ہو (اور تم اس کو ذکر نہ کرو) تو وہ خود اسے پوری کرنے کی کوشش کرے اور اگر اس پر کوئی مشکل پڑے تو پریشان نہ ہو۔

۷۔ اگر دوستی اور ہم نشینی کی بنیاد حق وصداقت پر ہو تو دوست ایک دوسرے پر مثبت اثر ڈالیں گے، ایک دوسرے کو اس کے عیوب کی طرف متوجہ کریں گے اور ایک دوسرے کے نقائص برطرف کرنے کی کوشش کریں نہ یہ کہ صرف ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے ایک دوسرے کی تعریف کرتے رہیں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

اتَّبِعْ مَنْ يُبْكِيكَ وَ هُوَ لَكَ نَاصِحٌ وَ لَا تَتَّبِعْ مَنْ يُضْحِكُكَ وَ هُوَ لَكَ غَاشٌّ وَ سَتَرِدُونَ عَلَى اللهِ جَمِيعاً فَتَعْلَمُونَ.[1]

اس شخص کی پیروی کرو جو تمہیں رلائے اور تمہارا خیر خواہ ہو اس شخص کا اتباع نہ کرو جو تمہیں ہنسائے اور تمہیں دھوکا دینا چاہتا ہو۔ یہ جان لو کہ سب عنقریب خدا کی طرف پلٹائے جاؤ گے تو تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَحَبُّ إِخْوَانِي إِلَيَّ مَنْ أَهْدَى إِلَيَّ عُيُوبِي.[2]

میرا سب سے محبوب بھائی وہ ہے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے۔

امام علیہ السلام کی اس حدیث میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ امام نے عیوب کی طرف متوجہ کرنے کو تحفہ قرار دیا ہے اور تحفہ دینا خوشی اور مسرت کا باعث ہوتا ہے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۴۸، حدیث ۳۱

[2] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۹، حدیث ۴

خلاصہ

چونکہ ہم نشین اور دوست انسان کے اوپر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے لہذا روایات میں اس بات کی زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ دوست اور ہم نشین کے انتخاب میں مکمل توجہ ہونا چاہئے
اور صرف انہیں افراد سے دوستی کرنا چاہئے جو متقی و پرہیزگار ہوں تاکہ انسان پر ان کا مفید اثر پڑے۔

سوالات

۱۔امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک اچھے اور لائق شخص کی شناخت کے لئے کن اصولوں کو ناکافی قرار دیا ہے؟
۲۔امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک اچھے اور لائق شخص کی شناخت کے لئے کیا معیار لازم اور ضروری قرار دیا ہے؟
۳۔اس درس میں مذکور روایات کی روشنی میں بتایئے کہ کن افراد کے ساتھ ہم نشینی کی تاکید کی گئی ہے؟

باب۔۲۳

دوست اور ساتھی ۲

گزشتہ درس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ دوست کے انتخاب میں بہت احتیاط اور توجہ کرنا چاہئے اس لئے کہ دوست ایک جانب تو انسان کے اوپر اثر انداز ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کے ذریعہ ہماری شخصیت اور کردار کا پتہ چلتا ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں کو اپنا دوست اور ہم نشین بنانا چاہئے جو ہمارے اوپر نیک اثر ڈالیں اور معاشرے میں ہماری سربلندی اور کمال کا باعث ہوں۔ اس درس میں ہم پڑھیں گے کہ کن لوگوں سے دوستی نہیں کرنا چاہئے اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے ہمیں کن لوگوں کی دوستی سے منع کیا ہے؟

یاد رہے کہ خداوند عالم نے ہمیں ہماری صوابدید پر چھوڑ نہیں دیا ہے کہ ہم جو کرنا چاہیں کریں جس کے ساتھ چاہیں رفت و آمد رکھیں اور جو چاہیں کہیں یا سنیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

لَیْسَ لَكَ أَنْ تَقْعُدَ مَعَ مَنْ شِئْتَ لِأَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى يَقُولُ إِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَ إِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ.[۱]

وَ لَيْسَ لَكَ أَنْ تَتَكَلَّمَ بِمَا شِئْتَ لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ وَ لِأَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ رَحِمَ اللهُ عَبْداً قَالَ خَيْراً فَغَنِمَ أَوْ صَمَتَ فَسَلِمَ وَ لَيْسَ لَكَ أَنْ تَسْمَعَ مَا شِئْتَ

---

[۱] سورہ انعام: آیت ۶۸

لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُولُ إِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا. [1]

تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ جس کے ساتھ بھی دل چاہے ہم نشین ہو جاؤ اس کے لئے خداوند عالم فرماتا ہے'' اور جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں بے ربط بحث کر رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ دوسری بات میں مصروف ہو جائیں اور اگر شیطان غافل کر دے تو یاد آنے کے بعد پھر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔[2]

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہارا جو دل چاہے اسے زبان سے کہہ دو اس لئے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جانا۔

اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خدا رحم کرے اس بندے پر کہ جو بولتا ہے تو خیر کہتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو محفوظ رہتا ہے۔

اور ایسا نہیں ہے کہ تمہارا جو دل چاہے اسے سن لو، اس لئے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ روز قیامت سماعت بصارت اور قوت قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کہ برے لوگوں کی صحبت برا اثر ڈالنے کے لئے علاوہ سنگ دلی بھی پیدا کرتی ہے اور ممکن ہے کہ وہ انسان کو برائی کی طرف کھینچ لے جائے۔ یا یہ کہ قہر و غضب الٰہی میں اسے بھی شامل کر لے اور ہم بھی دوستوں کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ایک قریبی صحابی سلیمان جعفری نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک روز امامؑ کو اپنے والد سے یہ فرماتے ہوئے سنا: عبدالرحمن بن یعقوب کے یہاں تمہاری رفت و آمد کیوں ہے؟

میرے والد نے عرض کی: وہ میرا ماموں ہے۔

حضرت نے فرمایا: خدا کے بارے میں اس کا غلط نظریہ ہے وہ خدا کے حدود و صفات کو محدود کہتا ہے حالانکہ خداوند عالم صفات میں محدود نہیں۔

میرے والد نے عرض کی: وہ کچھ بھی کہے مجھے اس سے کیا مطلب، میرا عقیدہ تو ویسا نہیں ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا:

أَمَا تَخَافُ أَنْ تَنْزِلَ بِهِ نَقِمَةٌ، فَتُصِيبَكُمْ جَمِيعاً؛ أَمَا عَلِمْتَ بِالَّذِى كَانَ مِنْ أَصْحَابِ مُوسى عليه السلام، وَ كَانَ أَبُوهُ مِنْ أَصْحَابِ فِرْعَوْنَ، فَلَمَّا لَحِقَتْ خَيْلُ فِرْعَوْنَ مُوسى تَخَلَّفَ عَنْهُ لِيَعِظَ أَبَاهُ،

[1] سورہ اسراء آیت ۳۶

[2] علل الشرائع، ج ۲، ح ۸۱، ص: ۶۰۶

فَيُلْحِقُهُ بِمُوسى، فَمَضى أَبُوهُ وَ هُوَ يُرَاغِمُهُ حَتّى بَلَغَا طَرَفاً مِنَ الْبَحْرِ، فَغَرِقَا جَمِيعاً، فَأَتى مُوسى عليه السلام الْخَبَرُ، فَقَالَ: هُوَ فِي رَحْمَةِ اللهِ، وَ لٰكِنَّ النَّقِمَةَ إِذَا نَزَلَتْ لَمْ يَكُنْ لَهَا عَمَّنْ قَارَبَ الْمُذْنِبَ دِفَاعٌ؛

کیا تمہیں یہ خوف نہیں ہے کہ اگر اس پر عذاب نازل ہوا تو تم سب کو اپنی گرفت میں لے لے؟ کیا تم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے ان شخص کی داستان نہیں سنی جس کا باپ فرعون کے ساتھیوں میں تھا اور فرعون کی فوج جناب موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کر رہی تھی تو یہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے لشکر سے نکل کر اپنے باپ کو نصیحت کرنے کے لئے اس کے پاس گیا تا کہ اسے جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لے آئے اور وہ اپنے باپ کے ساتھ چلا جارہا تھا اور اس کا باپ بھی اس سے فرار کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دریا کے قریب پہنچے اور عذاب الٰہی نازل ہوا اور دونوں فرعون کے لشکر کے ساتھ غرق ہو گئے جب یہ خبر جناب موسیٰ علیہ السلام کو ملی تو آپ نے جناب جبرئیل علیہ السلام سے اس کی حالت پوچھی؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا: خدا اس پر رحمت نازل کرے وہ غرق ہو گیا ہے۔ وہ اپنے باپ کے مذہب پر نہیں تھا لیکن جب عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو جو گناہگار کے نزدیک ہوتا ہے اسے بھی پناہ نہیں ملتی۔[1]

ان نکات کے پیش نظر ہم قرآن کریم اور معصومین علیہم السلام کی احادیث پر ایک نظر ڈالیں اور یہ دیکھیں کہ کیسے لوگ دوستی اور ہم نشینی کے لائق نہیں ہیں؟

① ۔سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جو آیات الٰہیہ اور دین خدا کا مذاق اڑاتے ہیں جیسا کہ اس درس کے شروع میں امام زین العابدین علیہ السلام کے قول کے ضمن میں سورۂ انعام کی آیت ۶۸ کا حوالہ ذکر ہوا ہے آپ نے دیکھا کہ خداوند عالم نے مومنین کو ان لوگوں کی ہم نشینی اور دوستی سے منع کیا ہے جو آیات الٰہیہ کا مذاق اڑانے کے لئے قرآن پڑھتے ہیں۔ اس طرح سورۂ مائدہ کی آیت ۵۷ میں کفار اور ان لوگوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے جو خدا کے دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ.[2]

اے ایمان والو! خبردار اہل کتاب میں جن لوگوں نے تمہارے دین کا مذاق اور تماشا بنا لیا ہے اور دیگر کفار کو بھی اپنا دوست اور سرپرست نہ بناؤ۔

② ۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی توہین کرتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے

[1] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۹

[2] سورہ مائدہ: آیت ۵۷

ہیں رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے شرع کا دور تھا، حجاز کے بت پرستوں میں ایک آدمی تھا جس کا نام ''عقبہ بن ابی معیط'' تھا وہ مشرک اور بت پرست ہونے کے باوجود مہمان نواز تھا ایک دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر اس کی طرف سے ہوا تو اس نے آپؐ سے درخواست کی کہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوجائیں۔ آپؐ نے فرمایا: جب تک تم مسلمان نہیں ہوگے میں تمہارے دسترخوان پر نہیں بیٹھوں گا جب اس نے دیکھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسترخوان پر بیٹھنے کے لئے ایسی شرط لگا دی ہے تو اس نے کلمہ شادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہوگیا اسی وقت عقبہ کے ایک دوست ''ابی'' کو جب یہ معلوم ہوا کہ عقبہ مسلمان ہوگیا ہے تو وہ ناراض ہوکر اس کے پاس آیا اور عقبہ کو برا بھلا کہا کہ ''تم اپنے دین سے خارج ہوگئے۔'' عقبہ نے جواب دیا: میرے مہمان نے یہ شرط کردی تھی کہ جب تک میں مسلمان نہ ہوجاؤں وہ میرے دسترخوان پر نہیں بیٹھے گا۔ ابی نے اس سے کہا: یا تم اپنے دین پر پلٹ آؤ اور پیغمبر کی توہین کرو یا آج سے میری اور تمہاری دوستی بالکل ختم ہے! ''ابی'' کے بہت اصرار پر عقبہ نے ایسا ہی کیا اور اسلام سے خارج ہوگیا اور آخر کار جنگ بدر میں سپاہ اسلام کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ ''ابی'' بھی جنگ اُحد میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور دونوں حالت شرک پر ہلاک ہوئے سورۂ فرقان کی آیت ۲۷/۲۹ اسی سلسلے میں نازل ہوئیں ہیں کہ جس میں عقبہ کی کہانی اور حالات بیان ہوئے ہیں۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا [1]

اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو ذکر کے آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کردیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہی ہے۔

اس آیت اور اس قصہ کے مطابق ایک دوست کے اوپر اس کے برے دوست کا اثر اور اسے گمراہ کرنے میں اس کا واضح کردار ہمیں متوجہ کررہا ہے کہ ایسے لوگوں کی دوستی سے پرہیز کریں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کسی بھی قسم کی جسارت کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

إِذَا ابْتُلِيتَ بِأَهْلِ النَّصْبِ وَ مُجَالَسَتِهِمْ فَكُنْ كَأَنَّكَ عَلَى الرَّضْفِ حَتَّى تَقُومَ فَإِنَّ اللهَ يَمْقُتُهُمْ وَ يَلْعَنُهُمْ فَإِذَا رَأَيْتَهُمْ يَخُوضُونَ فِي ذِكْرِ إِمَامٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ فَقُمْ فَإِنَّ سَخَطَ اللهِ يَنْزِلُ هُنَاكَ

[1] سورہ فرقان: آیت ۲۷ تا ۲۹

عَلَيْهِمْ. [۱]

اگر تم کبھی ناصبیوں (وہ لوگ جو اہلبیت علیہم السلام کی عظمت اوران کے حق کے منکر ہیں اوران کو برا بھلا کہتے ہیں) کے درمیان میں پھنس جاؤ تو اس طرح ہوجاؤ گویا جلتے ہوئے پتھر پر بیٹھے ہوتا کہ فوراً اٹھ جاؤ (یعنی اس جگہ سے جلد دور ہوجاؤ) اس لئے کہ خداوندعالم ان پرلعنت کرتا ہے اوراگر دیکھو کہ وہ ائمہ علیہم السلام میں سے کسی کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو وہاں سے اٹھ جاؤ اس لئے کہ خدا کا عذاب ان پر وہیں نازل ہوگا۔

نیز آپؑ فرماتے ہیں:

مَنْ قَعَدَ عِنْدَ سَبَّابٍ لِأَوْلِيَاءِ اللهِ فَقَدْ عَصَى اللهَ. [۲]

جو اولیائے الٰہی کو برا کہنے والوں کے پاس بیٹھے وہ خدا کا نافرمان بندہ ہے۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

فَلَا يَقْعُدَنَّ فِي مَجْلِسٍ يُعَابُ فِيهِ إِمَامٌ أَوْ يُنْتَقَصُ فِيهِ مُؤْمِن. [۳]

جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اس مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہئے جس میں کسی امام پر الزام تراشی کی جارہی ہو یا کسی مومن کی توہین ہورہی ہو۔

۳۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو دین میں بدعت اور اصول دین میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

إِذَا رَأَيْتُمْ أَهْلَ الرَّيْبِ وَ الْبِدَعِ مِنْ بَعْدِي فَأَظْهِرُوا الْبَرَاءَةَ مِنْهُمْ وَ أَكْثِرُوا مِنْ سَبِّهِمْ وَ الْقَوْلَ فِيهِمْ وَ الْوَقِيعَةَ وَ بَاهِتُوهُمْ كَيْلَا يَطْمَعُوا فِي الْفَسَادِ فِي الْإِسْلَامِ وَ يَحْذَرَهُمُ النَّاسُ وَ لَا يَتَعَلَّمُوا مِنْ بِدَعِهِمْ يَكْتُبِ اللهُ لَكُمْ بِذَلِكَ الْحَسَنَاتِ وَ يَرْفَعْ لَكُمْ بِهِ الدَّرَجَاتِ فِي الْآخِرَةِ. [۴]

میرے بعد جب بھی ایسے لوگوں کو دیکھنا جو دین میں شک وشبہ اور بدعتیں پیدا کرنے والے ہوں تو ان سے کھلم کھلا بیزاری کرتے رہنا اور جس قدر ممکن ہو ان پر لعن طعن کرنا، ان کے بارے میں گفتگو کرتے رہنا اور انہیں اس طرح خاموش کردینا کہ پھر ان کے اندر اسلام میں فساد برپا کرنے کی ہمت نہ ہو اور لوگوں کو ان سے دور کردو تا کہ وہ ان سے ان کی بدعتیں

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۵

[۲] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۸

[۳] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۸

[۴] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۱

نہ سیکھیں۔اس کے بدلے خدا تمہارے لئے بہترین نیکیاں لکھے گا اور آخرت میں تمہارے درجات کو بلند کرے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تَصْحَبُوا أَهْلَ الْبِدَعِ وَلَا تُجَالِسُوهُمْ فَتَصِيرُوا عِنْدَ النَّاسِ كَوَاحِدٍ مِنْهُمْ.[1]

قَالَ رَسُولُ اللهِ الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ وَقَرِينِه[2]

اہل بدعت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان کی ہم نشینی اختیار نہ کرنا۔ورنہ لوگ تمہیں بھی ان کا ہمجولی سمجھیں گے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انسان اپنے دوست اور ہم نشین کے دین پر ہوتا ہے۔

④۔چوتھے وہ لوگ ہیں جو شرارت پسند، فاسق، گناہ گار اور خدا کی نافرمانی کرنے والے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ أَنْ يُوَاخِيَ الْفَاجِرَ فَإِنَّهُ يُزَيِّنُ لَهُ فِعْلَهُ وَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ مِثْلَهُ وَ لَا يُعِينُهُ عَلَى أَمْرِ دُنْيَاهُ وَلَا أَمْرِ مَعَادِهِ وَمَدْخَلُهُ إِلَيْهِ وَمَخْرَجُهُ مِنْ عِنْدِهِ شَيْنٌ عَلَيْهِ.[3]

ایک مسلمان کو کسی فاسق و فاجر سے رابطہ نہیں رکھنا چاہئے اس لئے کہ وہ اس مسلمان کے سامنے اپنے عمل کو اچھا بنا کر ظاہر کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ مسلمان بھی اس جیسا ہو جائے اور اس کی دنیا و آخرت کے بارے میں اس کی مدد نہیں کرتا اور اس کے ساتھ رفت و آمد رکھنے میں مسلمان کی ذلت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

لَا يَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِ أَنْ يُوَاخِيَ الْفَاجِرَ وَلَا الْأَحْمَقَ وَلَا الْكَذَّاب.[4]

مسلمان کو فاجر، احمق اور جھوٹے سے دوستی نہیں رکھنا چاہئے۔

نیز آپؑ فرماتے ہیں:

لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَجْلِسَ مَجْلِساً يُعْصَى اللهُ فِيهِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى تَغْيِيرِه.[5]

مومن کو اس مجلس (اجتماع) میں شریک نہیں ہونا چاہئے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور اس مجلس میں اس کا کچھ بس

---

[1] اصول کافی: ج ۲ ص ۶۴۲

[2] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۰

[3] اصول کافی: ج ۲ ص ۶۴۰، حدیث ۲

[4] اصول کافی: حدیث ۳

[5] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۸

بھی نہ چلتا ہو۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مُجَالَسَةُ الْأَشْرَارِ تُورِثُ سُوءَ الظَّنِّ بِالْأَخْيَارِ وَ مُجَالَسَةُ الْأَخْيَارِ تُلْحِقُ الْأَشْرَارَ بِالْأَخْيَارِ وَ مُجَالَسَةُ الْفُجَّارِ لِلْأَبْرَارِ تُلْحِقُ الْفُجَّارَ بِالْأَبْرَارِ فَمَنِ اشْتَبَهَ عَلَيْكُمْ أَمْرُهُ وَلَمْ تَعْرِفُوا دِينَهُ فَانْظُرُوا إِلَى خُلَطَائِهِ فَإِنْ كَانُوا أَهْلَ دِينِ اللهِ فَهُوَ عَلَى دِينِ اللهِ وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا عَلَى دِينِ اللهِ فَلَا حَظَّ لَهُ فِي دِينِ اللهِ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤَاخِيَنَّ كَافِراً وَ لَا يُخَالِطَنَّ فَاجِراً وَمَنْ آخَى كَافِراً أَوْ خَالَطَ فَاجِراً كَانَ فَاجِراً كَافِراً.[1]

برے لوگوں کے ساتھ اچھے لوگوں کی ہم نشینی سے لوگوں میں نیک افراد کے بارے میں بدظنی پیدا ہو جاتی ہے اور نیک لوگوں کی ہم نشینی کی وجہ سے برے بھی ان سے گھل مل جاتے ہیں اگر کوئی اچھا انسان فاجروں کا ہم نشین ہو جائے تو وہ بھی انہی فاجروں سے مل جاتا ہے۔ لہٰذا اگر تم یہ نہ سمجھ سکو کہ یہ انسان کیسا ہے تو اس کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کو دیکھو اگر وہ خدا کے دین پر ہوں تو وہ بھی خدا کے دین پر ہے اور اگر وہ خدا کے دین پر نہ ہوں تو وہ بھی خدا کے دین سے دور ہے رسول اکرم فرماتے ہیں: جو شخص خدا اور روز قامت پر ایمان رکھتا ہے اسے کافر کے ساتھ برادری بھی نہیں رکھنا چاہیئے نہ ہی فاجر کا ہم نشین اور ساتھی ہونا چاہیئے جو کافر کے ساتھ برادری یا فاجر کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرتا ہے وہ خود کافر و فاجر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

إِيَّاكَ وَ مُصَاحَبَةَ الْفُسَّاقِ فَإِنَّ الشَّرَّ بِالشَّرِّ مُلْحَقٌ.[2]

فاسقوں کی صحبت سے بچو! اس لئے کہ برائی برائی سے مل ہی جاتی ہے؟

⑤۔ پانچویں وہ لوگ ہیں جن کا دین، اخلاق، کردار اور فہم و شعور زیادہ نہیں ہے اگر چہ وہ فاسق نہ ہوں جیسے جھوٹا، بے حیاء، کنجوس احمق اور بے وفا یہ سب بھی ان ہی میں شامل ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

يَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَجْتَنِبَ مُوَاخَاةَ ثَلَاثَةٍ الْمَاجِنِ وَ الْأَحْمَقِ وَ الْكَذَّابِ.[3]

مسلمان کو چاہیئے کہ تین لوگوں سے بھائی چارہ نہ رکھے، بے حیا، احمق اور جھوٹا۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۱
[2] بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۷۰۷
[3] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۳

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

قال ابی علی بن الحسین علیہ السلام: یَا بُنَیَّ انْظُرْ خَمْسَةً فَلَا تُصَاحِبْهُمْ وَلَا تُحَادِثْهُمْ وَلَا تُرَافِقْهُمْ فِي طَرِيقٍ فَقُلْتُ يَا أَبَتِ مَنْ هُمْ عَرِّفْنِيهِمْ قَالَ إِيَّاكَ وَ مُصَاحَبَةَ الْكَذَّابِ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَةِ السَّرَابِ يُقَرِّبُ لَكَ الْبَعِيدَ وَ يُبَعِّدُ لَكَ الْقَرِيبَ وَ إِيَّاكَ وَ مُصَاحَبَةَ الْفَاسِقِ فَإِنَّهُ بَائِعُكَ بِأُكْلَةٍ أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ وَ إِيَّاكَ وَ مُصَاحَبَةَ الْبَخِيلِ فَإِنَّهُ يَخْذُلُكَ فِي مَالِهِ أَحْوَجَ مَا تَكُونُ إِلَيْهِ وَإِيَّاكَ وَمُصَاحَبَةَ الْأَحْمَقِ فَإِنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَنْفَعَكَ فَيَضُرُّكَ وَ إِيَّاكَ وَ مُصَاحَبَةَ الْقَاطِعِ لِرَحِمِهِ فَإِنِّي وَجَدْتُهُ مَلْعُوناً فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ فِي ثَلَاثَةِ مَوَاضِعَ.[1]

میرے والد بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: بیٹا پانچ لوگوں کی صحبت سے بچو۔ ان سے بات نہ کرو اور کسی راہ میں ان کے ساتھ نہ چلو۔

میں نے کہا: بابا وہ کون لوگ ہیں؟ مجھے ان کی پہچان بتا دیجئے۔

آپ نے فرمایا: جھوٹے کی صحبت سے بچو اس لئے کہ وہ سراب کی طرح ہے۔ وہ تمہیں دور کی چیز کو نزدیک اور نزدیک کو دور کی طرح دکھائے گا۔

فاسق کی صحبت وہم نشینی سے پرہیز کرو۔ اس لئے کہ تمہیں ایک لقمہ یا اس سے کم کے بدلے بیچ ڈالے گا۔

بخیل کی صحبت سے بچو اس لئے کہ وہ تمہاری سخت پریشانی اور مشکل میں بھی تمہیں اپنا مال نہیں دے گا۔

احمق کی صحبت وہم نشینی سے پرہیز کرو اس لئے کہ وہ تمہیں فائدہ پہنچانے کی فکر میں نقصان پہنچا دے گا۔

اسی طرح قاطع رحم (جو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے رابطہ ختم کر لیتا ہے) کی صحبت سے بچو اس لئے کہ قرآن میں اس پر تین مقامات پر لعنت کی گئی ہے۔

پھر امام نے ان آیات کی تلاوت فرمائی جن میں قاطع رحم پر لعنت کی گئی ہے اور وہ آیتیں یہ ہیں:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ.[2]

تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ تم صاحب اقتدار بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو اور قرابتداروں سے قطع تعلقات کر لو یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۲۹

[2] سورہ محمد ۲۲/۲۳

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ.[1]

اور جو لوگ عہدِ خدا کو توڑ دیتے ہیں اور جن سے تعلقات کا حکم دیا گیا ہے ان سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لئے لعنت اور بدترین گھر ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ.[2]

جو خدا کے ساتھ مضبوط عہد کرنے کے بعد بھی اسے توڑ دیتے ہیں اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً خسارہ والے ہیں۔

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَرْبَعَةٌ يَذْهَبْنَ ضَيَاعاً مَوَدَّةٌ تَمْنَحُهَا مَنْ لَا وَفَاءَ لَهُ وَ مَعْرُوفٌ عِنْدَ مَنْ لَا يَشْكُرُ لَهُ وَ عِلْمٌ عِنْدَ مَنْ لَا اسْتِمَاعَ لَهُ وَ سِرٌّ تُودِعُهُ عِنْدَ مَنْ لَا حَصَافَةَ لَهُ.[3]

چار چیزیں ضائع ہوجاتی ہیں، سب سے پہلے وہ دوستی ہے جو بے وفا کے ساتھ کی جائے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تُقَارِنْ وَ لَا تُؤَاخِ أَرْبَعَةً الْأَحْمَقَ وَ الْبَخِيلَ وَ الْجَبَانَ وَ الْكَذَّابَ أَمَّا الْأَحْمَقُ فَإِنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَنْفَعَكَ فَيَضُرُّكَ وَ أَمَّا الْبَخِيلُ فَإِنَّهُ يَأْخُذُ مِنْكَ وَ لَا يُعْطِيكَ وَ أَمَّا الْجَبَانُ فَإِنَّهُ يَهْرُبُ عَنْكَ وَ عَنْ وَالِدَيْهِ وَ أَمَّا الْكَذَّابُ فَإِنَّهُ يَصْدُقُ وَ لَا يُصَدَّقُ.

چار لوگوں کے ساتھ نہ رہنا اور ان سے برادری اور ہم نشینی کا رابطہ نہ رکھنا: احمق، کنجوس، بزدل اور کذاب (جھوٹا) اس لئے کہ احمق تمہیں فائدہ پہنچانے کے خیال میں نقصان پہنچائے گا اور بخیل تم سے لے گا لیکن تمہیں کچھ دے گا نہیں اور بزدل (خطرہ کے وقت) تم سے اور اپنے والدین سے فرار کر جاتا ہے اور جھوٹا اگر سچ بھی بولتا ہے تب بھی اس کی بات کا کوئی یقین نہیں کرتا ہے۔[4]

---

[1] رعد: ۲۵

[2] البقرہ: ۲۷

[3] بحار الانوار: ج ۲، باب ۱۳، حدیث ۲۱

[4] بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۸

خلاصہ

قرآن وحدیث میں مومنین کو ایسے لوگوں کی دوستی اور ہم نشینی سے منع گیا ہے جن کے عقائد واخلاق اور کردار وعمل برا اور خراب ہو یا مومنین کے دین اخلاق اور کردار میں ان کی وجہ سے کوئی کمزوری یا برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔

سوالات

۱۔ ہر کسی سے کیوں دوستی نہیں کی جاسکتی ہے؟
۲۔ جس کے عقائد خراب اور برے ہوں اس کی ہم نشینی میں کیا خرابی ہے؟
۳۔ ''عقبہ بن ابی معیط'' کے واقعہ سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

باب۔ ۲۴

غیبت ①

پچھلے درس میں ہم نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اسلام کا اجتماعی نظام معاشرت اور طرز زندگی کچھ خاص اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ نیک صفات و عادات پر مشتمل ان اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے اور سماجی زندگی میں لوگوں کے ساتھ رہنے کے لئے ان کی پابندی ضروری ہے۔ مثلاً تواضع، انصاف، خوش اخلاقی، اور وعدہ وفائی وغیرہ۔ جن کی وضاحت ہم پچھلے دروس میں بیان کر چکے ہیں۔

بعض اصول ان صفات و عادات پر مشتمل ہیں کہ جن کی وجہ سے مومنین کے آپسی روابط درہم و برہم ہو جاتے ہیں لہٰذا ان چیزوں سے گریز بھی اسلام کے اجتماعی آداب میں شامل ہے اور تمام مومنین کا شرعی فریضہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کریں اور اگر مومنین ان اصولوں پر واقعاً عمل پیرا ہو جائیں تو ایک صاف ستھرا سماج وجود میں آ جائے گا۔

ان بری صفات اور خصلتوں میں سب سے پہلی خصلت ''غیبت'' ہے لہٰذا غیبت سے متعلق مندرجہ ذیل چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

ا۔ غیبت کی تعریف

لغت میں غیبت کے معنی ہیں ''کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی کرنا'' لیکن شریعت اور علم اخلاق کی رو سے غیبت سے مراد ہے ''کسی مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے نقائص اور عیوب کو اس طرح بیان کرنا کہ اگر وہ انہیں سن لے تو اسے برا لگے۔'' یہ برائی اور عیب چاہے دینی اور اخلاقی ہو یا اس کے جسم میں کوئی نقص پایا جاتا ہو یہاں تک کہ کسی کے گھر اور اس کے اسباب زندگی کے نقائص کو بیان کرنا بھی غیبت ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

مَا الْغِيبَةُ قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُهُ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِنْ كَانَ فِيهِ ذَاكَ الَّذِى يُذْكَرُ بِهِ.

قَالَ: اعْلَمْ إِذَا ذَكَرْتَهُ بِمَا هُوَ فِيهِ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِذَا ذَكَرْتَهُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ. [1]

غیبت کسی مومن بھائی کی ایسی بات کو بیان کرنا جو اسے بری لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اگر اس میں وہ عیب پایا جاتا ہو تب بھی وہ غیبت ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اگر وہ عیب اس میں پایا جاتا اور تم نے اسے بیان کیا تب ہی تو غیبت ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہیں پایا جاتا اور تم نے اس کی طرف منسوب کر دیا تو یہ اس پر تہمت ہے۔

روایت میں ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آپ کے کچھ اصحاب کسی شخص کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ فلاں شخص کتنا عاجز و مجبور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی ہے۔

انہوں نے عرض کی: جو (نقص) اس کے اندر ہے ہم نے وہی بیان کیا ہے۔

آنحضرت نے فرمایا: جو کچھ اس کے اندر (نقص) نہیں ہے اگر تم وہ بیان کرتے تو یہ اس پر تہمت ہوتی۔ [2]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الْغِيبَةُ أَنْ تَقُولَ فِي أَخِيكَ مَا سَتَرَهُ اللهُ عَلَى. [3]

غیبت یہ ہے کہ تمہارے مومن بھائی کے جن عیوب کو خداوند عالم نے چھپا رکھا ہے اسے بیان کر دو۔

غیبت کی مذکورہ تعریف اور اس سے متعلق روایات کے پیش نظر یہ بات واضح ہو جاتی کہ مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ ہی غیبت ہو سکتی ہے یعنی اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو اسے غیبت کہا جاتا ہے۔

اول: کسی کے پوشیدہ عیوب کو عیاں کرنے کا قصد ہو۔ ورنہ جو عیوب آشکار ہیں انہیں بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔ (اگرچہ ممکن ہے کسی دوسرے اعتبار سے گناہ ہو)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۲، ص ۲۲۲

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، ح ۷

[3] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۷

مَنْ ذَکَرَ رَجُلًا مِنْ خَلْفِهِ بِمَا هُوَ فِيهِ مِمَّا عَرَفَهُ النَّاسُ لَمْ يَغْتَبْهُ، وَمَنْ ذَكَرَهُ مِنْ خَلْفِهِ بِمَا هُوَ فِيهِ مِمَّا لَا يَعْرِفُهُ النَّاسُ اغْتَابَهُ، وَمَنْ ذَكَرَهُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَهُ.[۱]

اگر کوئی شخص کسی کی عدم موجودگی میں اس کی وہ کمی بیان کرے جس کو سب جانتے ہوں تو یہ غیبت نہیں ہے لیکن اگر اس کا کوئی ایسا عیب جسے لوگ نہ جانتے ہوں بیان کرے تو اس کی غیبت ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے اور اسے اس کی طرف نسبت دے دے تو یہ اس پر تہمت لگانا ہے۔

دوسرے: جو عیب اور نقائص بیان کئے جا رہے ہیں وہ اس میں موجود ہونا چاہئے ورنہ غیبت نہیں ہے بلکہ تہمت ہے۔

تیسرے: اس شخص کو تکلیف دینا مقصود ہو۔ ورنہ اگر کوئی مصلحت ہو تو وہ غیبت نہیں ہوگی۔ مثلاً کسی کی بیماری ڈاکٹر کے سامنے بیان کرنا۔

چوتھے: جس کی غیبت جاری ہے وہ مومن ہو۔ لہٰذا کافروں اور مشرکوں کی غیبت کی جاسکتی ہے۔

پانچویں: جس شخص کی غیبت کی جارہی ہے سننے والے اس کو جانتے ہوں۔ لہٰذا اگر کسی انجانے شخص کی کوئی بات بیان کی جائے تو یہ غیبت نہیں ہے۔

چھٹے: جس کی غیبت کی جارہی ہے وہ کھلے عام گناہ نہ کرتا ہو اس لئے کہ جو شخص کھلے عام گناہ کرتا ہے اسے اپنی آبرو کی پروا نہیں ہوتی یعنی اسے اس کی فکر نہیں ہوتی کہ لوگ اس کے عیوب اور گناہ سے باخبر ہیں یا نہیں۔

۲۔ غیبت کی حرمت

غیبت کتنا بڑا گناہ اور حرام کام ہے اور شریعت کی نظر میں یہ کس قدر قبیح فعل ہے اس سے واقفیت کے لئے مندرجہ ذیل آیات و روایات ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ گناہوں اور بری عادتوں سے خداوند عالم کتنا ناراض اور غضب ناک ہوتا ہے اور معصومین کو ان باتوں سے کتنی نفرت ہے اس کا اندازہ ان حضرات کے کلام سے موجود تعبیرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ.[۲]

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۶

[۲] سورہ حجرات: آیت ۱۲

ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔

اس آیت میں جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کو مردہ فرض کیا ہے اور غیبت مردہ کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔شاید اس لئے ہو کہ مومن بھائی کی غیبت کرنا گویا اس کو قتل کرنا اور اس کا گوشت کھانا ہے اس لئے کہ غیبت کے نتیجہ میں اس شخص کی عزت و آبرو سب ختم ہو جاتی ہے جس کی تلافی کا کوئی امکان نہیں ہوتا جیسے کہ قتل ہو جانے کے بعد تلافی ممکن نہیں ہوتی۔غیبت کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی عزت محفوظ رہے اور جس طرح ایک مسلمان کی جان اور مال قابل احترام ہے اور ان کا تحفظ ضروری ہے اسی طرح اس کی عزت و آبرو بھی قابل احترام ہے ان کا بھی تحفظ واجب و لازم ہے تو جس طرح ایک مسلمان کا قتل گناہ کبیرہ اور حرام ہے اسی طرح اس کی توہین کر کے اسے بے آبرو کرنا بھی گناہ کبیرہ اور احرام ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَ مَالُهُ وَ عِرْضُه.[1]

مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

چونکہ غیبت سے دراصل ایک مسلمان کی بے عزتی اور توہین ہوتی ہے لہٰذا ایک مسلمان کی آبرو بچانا اور اس کا دفاع کرنا ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے اور جو اس فریضہ کو اچھی طرح انجام دیتا ہے وہ خدا کی رضا حاصل کرتا ہے۔اسی طرح جو فریضہ کو انجام دے سکتا ہے لیکن اسے انجام نہیں دیتا وہ خداوند عالم کے قہر و غضب کا مستحق ہے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

مَنْ أُذِلَّ عِنْدَهُ مُؤْمِنٌ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَنْصُرَهُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ أَذَلَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ.[2]

اگر کسی کے سامنے کسی مومن کو ذلیل کیا جائے اور وہ اس کی مدد کر سکتا ہو لیکن مدد نہ کرے تو خداوند عالم اسے قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل کرے گا۔

دوسری جانب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ بِالْغَيْبِ كَانَ حَقّاً عَلَى اللهِ أَنْ يَرُدَّ عَنْ عِرْضِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[3]

جو اپنے برادر مومن کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کا دفاع کرتا ہے تو خداوند عالم روز قیامت اس کی آبرو کو محفوظ

---

[1] کنز العمال: ج ۱، ص ۱۵۰، حدیث ۷۴۷

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

[3] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

رکھنے کواپنے اوپر واجب قرار دیتا ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ ذَبَّ عَنْ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ الْغِيبَةَ كَانَ حَقّاً عَلَى اللهِ أَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ.[1]

جو اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کا دفاع کرتا ہے خداوند عالم اپنے اوپر یہ واجب قرار دیتا ہے کہ اسے آتش جہنم سے آزاد کردے۔

قرآن کریم نے غیبت کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے غیبت کے اندر موجود برائی کا اندازہ ہوجاتا ہے اس لئے کہ ایسے الفاظ کسی اور گناہ کے لئے استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔

آیہ شریفہ کے ذیل میں یہ بات بھی قابل توجہ اور لائق ذکر ہے کہ روز قیامت غیبت کرنے والے کو یہ حکم دیا جائے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ أَكَلَ لَحْمَ أَخِيهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ إِلَيْهِ لَحْمُهُ فِي الْآخِرَةِ فَقِيلَ لَهُ كُلْهُ مَيِّتاً كَمَا أَكَلْتَهُ حَيّاً فَيَأْكُلُهُ فَيَصِيحُ وَيَكْلَحُ وَيَضِجُّ.[2]

جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے اسے روز قیامت اس کے پاس لایا جائے گا جس کی اس نے غیبت کی تھی اور پھر اس سے یہ کہا جائے گا کہ جس طرح اس کی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب یہ مردہ ہے اب پھر اس کا گوشت کھا۔ چنانچہ وہ اسے کھائے گا مگر اس سے کراہت محسوس کرے گا اور فریاد کرے گا۔

اسی طرح آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي. عَلَى قَوْمٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ بِأَظْفَارِهِمْ فَقُلْتُ يَا جَبْرَئِيلُ مَنْ هَؤُلَاءِ فَقَالَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَغْتَابُونَ النَّاسَ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ.[3]

جس رات مجھے معراج پر لے جایا گیا میرا گذر کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے ہوا جو اپنے چہروں کو اپنے ناخنوں سے نوچ رہے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرکے انہیں بے عزت کرتے تھے۔

غیبت کے سلسلہ میں جو روایتیں موجود ہیں ان میں سے ایک روایت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے جس میں

---

[1] محجۃ البیضاء: ج۵، ص۲۶۱

[2] فتح الباری: ج۱۰، ص۳۹۲

[3] بحار الانوار: ج۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

آپ نے غیبت کو زنا سے بدتر قرار دیا ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں:

إِيَّاكُمْ وَ الْغِيبَةَ فَإِنَّ الْغِيبَةَ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا إِنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَزْنِي وَ يَتُوبُ فَيَتُوبُ اللهُ عَلَيْهِ وَ إِنَّ صَاحِبَ الْغِيبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهُ حَتَّى يَغْفِرَ لَهُ صَاحِبُهُ.[1]

غیبت سے پرہیز کرو اس لئے کہ غیبت زنا سے بدتر ہے۔ کیونکہ زنا کرنے والا اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر سکتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کی بخشش اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کو راضی نہ کر لے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں غیبت کو سود سے بدتر بتایا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

إِنَّ الدِّرْهَمَ يُصِيبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ فِي الْخَطِيئَةِ مِنْ سِتٍّ وَ ثَلَاثِينَ زَنْيَةً يَزْنِيهَا الرَّجُلُ وَ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ.[2]

ایک درہم سود کا گناہ خداوند عالم کے نزدیک چھتیس زنا سے زیادہ ہے اور سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی آبرو (کا سودا کرنا) ہے۔

غیبت اس لحاظ سے بھی قابل مذمت ہے کہ یہ ''اشاعۂ فحشاء'' برائی کے رواج کا ذریعہ ہے اسلام میں برائی کی ترویج ''اشاعۂ فحشاء'' خود ایک گناہ کبیرہ ہے جس کے سلسلہ میں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.[3]

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ صاحبانِ ایمان میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَا رَأَتْهُ عَيْنَاهُ وَ سَمِعَتْهُ أُذُنَاهُ فَهُوَ مِنَ الَّذِينَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ- إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذابٌ أَلِيمٌ.[4]

جو شخص کسی مومن کے اس عیب کو بیان کرے جس کو خود اس کی آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہو تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے لئے قرآن کریم میں یہ ارشاد ہے ''یہ وہ لوگ ہیں جو مومنین کے درمیان فحشا اور برائی پھیلانا چاہتے ہیں

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۱، حدیث ۱

[3] سورہ نور: آیت ۱۹

[4] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۲

امامؑ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''آنکھوں نے دیکھا اور کانوں سے سنا ہوا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وہ عیب ونقص اس کے لئے اتنا واضح ہو کہ اسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا کانوں سے سنا ہو لیکن دوسرے لوگ اس سے آگاہ نہیں ہیں اور وہ اسے ان سے بیان کردے تو یہی غیبت ہے۔ گویا امام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس نے غیبت کی ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

روایات میں غیبت کو جہنم کے کتوں کی غذا بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِجْتَنِبِ الْغِيبَةَ فَإِنَّهَا إِدَامُ كِلَابِ النَّارِ.[1]

غیبت سے پرہیز کرو اس لئے کہ غیبت جہنم کے کتوں کی غذا ہے۔

امام حسینؑ نے بھی ایک شخص کو غیبت کرتے دیکھا تو فرمایا:

يَا هَذَا كُفَّ عَنِ الْغِيبَةِ فَإِنَّهَا إِدَامُ كِلَابِ النَّارِ.[2]

اے شخص! غیبت نہ کرو! اس لئے کہ یہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام بھی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

إِيَّاكَ وَ الْغِيبَةَ فَإِنَّهَا إِدَامُ كِلَابِ أَهْلِ النَّارِ وَ اعْلَمْ أَنَّ مَنْ أَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِ عُيُوبِ النَّاسِ شَهِدَ عَلَيْهِ الْإِكْثَارُ أَنَّهُ إِنَّمَا يَطْلُبُهَا بِقَدْرِ مَا فِيهِ.[3]

غیبت سے بچو اس لئے کہ وہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے اور یاد رکھو کہ جو دوسروں کے عیوب کو زیادہ بیان کرتا ہے تو اس کی یہ فضول گوئی اس بات کی دلیل ہے کہ خود اپنے اندر پائی جانے والی برائیوں کو دوسرے لوگوں میں تلاش کرتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جس کے اندر جتنی برائیاں پائی جاتی ہیں اتنا ہی وہ دوسروں کے عیوب کو تلاش کر کے بیان کرتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ذَوُوا الْعُيُوبِ يُحِبُّونَ إِشَاعَةَ مَعَايِبِ النَّاسِ لِيَتَّسِعَ لَهُمُ الْعُذْرُ فِي مَعَايِبِهِمْ.[4]

جن کے اندر عیب اور نقص پایا جاتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے عیوب بھی فاش ہو جائیں تاکہ ان کو اپنے عیوب کے لئے بہانہ مل جائے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ٦٦، حدیث ١٣

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۲۰، حدیث ۲

[3] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ٦٦، حدیث ۸

[4] غرر الحکم: ج ۴، ص ۳۸

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ غیبت کرنے والے کا دین ایمان اور اس کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الْغِيبَةُ حَرَامٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَإِنَّهَا لَتَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَب.[1]

ہر مسلمان پر غیبت حرام ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اسی طرح غیبت انسان کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ

الْغِيبَةُ أَسْرَعُ فِي دِينِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْأَكِلَةِ فِي جَوْفِه.[2]

غیبت کا (برا اثر) مسلمان کے دین پر اس سے کہیں جلدی ہوتا ہے جتنا اس کے جسم پر جذام کا اثر ہوتا ہے۔

ایک اور رویت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

يُؤْتَى بِأَحَدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُوقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ يُدْفَعُ إِلَيْهِ كِتَابُهُ فَلَا يَرَى حَسَنَاتِهِ فَيَقُولُ إِلَهِي لَيْسَ هَذَا كِتَابِي فَإِنِّي لَا أَرَى فِيهَا طَاعَتِي فَيُقَالُ إِنَّ رَبَّكَ لَا يَضِلُّ وَ لَا يَنْسَى ذَهَبَ عَمَلُكَ بِاغْتِيَابِ النَّاسِ ثُمَّ يُؤْتَى بِآخَرَ وَ يُدْفَعُ إِلَيْهِ كِتَابُهُ فَيَرَى فِيهِ طَاعَاتٍ كَثِيرَةً فَيَقُولُ إِلَهِي مَا هَذَا كِتَابِي فَإِنِّي مَا عَمِلْتُ هَذِهِ الطَّاعَاتِ فَيَقُولُ إِنَّ فُلَاناً اغْتَابَكَ فَدُفِعَتْ حَسَنَاتُهُ إِلَيْك

قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال اسے دیا جائے گا جب وہ اپنا نامہ اعمال دیکھے گا تو وہ اپنی نیکیاں اس میں نہیں پائے گا تو کہے گا: خداوند! یہ میرا نامہ اعمال نہیں ہے اس لئے کہ اس میں میری نیکیاں ہی نہیں ہیں تو اس سے کہا جائے گا تمہارا خدا کوئی غلطی یا خطا نہیں کرتا بلکہ تم نے لوگوں کی جو غیبت کی ہیں اس کی بنا پر تمہارے اعمال ختم ہو گئے پھر ایک دوسرے شخص کو لایا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال اسے دیا جائے گا تو وہ اس میں بہت سی نیکیاں دیکھے گا تو وہ کہے گا: خداوند! یہ میرا نامہ اعمال نہیں ہے اس لئے کہ اس میں جو نیکیاں ہیں یہ تو میں نے نہیں کی تھیں تو اس سے کہا جائے گا: چونکہ فلاں شخص نے تمہاری غیبت کی تھی اس لئے اس کی نیکیاں تم کو مل گئیں ہیں۔[3]

کسی بزرگ سے منقول ہے کہ: جب انہیں بتایا گیا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو وہ مسکرائے اور کہا اس کے گھر مٹھائی بھیجو اور کہلا دو کہ ''میں نے سنا ہے کہ تم نے کچھ نیکیاں میرے نامہ اعمال میں بھیجی ہیں لہٰذا شکریہ کے طور پر یہ مٹھائی میری طرف سے قبول کرلو۔''

---

[1] کشف الریبہ: ص ۹

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

[3] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۵

خلاصہ

غیبت یعنی کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی کرنا، شریعت اسلام میں غیبت اس لئے حرام ہے کہ غیبت سے دوسروں کے سامنے ایک مسلمان کی توہین اور بے عزتی ہوتی ہے۔ غیبت سود، زنا اور اشاعہ فحشا جیسے گناہوں سے بھی بدتر ہے۔

سوالات

۱۔ غیبت کی تعریف بیان کیجئے؟

۲۔ غیبت کے شرائط میں سے دو شرطیں بیان کیجئے؟

۳۔ قرآن کریم نے غیبت کرنے والے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے سے کیوں تشبیہ دی ہے؟

۴۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کو کیوں واجب قرار دیا ہے؟

باب۔ ۲۵

غیبت ۲

۳۔غیبت کی وجوہات

گزشتہ درس میں ہم نے پڑھا کہ غیبت کتنی بری چیز اور گناہ کبیرہ ہے اور ہم نے دیکھا کہ اجتماعی زندگی میں اس کا کتنا برا اثر پڑتا ہے اور آخرت میں اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔اس درس میں ہم یہ دیکھیں گے کہ غیبت کے اسباب کیا ہیں تا کہ اس سے بچنے کے طریقوں سے آگاہ ہوسکیں۔علمائے اخلاق نے بیان کیا ہے کہ آٹھ وجوہات کی بنا پر انسان کسی کی غیبت کرتا ہے۔

ا۔تسکین قلب

بہت سے لوگ اس لئے غیبت کرتے ہیں اور لوگوں کے عیوب کو فاش کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں تا کہ خود ان کے عیوب چھپ جائیں یا بالکل معمولی نظر آئیں۔

یہ لوگ جب اپنے نقائص کو دیکھتے ہیں تو انہیں دور کرنے کی کوشش کے بجائے دوسروں کے نقائص اور عیوب کو عیاں کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کو بتا سکیں کہ یہ کمی اور عیب صرف میرے ہی اندر نہیں بلکہ فلاں کا عیب مجھ سے زیادہ ہے یعنی میرا عیب اور گناہ تو بہت کم اور معمولی چیز ہے۔اس طرح وہ اپنے دل کو مطمئن کرتے ہیں اگر اس وجہ سے کوئی غیبت میں مبتلا ہوجائے تو وہ اپنے گناہوں میں ایک اور بڑے گناہ کا اضافہ کرلیتا ہے۔اس لئے کہ ہر انسان خود اپنے عمل اور کردار کا ذمہ دار ہے اور اس بہانے سے کہ دوسرا اس سے زیادہ گناہ گار ہے توبہ اور اصلاح کی کوشش نہیں کرتا اس کے پچھلے گناہ

تو اپنی جگہ باقی رہتے ہی ہیں ان پر غیبت جیسے گناہ کبیرہ کا اضافہ بھی ہوجاتا ہے۔

۲۔فخر ومباہات

بعض لوگ دوسروں کے نقائص وعیوب کولوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تا کہ ان کی تحقیر کر کے اپنے کو صاحب فضل وکمال ظاہر کرسکیں مثلاً کہتے ہیں فلاں شخص ایسا، ویسا ہے اور اسے کچھ نہیں آتا اور سامنے والے کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں یہ مسائل معلوم ہیں اور اس قسم کا نقص ہمارے اندر نہیں پایا جاتا جب کہ بسااوقات سننے والا اسی بات سے اس کے فضل وکمال کو ماننے کے بجائے یہ جان لیتا ہے کہ یہ انسان ''خود پسند'' اور ''مغرور'' ہے۔

۳۔توہین

کچھ غیبت کرنے والے صرف دوسروں کے عیوب ونقائص کا مذاق اڑانے کے لئے ان کی غیبت کرتے ہیں ہم اس بری خصلت کے بارے میں ستائیسویں درس میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

۴۔حسد

غیبت کی ایک اور وجہ ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والا جب خود کو دوسروں کے مقابلہ میں کمزور اور کم تر محسوس کرتا ہے اور اپنے اندر وہ اچھائیاں نہیں پاتا جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں تو اسے ان سے حسد ہونے لگتا ہے اور پھر وہ ان کی عیب جوئی اور غیبت کر کے یہ کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کی نظر میں ان کی عزت ووقعت کم ہوجائے تا کہ وہ لوگوں کی نظر میں صاحب عزت بن جائے۔

۵۔دوسروں کی نقل

اکثر جگھوں پر جب لوگ اپنے دوستوں اور احباب کے ساتھ اکٹھا ہوجاتے ہیں تو ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں اور پھر عام طور سے کسی نہ کسی کی اچھائیاں یا برائیاں بیان ہونے لگتی ہیں اور ہر آدمی اپنی بات کہتا ہے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ان کے درمیان گھل مل جانے اور انہیں خوش کرنے کے لئے دوسروں کی غیبت اور عیب جوئی شروع کردیتا ہے ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اس مجمع کے ہمنوانہ ہوں گے تو یہ لوگ اس سے ناراض ہوجائیں گے حالانکہ یہ طے ہے کہ دوسروں کی موافقت اور ہمنوائی وہیں تک اچھی بات ہے جہاں تک انسان گناہ اور حرام میں مبتلا نہ ہو۔حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں کی رضا

کے لئے خدا کو ناراض نہیں کرنا چاہئے قرآن کریم میں ہے کہ بعض لوگ گناہ گاروں کے ہم نشین ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

فِیۡ جَنّٰتٍ ۛ یَتَسَآءَلُوۡنَ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ وَلَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ کُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ۔[1]

جو جنتوں میں آپس میں ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہوں گے مجرمین کے بارے میں، آخر تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچا دیا ہے وہ کہیں گے ہم نماز گذار نہیں تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے لوگوں کے برے کاموں میں شامل ہو جایا کرتے تھے۔

۶۔ پیش بندی

دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اگر یہ خیال پیدا ہو جائے کہ فلاں شخص ہمارے بارے میں کچھ کہہ سکتا ہے تو اس کی بات کو بے اثر کرنے کے لئے وہ پہلے ہی اس کے عیوب اور نقائص کو بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ اگر وہ شخص اس کے بارے میں کچھ کہے بھی تو سننے والوں کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہ رہے۔

۷۔ اظہار تعجب

جب کسی گناہ یا برائی کی بات آتی ہے تو بعض لوگ تعجب کا اظہار کرتے ہوتے کہتے ہیں، ''تعجب ہے کہ فلاں آدمی نے ایسا کام کیا؟'' یہ اظہار تعجب غیبت کا بہانہ ہوتا ہے تاکہ اس طرح کسی کا نام لئے بغیر ان کے برے کام اور گناہوں سے نفرت کا اظہار کرے تو جہ رہے کہ جس طرح گناہ اور برائی کا ارتکاب تعجب اور حیرت کا باعث ہے اسی طرح غیبت بھی ایک گناہ کبیرہ ہے جو بعض لوگوں کے لئے تعجب و حیرت کا باعث ہوتی ہے۔

۸۔ اظہار ترحم

بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب کسی گناہ یا غیبت کی بات آتی ہے تو افسوس اور رحم دلی کا اظہار کرتے ہوتے کہتے ہیں ''ارے بڑے افسوس کی بات ہے کہ فلاں صاحب سے فلاں گناہ یا غلطی ہوگئی'' حالانکہ غیبت کرنے والا اس بات سے غافل

---

[1] سورہ مدثر: ۴۰/۴۵

ہے کہ اس اظہار افسوس اور رحم کا وہ خود زیادہ مستحق ہے۔اس لئے کہ وہ خود عیب اور نقص سے مبرا نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ وہ غیبت جیسے گناہ میں مبتلا ہوا ہے اور تیسرے یہ کہ اس نے ایک اور گناہ کیا ہے اور وہ ہے مومن کی توہین اس لئے کہ اس نے جس انداز سے اس پر رحم کا اظہار کیا ہے اس سے مومن کی تحقیر ہوتی ہے۔

۴۔غیبت کی مستثنیات

اگر چہ غیبت اس قدر بری چیز ہے کہ اسلام نے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے لیکن پھر بھی کہیں ایسے مواقع آجاتے ہیں جب غیبت کرنا جائز ہو جاتا ہے اور ان مواقع پر مومن کے لئے غیبت کی قباحت اور برائی ختم ہو جاتی ہے۔

ا۔انصاف کا مطالبہ

اگر کسی کے اوپر ظلم ہوا ہے اور وہ انصاف کے لئے قاضی کے پاس جائے تو اس پر جو ظلم کیا گیا ہے اسے بیان کرنا اور یہ بتانا کہ کس نے اس کے اوپر ظلم کیا ہے اس کی مجبوری ہے اس کے بغیر انصاف حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔لہٰذا مظلوم کو ظالم کی غیبت (ظلم بیان کرنے) کی اجازت دی گئی ہے۔اس سلسلہ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا.[1]

اللہ مظلوم کے علاوہ کسی کی طرف سے بھی علی الاعلان برا کہنے کو پسند نہیں کرتا اور اللہ ہر بات کا سننے والا اور تمام حالات کا جاننے والا ہے۔

لہٰذا خداوند عالم، مظلوم کے علاوہ کسی سے دوسرے کی کسی برائی کو سننا پسند نہیں کرتا، وہ بھی اس لئے کہ اسلام میں عدالت کی اہمیت ایک ظالم کی عزت وآبرو سے کہیں زیادہ ہے چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو لہٰذا غیبت ایسے مواقع پر نہ ہی بری چیز اور نہ ہی کسی کے حق میں زیادتی شمار ہوتی ہے اس لئے کہ اگر اس کو غیبت سے الگ نہ کیا گیا ہوتا تو ہر شخص دوسروں کے حقوق پر تجاوز کرتا رہتا اور کوئی مظلوم قاضی کے پاس شکایت نہیں کرسکتا تھا۔

۲۔مشورہ

اکثر لوگ اپنی اجتماعی و انفرادی زندگی میں مشورہ لیتے ہیں۔مثلاً شادی کے وقت لڑکی یا لڑکے کے سلسلہ میں

---

[1] سورہ نساء:۱۴۸

معلومات حاصل کرتے ہیں اوران کے جاننے والوں سے تفصیلات پوچھتے ہیں۔ یا کوئی ذمہ داری کسی کو دینا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں تحقیقات کی جاتی ہیں ایسے مواقع پر چونکہ ایک اہم مصلحت مدنظر ہوتی ہے اور ممکن ہے غیبت نہ کرنے کا نتیجہ بہت برا ہو۔لہٰذا اس شخص کے عیوب ونقائص کو بیان کرنا جس کے سلسلہ میں تحقیق ہورہی ہے غیبت شمار نہیں ہوگا اس لئے کہ اجتماعی مصلحت، انفرادی مصلحت سے زیادہ اہم ہوتی ہے اس صورت میں اجتماعی مصلحت کومقدم رکھا جائے گا۔

۳۔خبردار کرنا

جب یہ محسوس کیا جائے کہ کسی شخص یا گروہ کی حرکتیں سماج کو خراب اور برباد کررہی ہیں اور اگر ان حرکتوں سے لوگوں کو آگاہ نہ کیا گیا تو اس کے نتائج بہت برے ہوسکتے ہیں اور لوگ ان کی طرف مائل ہوگئے تو بڑا فساد برپا ہوجائے گا تو اس صورت میں ان افراد کی غلط حرکتوں اور نیتوں سے لوگوں کو آگاہ کرسکتے ہیں چاہے ان کی بدگوئی ہی کیوں نہ سماج کے تحفظ کی بنا پر غیبت شمار نہیں کیا جاتا۔پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

أَتَرْعَوْنَ عَنْ ذِكْرِ الْفَاجِرِ حَتَّى لا يَعْرِفَهُ النَّاسُ اذْكُرُوهُ بِمَا فِيهِ يَحْذَرُهُ النَّاس.[1]

تم فاسق وفاجر کی برائیاں بیان نہیں کرتے تاکہ لوگ اسے پہچان لیں لوگوں کو اس کی برائیوں سے آگاہ کرو تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں۔

۴۔برائیوں کا سدباب

کبھی کبھی معاشرہ کے اخلاقی تحفظ اوراسے برائیوں اور مفاسد سے پاک وصاف کرنے کے لئے کسی کی برائیوں سے لوگوں کو یا کم از کم ذمہ دار حضرات کو آگاہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے تاکہ ان کی مدد سے معاشرہ میں ایسی برائیوں کا سدباب ہوسکے۔اس موقع پر بھی ان عیوب اور برائیوں کو بیان کرنا اوران مفاسد سے آگاہ کرنا اجتماعی مصلحت کی وجہ سے غیبت شمار نہیں کیا جاتا چاہے اس میں بدگوئی ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔جرح وتعدیل (عادل یا فاسق ثابت کرنا)

معاشرہ کی مصلحت کے لئے جن لوگوں کے عیوب ونقائص بیان کئے جاسکتے ہیں ان میں روایان حدیث یا عدالت

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

میں کسی مقدمہ کی گواہی دینے والے گواہ جیسے افراد شامل ہیں، چونکہ ان لوگوں کی عدالت اوران کا قابل اطمینان ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ان کے حالات اور اخلاقی خصوصیات اور کردار کے بارے میں کافی معلومات موجود ہوں لہٰذا مجبوراً راویوں اور گواہوں کے عیوب ونقائص کا تذکرہ ضروری ہوجاتا ہے۔ چونکہ روایت کے صحت واعتبار اور فیصلہ کی صحت اسی پر موقوف ہے لہٰذا ایسے مواقع پر بھی عیوب کو بیان کرنا غیبت شمار نہیں ہوتا۔

۶۔ عرفیت

معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی خاص صفت یا نام اور لقب سے مشہور ہوجاتے ہیں کہ جب تک اس لقب یا صفت کو نہ بیان کیا جائے اور وہ پہچانے نہیں جاتے۔ مثلاً فلاں کانے یا فلاں لنگڑے وغیرہ...... اس سلسلہ میں اگر چہ وہ پہلا شخص جس نے اس کا یہ نام رکھا ہے گناہ گار ہے مگر اب جب یہ نام مشہور ہوجائے تو اگر دوسرے اسے اس نام سے پکاریں گے تو یہ غیبت شمار نہیں ہوگی۔

۷۔ مذہب میں نئی ایجاد کرنے والے

جو لوگ دین میں بدعت ایجاد کرتے ہیں اور لوگوں کو دین سے منحرف کرنا چاہتے ہیں ان کو پہنچوانا نہ صرف یہ کہ غیبت نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان کا شرعی فریضہ بھی ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ جس طرح بھی ہوسکے اس کام کو روکیں اور دین میں بدعتیں پیدا نہ ہونے دیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جب بھی اہل بدعت کو دیکھو ان سے بیزاری اختیار کرو انہیں برا کہو اور ان کے سلسلہ میں جو بھی جانتے ہو لوگوں سے بیان کرو۔

۸۔ کھلے عام گناہ کرنے والا

روایات کے مطابق لوگوں کے ایک اور گروہ کی غیبت جائز ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کھلے عام گناہ کرتے ہیں اور انہیں اس بات کی فکر بھی نہیں ہوتی کہ لوگ ان کی حرت سے آگاہ ہوں گے یا نہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان افراد کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ثلاثة لاغيبة لهم: صاحب الهوى، والفاسق و المعلن بفسقه والامام الجائر.[۱]

---

[۱] درمنثور: ج۶ ص۹۷

تین لوگوں کی غیبت جائز ہے خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے، وہ لوگ جو کھلے عام گناہ کرتے ہیں، اور ظالم حاکم۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

إِذَا جَاهَرَ الْفَاسِقُ بِفِسْقِهِ فَلَا حُرْمَةَ لَهُ وَلَا غِيبَةَ.[1]

کھلے عام گناہ کرنے والے کا کوئی احترام نہیں ہے اور اس کی غیبت جائز ہے۔

۵۔ غیبت سننا

غیبت کرنا جتنی بری چیز اور گناہ ہے اور جس طرح غیبت کرنے والا خداوند عالم کے قہر و غضب کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح غیبت سننا بھی گناہ کبیرہ ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

السَّامِعُ لِلْغِيبَةِ أَحَدُ الْمُغْتَابِيْنَ.[2]

غیبت سننے والا بھی غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الْغِيبَةُ كُفْرٌ وَ الْمُسْتَمِعُ لَهَا وَ الرَّاضِي بِهَا مُشْرِكٌ.[3]

غیبت کفر ہے اور سننے والا اور اس پر راضی رہنے والا مشرک ہے۔

بعض روایات میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر تمہارے سامنے کسی مومن کی غیبت ہو رہی ہے اور تم اس کا جواب دے سکتے ہو تو ضروری ہے کہ اس مومن کا دفاع کرو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

مَنْ رَدَّ عَنْ أَخِيهِ غِيبَةً سَمِعَهَا فِي مَجْلِسٍ رَدَّ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَنْهُ أَلْفَ بَابٍ مِنَ الشَّرِّ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ.[4]

جو اپنے مومن بھائی کی کسی جگہ غیبت سن کر اس کا دفاع کرے تو خداوند عالم ہزار قسم کی برائی دنیا و آخرت میں اس سے دور کرے گا۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۷، حدیث ۲۳

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

[3] مستدرک، ج ۹، باب ۱۳۶، حدیث ۱۰۴۶۲

[4] بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۶۷، حدیث ۳۰

واضح رہے کہ اگر دفاع نہیں کر سکتا اور اس غیبت کا جواب نہیں دے سکتا تو اس جگہ سے اٹھ کر چلا جائے تا کہ ان کا شریک نہ کہا جائے۔

خلاصہ

غیبت کی بنیادی اسباب مندرجہ ذیل ہیں: سکون قلب، فخر ومباہات، مسخرہ بازی، دوسروں کی نقل، پیش بندی، اظہار تعجب اور اظہار ترحم۔

غیبت بعض مواقع، جیسے انصاف طلبی، مشورہ، خبردار کرنا، برائیوں کا سد باب کرنا وغیرہ...... میں نہ صرف یہ کہ حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

اور اس کی ذمہ داری مومن کی گردن پر نہیں ہوگی ان مواقع کو غیبت کے مستثنیات کہا جاتا ہے غیبت کا سننا بھی غیبت کرنے ہی کی طرح حرام ہے۔

سوالات

۱۔غیبت کے اسباب میں سے کسی دو کی وضاحت کیجئے؟

۲۔انصاف طلبی کے موقع پر غیبت کیوں جائز ہے؟

۳۔اہل بدعت کو پہچنوانا غیبت سے کیوں مستثنیٰ ہے؟

باب۔٢٦

تہمت وبدگمانی

تہمت

سماجی زندگی کی بری صفات میں سے ایک تہمت بھی ہے۔ہم نے غیبت کے پہلے باب میں یہ پڑھا کہ لوگوں کے پوشیدہ عیوب ونقائص کوان کی عدم موجودگی میں بیان کرنا غیبت ہے اورکسی کی طرف ان عیوب ونقائص کی نسبت دینا جواس میں نہ پائے جاتے ہوں تہمت کہلاتا ہے۔

غیبت اورتہمت کے اس فرق سے واضح ہوگیا کہ تہمت اور بہتان غیبت سے زیادہ بڑا گناہ ہے جسے غیبت کے سلسلہ میں موجود آیات وروایات سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا.[١]

اورجوشخص غلطی یا گناہ کرکے دوسرے بے گناہ کے سرڈال دیتا ہے وہ بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

مَنْ بَهَتَ مُؤْمِناً أَوْ مُؤْمِنَةً أَوْ قَالَ فِيهِ مَا لَيْسَ فِيهِ أَقَامَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى تَلٍّ مِنْ نَارٍ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَهُ فِيهِ.[٢]

---

[١] سورہ نساء: آیت ١١٢

[٢] بحارالانوار: ج٧٥، باب ٦٢، حدیث ٥

جوکسی مومن یا مومنہ پر تہمت لگا تا ہے یا اس کی طرف ایسی بات کی نسبت دیتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو خداوند عالم اسے روز قیامت آگ کے ٹیلے کے اوپر روک دے گا تا کہ وہ اپنے کہے کا جواب دے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِذَا اتَّهَمَ الْمُؤْمِنُ أَخَاهُ انْمَاثَ الْإِيمَانُ مِنْ قَلْبِهِ كَمَا يَنْمَاثُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ. [۱]

جب کوئی اپنے مومن بھائی پر تہمت لگا تا ہے تو اس کے دل سے ایمان اسی طرح ضائع و برباد ہوجا تا ہے جس طرح نمک پانی میں ضائع اور برباد ہوجا تا ہے۔

کسی انسان پر تین طرح سے تہمت لگائی جاسکتی ہے:

ا۔ کسی کی طرف ایسے عیب کی یقینی طور پر نسبت دینا جو اس میں نہیں ہے صرف یہ سمجھ کر کہ یہ عیب اس میں ہوگا۔

۲۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس شخص میں یہ عیب نہیں ہے پھر بھی اس کی طرف دشمنی کی وجہ سے اس عیب کی نسبت دینا۔

۳۔ اپنے کو بچانے کے لئے اپنے عیب اور گناہ کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا۔

تہمت کی اس تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ تہمت کی تمام قسمیں اگر چہ تہمت شمار ہوتی ہیں اور سب کی سب گناہ بھی ہیں لیکن ان سب کی برائی ایک جیسی نہیں ہے۔

واضح رہے کہ دوسروں پر تہمت لگانے سے ہر حال میں بچنا چاہئے تا کہ لوگوں کی شخصیت اور ان کا احترام باقی رہے اور ہر شخص اپنی شخصیت کو محفوظ سمجھے اور معاشرہ میں ایک دوسرے کے تئیں مثبت رویہ اپنا سکے۔

اگر سماج کے سارے لوگ ایک دوسرے کی اہانت اور بے حرمتی کرنے لگیں تو ہر انسان صرف اس فکر میں رہے گا کہ تہمت وغیبت کا دفاع کس طرح کرے یا اپنا انتقام کس طرح لے اور پھر معاشرہ میں کسی قسم کا انفرادی یا اجتماعی کمال یا اچھا اخلاق باقی نہ رہ جائے گا۔

لوگوں سے میل جول رکھنے میں تہمت سے پرہیز کرنے کے علاوہ سماج کے تمام افراد کا ایک فریضہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ تہمت کی جگہوں سے بھی پرہیز کریں۔ جس طرح کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی پر تہمت لگائے اسی طرح انسان کو چاہئے کہ خود کو تہمت کی جگہوں سے بچائے۔ یعنی ایسا کام نہ کرے جو دوسروں کی بدظنی اور شک کا باعث ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

أَوْلَى النَّاسِ بِالتُّهَمَةِ مَنْ جَالَسَ أَهْلَ التُّهَمَةِ. [۲]

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۶

[۲] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۴۶، حدیث ۳

سب سے زیادہ تہمت کا مستحق وہ شخص ہے جو اہل تہمت کے ساتھ اٹھے بیٹھے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ وَقَفَ نَفْسَهُ مَوْقِفَ التُّهَمَةِ فَلَا يَلُومَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ.[1]

جو تہمت کی جگہ قیام کرے وہ اپنے نفس کے علاوہ کسی اور کی مذمت نہ کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا بھی ارشاد ہے:

قَالَ لِي يَا بُنَيَّ مَنْ يَصْحَبْ صَاحِبَ السَّوْءِ لَا يَسْلَمْ وَمَنْ يَدْخُلْ مَدَاخِلَ السَّوْءِ يُتَّهَمْ وَمَنْ لَا يَمْلِكْ لِسَانَهُ يَنْدَمْ.[2]

میرے والد نے مجھ سے فرمایا: بیٹا! جو برے لوگوں کا ہم نشین ہوتا ہے وہ سالم نہیں رہتا، جو بری جگہ آتا جاتا ہے اس پر تہمت لگتی ہے، اور جو اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتا وہ شرمندہ ہوتا ہے۔

بدگمانی

سماجی زندگی میں پیدا ہونے والی ایک اور بری خصلت ''بدگمانی'' ہے بعض لوگ اپنی کج فکری اور بدبینی کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے ہر قول و فعل کو برائی اور فساد پر محمول کرتے ہیں کہ اگر یہ گمان حقیقت کے برخلاف ہو تو اسے بدظنی اور بدگمانی کہا جاتا ہے۔ ایک طرف تو ایک بری عادت اور خصلت اور گناہ ہے اور دوسری طرف بہت سے گناہوں کا سرچشمہ ہے۔ قرآن کریم اس سلسلہ میں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا.[3]

اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں اور خبردار ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کرو۔

جیسا کہ آپ نے اس آیت میں ملاحظہ فرمایا خداوند عالم نے بعض گمانوں کو گناہ قرار دیا ہے اس لئے کہ بعض اوقات ممکن ہے کہ ہمارا گمان حقیقت کے مطابق ہو اور ہم نے جیسا گمان کیا ہے صورت حال ویسی ہی ہو تو اس صورت میں یہ گمان

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۵، ص ۹۱

[2] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۴۶، حدیث ۱

[3] سورہ حجرات: آیت ۱۲

باطل اور گناہ نہیں ہے لیکن چونکہ ہمارے بعض گمان حقیقت کے برخلاف ہوتے ہیں اور ہم جو کچھ سوچتے ہیں ویسا نہیں ہوتا ہے تو یہ گناہ ہے اور اگر ہم اپنی اس بدگمانی کو دور کرنا چاہئے تو مجبوراً دوسروں کے حالات کی جستجو کرنا ہوگی اور کسی کے حالات کی جستجو کرنا بھی ایک گناہ ہے جس کو اسی آیت میں منع کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ لوگوں کو حقیقت حال سے باخبر ہونے کے لئے خواہ نخواہ غیبت میں مبتلا ہونا پڑے گا اس لئے کہ دوسروں سے پوچھ کر ہی کسی کے حالات سے آگاہ ہی ہوسکتی ہے لہٰذا بدظنی اور بدگمانی خود تو گناہ ہے ہی دوسرے گناہ کا سبب بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا خداوند عالم نے ان تمام گناہوں سے بچنے کے لئے بہت سے گمانوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام میں بدظنی وبدگمانی کے مقابلہ میں ایک اصول ہے، ''اصالحت صحت'' یعنی ہر کام کو صحیح سمجھا جائے تاکہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے سلسلہ میں بدگمانی کا اصول نہ اپنائیں کہ جب گمان کریں تو برا گمان نہ کریں۔ اہل بیت علیہم السلام نے حکم دیا ہے کہ اپنے مومن بھائی کے قول وفعل کو صحت پر حمل کریں یعنی یہ سمجھیں کہ یہ قول وفعل صحیح ہے اس طرح کہ جب کسی مومن بھائی سے کوئی بات سنیں یا ان کا کوئی کام دیکھیں تو اس کو اس کی بہترین شکل قرار دیں۔ حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ضَعْ أَمْرَ أَخِيكَ عَلَى أَحْسَنِهِ حَتَّى يَأْتِيَكَ مِنْهُ مَا يَغْلِبُكَ وَلَا تَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ أَخِيكَ سُوءاً وَأَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِي الْخَيْرِ مَحْمِلاً.[۱]

اپنے مومن بھائی کے معاملات کو اچھائی پر محمول کرو مگر یہ کہ اس کے برخلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہو اور کبھی بھی اپنے مومن بھائی کی سنی ہوئی باتوں کے سلسلہ میں بدگمانی نہ کرو اور جہاں تک ہو سکے اس کی جائز توجیہہ وتاویل کرو۔

بدگمانی کے اثرات

معصومین کی حدیثوں میں بدگمانی اور بدظنی کے برے اثرات کچھ اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يُحْسِنْ ظَنَّهُ اسْتَوْحَشَ مِنْ كُلِّ أَحَدٍ.[۲]

جو بدگمان ہوتا ہے وہ ہر ایک سے ڈرتا رہتا ہے۔

یعنی بدگمان انسان چونکہ ہر ایک کے سلسلہ میں بدگمانی کرتا ہے اور ہر ایک کا کوئی نہ کوئی عیب اور نقص اپنے ذہن میں تصور کرتا ہے لہٰذا وہ کسی پر اعتماد نہیں کر پاتا اور اسے کسی پر بھروسہ نہیں ہوتا وہ سب سے ڈرتا ہے اور اس خوف کا نتیجہ یہ ہوتا

---

[۱] بحارالانوار: ج۷۵، باب ۱۳، حدیث ۷

[۲] غررالحکم: ج۵ ص ۴۴۲

ہے کہ وہ سب سے کنارہ کش ہوکر رہ جاتا ہے اور اپنے طور پر تنہائی کا احساس کرنے لگتا ہے۔

۲۔اسی طرح حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

سُوءُ الظَّنِّ يُفسِدُ الأُمُورَ وَيَبعَثُ عَلَى الشُّرُورِ.[1]

بدگمانی کام خراب کرتی ہے اور لوگوں کو برائی پر آمادہ کرتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کامیابی کا سب سے بڑا راز لوگوں کے درمیان اپنا اعتماد و اطمینان بحال پیدا کرنا ہے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے اچھے کاموں سے خوش ہوں اور اس پر اعتماد کریں، اب اگر کسی معاشرہ میں ہر انسان ایک دوسرے کو بدگمانی کی نظر سے دیکھنے لگے تو پھر کسی کا اعتماد و اعتبار باقی نہیں رہ جائے گا اور کوئی کامیابی کی کوشش نہیں کرے گا اور حضرت علی علیہ السلام کے قول کے مطابق معاشرہ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور لوگ برائیوں کی طرف کھینچتے چلے جائیں گے۔

۳۔حضرت علی علیہ السلام نے ایک حدیث میں بدگمانی کو لوگوں کے درمیان تفرقہ کا باعث قرار دیا ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں:

مَن غَلَبَ عَلَيهِ سُوءُ الظَّنِّ لَم يَترُكْ بَينَهُ وَبَينَ خَلِيلٍ صُلحاً.[2]

جس پر بدگمانی غالب ہوجاتی ہے وہ اپنے دوستوں سے اچھے تعلقات باقی نہیں رکھ پاتا۔

۴۔ایک دوسری روایت میں حضرت علی علیہ السلام نے بدگمانی کو عبادتوں کی بربادی کا سبب قرار دیا ہے:

إِيَّاكَ أَن تُسِيءَ الظَّنَّ فَإِنَّ سُوءَ الظَّنِّ يُفسِدُ العِبَادَةَ وَيُعَظِّمُ الوِزرَ.[3]

بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی عبادت کو برباد کر دیتی ہے اور گناہ کو رواج دیتی ہے۔

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں:

لَا إِيمَانَ مَعَ سُوءِ الظَّنِّ.[4]

ایمان بدگمانی کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔

بدگمانی اور بدظنی بری چیز ہے اس کے برخلاف مومنین کے سلسلہ میں حسن ظن ایک اچھی عادت نیز قابل تعریف

---

[1] غرر الحکم: ج۴،ص ۱۳۲

[2] غرر الحکم: ج۵،ص ۴۰۶

[3] غرر الحکم: ج۲،ص ۳۰۸

[4] غرر الحکم: ج۶،ص ۳۶۲

صفت شمار ہوتی ہے۔ معصومین علیہم السلام نے اپنی حدیثوں میں اس کی تاکید بھی فرمائی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ أَحْسَنِ الشِّيَمِ وَ أَفْضَلِ الْقِسَمِ.[1]

حسن ظن بہترین خصلت اور سب سے زیادہ مفید ہے۔

اسی طرح آپ فرماتے ہیں:

حُسْنُ الظَّنِّ رَاحَةُ الْقَلْبِ وَ سَلَامَةُ الدِّينِ.[2]

حسن ظن، سکون قلب اور دین کی سلامتی کا سبب ہے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں:

حُسْنُ الظَّنِّ يُخَفِّفُ الْهَمَّ وَ يُنْجِي مِنْ تَقَلُّدِ الْإِثْمِ.[3]

حسن ظن سے غم دور ہوتا ہے اور یہ گناہ کے طوق سے بچاتا ہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں:

مَنْ حَسُنَ ظَنُّهُ بِالنَّاسِ حَازَ مِنْهُمُ الْمَحَبَّةَ.[4]

جو لوگوں کے سلسلہ میں حسن ظن رکھتا ہے وہ لوگوں کی محبت حاصل کرتا ہے۔

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ:

حُسْنُ الظَّنِّ أَصْلُهُ مِنْ حُسْنِ إِيمَانِ الْمَرْءِ وَ سَلَامَةِ صَدْرِهِ.[5]

انسان کا حسن ظن اس کے حسن ایمان اور دل کی سلامتی سے پیدا ہوتا ہے۔

سینہ سے مراد انسان کا باطن ہے کہ وہ گناہ اور برائیوں سے جتنا پاک وصاف ہوتا ہے اس کا گمان اتنا ہی اچھا ہوتا ہے اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب روایت میں وارد ہے کہ:

أَحْسِنُوا ظُنُونَكُمْ بِإِخْوَانِكُمْ تَغْتَنِمُوا بِهَا صَفَاءَ الْقَلْبِ وَ نَمَاءَ الطَّبْعِ.[6]

---

[1] غرر الحکم: ج ۳، ص ۳۸۶

[2] غرر الحکم: ج ۳، ص ۳۸۴

[3] غرر الحکم: ج ۳، ص ۳۸۵

[4] غرر الحکم: ج ۵، ص ۳۷۹

[5] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۷۲، حدیث ۱۲

[6] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۷۲، حدیث ۱۲

اپنے برادران دینی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھو کہ اس سے پاک دلی اور حسن طبع حاصل ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ جب بدظنی، حسن ظن میں بدل جائے گی تو دل سے بغض و کینہ نکل جائے گا، انسانوں کے دل روشن اور ان کی عادات واطوار اچھی ہوجائیں گی۔

لہٰذا مومنین کے ساتھ زندگی گزارنے کے بارے میں حسن ظن اوران کے عمل کو صحیح جاننا بنیادی چیز ہے لیکن یاد رہے کہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن کی بھی کچھ حد ہے کہ اگر وہ اس حد سے گزر جائے تو پھر یہ اچھی خصلت وعادت نہیں شمار کی جاتی۔ لہٰذا یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کن حالات میں اور کن شرائط کے ساتھ حسن ظن صحیح ہے روایات معصومین علیہم السلام میں جو معیار بیان کیا گیا ہے وہ سماج میں اصلاح وفساد اور عدل وظلم ہے اس طرح کہ معاشرہ میں اصلاح کا سکہ رائج ہو اور ظلم وفساد کے بجائے عدالت کا غلبہ ہو، لوگوں کے ساتھ سماجی زندگی میں حسن ظن کو ہی بنیادی اصول ہونا چاہئے لیکن اگر فساد، برائی اور ظلم وستم عام ہوجائے اور نیک لوگوں کی شناخت مشکل ہوجائے تو پھر حسن ظن ایک اچھی خصلت اور اجتماعی روابط کی بنیاد نہیں ہوسکتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِذَا اسْتَوْلَى الصَّلَاحُ عَلَى الزَّمَانِ وَ أَهْلِهِ ثُمَّ أَسَاءَ رَجُلٌ الظَّنَّ بِرَجُلٍ لَمْ تَظْهَرْ مِنْهُ خِزْيَةٌ فَقَدْ ظَلَمَ إِذَا اسْتَوْلَى الْفَسَادُ عَلَى الزَّمَانِ وَ اَهْلِهِ عَلَى الزَّمَانِ وَ أَهْلِهِ فَأَحْسَنَ الرَّجُلُ الظَّنَّ بِرَجُلٍ فَقَدْ غُرِر.[۱]

جب زمانہ اور زمانہ والوں پر نیکی حاکم ہوجائے اور کوئی کسی کے سلسلہ میں بدگمانی کرے حالانکہ اس سے کوئی گناہ آشکار نہ ہوا ہو تو اس پر ظلم ہوا اور اگر زمانہ اور اہل زمانہ فساد سے بھر جائیں تو کسی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھنے والا دھوکہ کھاتا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِذَا كَانَ الْجَوْرُ أَغْلَبَ مِنَ الْحَقِّ، لَمْ يَحِلَّ لِأَحَدٍ أَنْ يَظُنَّ بِأَحَدٍ خَيْراً حَتَّى يَعْرِفَ ذٰلِكَ مِنْهُ.[۲]

جب ظلم وستم حق سے زیادہ رواج پا جائے تو جائز نہیں ہے کہ کوئی کسی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھے مگر یہ کہ اس کی نیکیاں جانتا ہو۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں:

[۱] بحار الانوار: ج۷۵، باب ۷۲، حدیث ۱۸

[۲] بحار الانوار: ج۱۰، باب ۱۶، حدیث ۱۱

إِذَا كَانَ زَمَانٌ الْعَدْلُ فِيهِ أَغْلَبُ مِنَ الْجَوْرِ فَحَرَامٌ أَنْ يَظُنَّ بِأَحَدٍ سُوءاً حَتَّى يَعْلَمَ ذَلِكَ مِنْهُ وَ إِذَا كَانَ زَمَانٌ الْجَوْرُ أَغْلَبُ فِيهِ مِنَ الْعَدْلِ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَظُنَّ بِأَحَدٍ خَيْراً مَا لَمْ يَعْلَمْ ذَلِكَ مِنْه. [۱]

اگر کوئی زمانہ ایسا ہو کہ عدالت ظلم پر غالب آجائے تو حرام ہے کہ کوئی کسی کے سلسلہ میں بدگمانی کرے مگر یہ کہ اس کی برائی کا اس کو یقین ہو اور اگر زمانہ ایسا نہ ہو کہ ظلم وستم عدالت سے زیادہ ہو جائے تو کسی کو کسی کے سلسلہ میں حسن ظن نہیں رکھنا چاہئے مگر یہ کہ اس کی نیکیاں جانتا ہو۔

حسن ظن اور اعتماد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامنے والا خیانت نہ کرے ورنہ اگر کوئی پہلے خیانت کر چکا ہو تو اس کے سلسلہ میں حسن ظن رکھنا اچھا نہیں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَيْسَ لَكَ أَنْ تَأْتَمِنَ مَنْ غَشَّكَ، وَلَا تَتَّهِمَ مَنِ ائْتَمَنْتَ. [۲]

تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہو اس پر اعتماد کرو اور جو تمہارا امین ہے اس پر تہمت لگاؤ۔

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۷

[۲] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۷

خلاصہ

کسی کی طرف اس عیب کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو تہمت کہلاتا ہے۔
یہ گناہ کبیرہ ہے جس سے اسلام نے ہمیں منع کیا ہے۔
مومنین کو اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے پر تہمت نہیں لگانا چاہئے۔
اسی طرح ایک دوسرے کے بارے میں بدظن نہیں ہونا چاہئے۔
ان چیزوں سے پرہیز کر کے مومنین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ میل و محبت سے رہ سکتے ہیں۔
البتہ اگر کبھی معاشرہ میں ظلم و جور غالب آجائے تو پھر ایک دوسرے سے حسن ظن غلط ہے،
مگر یہ کہ اس کی نیکیوں کا اسے یقین ہو۔

سوالات

۱۔ آیات و روایات کی روشنی میں تہمت کی تعریف بیان کیجئے؟
۲۔ تہمت کی مختلف صورتوں کو بیان کیجئے؟
۳۔ اصل ''اصالحت صحت'' کا کیا مطلب ہے؟
۴۔ بدظنی کے برے آثار بیان کیجئے؟
۵۔ کن حالات میں ہمیشہ ہر شخص کے سلسلہ میں حسن ظن صحیح ہے؟

باب۔۲۷

چغل خوری اوراستہزاء

چغل خوری ایک ایسی خطرناک اخلاقی بیماری ہے جس سے سماج اور معاشرے کو بے شمار نقصانات برداشت کرنا پڑتے ہیں مثلاً ایک دوسرے کے بارے میں سوئے ظن اور پھر اس سے بے اعتمادی کی کیفیت یا کینہ اورعداوت پیدا ہوتی ہے۔

اس لئے چغل خوری کوان فتنہ انگیز بیماریوں میں قرار دیا گیا ہے جن سے پورا سماج اورمعاشرہ فتنہ کی لپیٹ میں آجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیات وروایات میں اس کی بے حد مذمت کی گئی ہے اورعلمائے کرام نے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

چغل خوری کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ہمارے پاس کوئی شخص کسی کی برائی بیان کرے اور وہاں موجودکوئی دوسرا انسان وہ بات جاکر اسے بتادے کہ جس کے بارے میں وہ بات کہی گئی ہے مثلاً اس سے یہ کہے کہ فلاں صاحب آپ کی یہ برائی کررہے تھے۔

چغل خوری ایک بیمار انسان ہے جوکبھی بھی اچھی باتیں ایک دوسرے تک منتقل نہیں کرتا ہے بلکہ وہ ایک دوسرے تک ایسی باتیں پہنچاتا ہے جن سے کینہ، دشمنی یا فتنہ اوررنجشیں پیدا ہوں۔

برادران ایمانی اوران کے احباب کے درمیان کینہ اوردشمنی یا رنجشیں پیدا کرنا ایک ایسا فتنہ ہے جسے قرآن مجید نے بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ [1]

---

[1] سورہ البقرہ: آیت ۱۹۱

اور فتنہ پردازی تو قتل سے بھی بدتر ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ [1]

اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ. [2]

تباہی و بربادی ہے ہر طعنہ زن اور چغل خور کے لئے۔

ایک اور مقام پر خداوند عالم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست خطاب کیا ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ. [3]

اور خبردار آپ کسی بھی مسلسل قسم کھانے والے ذلیل عیب جو اور علیٰ درجہ کے چغل خور...... کی اطاعت نہ کریں۔

آخری آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چغل خور اخلاقی اعتبار سے بہت پست ہوتا ہے لہٰذا وہ کسی احترام کے لائق نہیں ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا:

آلا اُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمْ. [4]

کیا تمہیں بتادوں کہ تمہارے درمیان سب سے برا انسان کون ہے؟ سب نے کہا حضور ضرور فرمائیں تو آپ نے فرمایا: چغل خوری کرنے والے جو دوستوں کے درمیان تفرقہ پیدا کردیتے ہیں اور نیک کردار لوگوں کے اوپر الزام تراشی کرتے ہیں۔

ان النميمة والحقد فی النار لا یجتمعان فی قلب مسلم. [5]

چغل خوری اور حسد کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ دونوں مسلمان کے دل میں جگہ نہیں پا سکتے ہیں۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ. [6]

چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔

---

[1] سورہ بقرہ: آیت ۲۱۷

[2] سورہ ھمزہ: آیت ۱

[3] سورہ قلم: آیت ۱۰/۱۱

[4] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۷، حدیث ۱۷

[5] کنز العمال: ج ۱۶ ص ۳۲ ح ۴۳۷۶۸

[6] بحار الانوار: ج ۶۸، باب ۱۵، حدیث ۲۱

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

إِيَّاكَ وَ النَّمِيمَةَ فَإِنَّهَا تَزْرَعُ الضَّغِينَةَ وَ تُبَعِّدُ عَنِ اللَّهِ وَ النَّاسِ.[۱]

چغل خوری سے محفوظ رہنا ہے یہ (دلوں میں) کینہ کے بیج بوتا ہے نیز اللہ اور لوگوں سے دور کر دیتا ہے۔

چغل خور کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے

چغل خور مومنین کے درمیان فتنہ انگیزی سے روکنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ مندرجہ ذیل رویئے اختیار کئے جائیں۔

۱۔ اس کی بات کی تصدیق نہ کریں کیونکہ وہ فاسق ہے اور فاسق کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ:

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا.[۲]

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرو۔

۲۔ کیونکہ چغل خوری ایک برا عمل ہے لہٰذا اس میں سے منع کیا جائے کیونکہ خداوند عالم نے ہر مسلمان کو نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ.[۳]

نیک باتوں کا حکم دیجئے اور بری باتوں سے منع کیجئے۔

۳۔ ہم اس کو اپنا دشمن سمجھیں کیونکہ وہ خدا کا دشمن ہے اور خدا کے دشمن سے دشمنی رکھنا واجب ہے۔

۴۔ چغل خوری یعنی کسی بری بات یا برے خیال کی خبر دینا اور خداوند عالم نے اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ.[۴]

ایمان والو! اکثر گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

۵۔ چغلی سننے کے بعد اس کی بات اور اس شخص کے بارے میں تحقیق نہ کی جائے جس کی طرف سے اس نے یہ

---

[۱] غرر الحکم: ج ۳ ص ۲۹۶

[۲] سورہ حجرات: آیت ۶

[۳] سورہ لقمان: آیت ۱۷

[۴] سورہ حجرات: آیت ۱۲

چغل خوری کی ہے کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا.[1]

اور خبردار ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کرو۔

۶۔ چغل خور کے عمل کی خود تکرار نہ کی جائے کہ اس بات کو دوسروں سے نقل کرنے لگے ورنہ خود بھی چغل خور بن جائے گا۔

ایک عالم دین کے حالات زندگی میں ملتا ہے کہ ایک بار جب وہ کسی سفر سے واپس آئے تو ان کا دوست ان سے ملاقات کے لئے آیا اور گفتگو کے دوران ان سے کسی کی چغل خوری کی فلاں صاحب نے آپ کی یہ برائی بیان کی ہے تو اس عالم دین کو بہت افسوس ہوا اور انہوں نے اپنے اس دوست سے کہا کہ تم اتنے دن دور رہنے کے بعد میرے پاس تین خیانتوں کے ساتھ آئے ہو۔

۱۔ تم نے اس کے بارے میں میرے اندر سوءظن پیدا کر کے ہمارے درمیان عداوت کا بیج بو دیا۔

۲۔ تم نے میرے دل و دماغ میں ایک فکر پیدا کر دی جب کہ اب تک میں بالکل بے فکر تھا۔

۳۔ تم پر مجھے اعتماد تھا اور اعتماد تم نے ختم کر دیا اب تم میری نظر میں خائن کی مانند ہو۔

لہٰذا ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ چغل خور کو جھٹلا دے اور اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دے

ہمیشہ یہی خیال رکھنا چاہئے کہ چغل خوری جس طرح دوسروں کی باتیں ہمارے سامنے بیان کرتا ہے اسی طرح ہماری باتیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا لہٰذا کبھی اس کی بات پر دھیان نہیں دینا چاہئے بلکہ دوٹوک الفاظ میں اس کی تکذیب وتردید کر دینا چاہئے اس دوٹوک جواب سے چغل خور کو تین فائدے پہنچ سکتے ہیں۔

۱۔ چغل خور اپنی بات پر شرمندگی کا احساس کرے گا۔

۲۔ وہ پھر دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔

۳۔ مومنین کے درمیان محبت اور بھائی چارہ باقی رہے گا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک صحابی جناب محمد بن فضیل نے ایک دن آپ کی خدمت میں عرض کیا میری جان آپ پر فدا ہو، میں نے اپنے ایک برادر ایمانی کے بارے میں دوسروں سے وہ بات سنی ہے جو مجھے ہرگز پسند نہیں ہے اور وہ اس نے میرے بارے میں کہی ہے مگر جب میں نے خود اس سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا ہے جب کہ مجھ سے معتبر لوگوں

---

[1] گزشتہ حوالہ

نے یہ بات بیان کی تھی تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

يَا مُحَمَّدُ كَذِّبْ سَمْعَكَ وَبَصَرَكَ عَنْ أَخِيكَ فَإِنْ شَهِدَ عِنْدَكَ خَمْسُونَ قَسَامَةً وَقَالَ لَكَ قَوْلًا فَصَدِّقْهُ وَكَذِّبْهُمْ لَا تُذِيعَنَّ عَلَيْهِ شَيْئاً تَشِينُهُ بِهِ وَتَهْدِمُ بِهِ مُرُوءَتَهُ- فَتَكُونَ مِنَ الَّذِينَ قَالَ اللهُ فِي كِتَابِهِ- إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ.

اے محمد! اپنے بردار مومن سے سوئے ظن کے بارے میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کو جھٹلا دو اور اگر تمہارے سامنے پچاس آدمی قسم کھا کر کوئی بات کہیں تو اسی کی تصدیق کرنا اور ان سب کو جھٹلا دینا اور اس کے بارے میں کوئی ایسی بات مشہور نہ کرنا جس سے اس کی بدنامی ہو اور اس کی آبرو ختم ہو جائے ورنہ تم بھی انہیں لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے جن کے بارے میں خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ.[۱]

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ صاحبان ایمان میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

تاریخ میں ہے کہ ایک دن امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کسی کی چغل خوری شروع کر دی تو مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا: اے بھائی تم نے جو کچھ کہا ہے ہم اس کے بارے میں تحقیق کریں گے۔ اگر تو نے سچ کہا ہے تو تجھ سے ناراض ہو جائیں گے (کیونکہ تو نے چغل خوری کی ہے) اور اگر تم نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو تمہیں سزا دی جائے گی (کیونکہ تم نے اس پر تہمت لگائی ہے) اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں ابھی معاف کر دوں؟ تو اس نے کہا: اے امیر المومنینؑ مجھے معاف فرما دیں۔[۲]

تمسخر، استہزاء

ہنسنے ہنسانے کے لئے کسی شخص کا مذاق اڑانا یا اس کے اخلاقی اور جسمانی صفت کی نقل کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے اس کی توہین ہوتی ہے اور اس کی شخصیت اور عزت پر برا اثر پڑتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں ایک مرد مومن کا مکمل احترام ضروری ہے لہٰذا کسی شخص کے لئے (چاہے وہ جو بھی ہو) کسی مرد مومن کی توہین، بے عزتی، یا اس کی شخصیت سے کھلواڑ جائز نہیں ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۵، حدیث ۱۱

[۲] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۷، حدیث ۱۹

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ.[1]

ساری عزت اللہ، اس کے رسول اور صاحبان ایمان کے لئے ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ.[2]

اور بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں وہ بہترین خلائق ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ يَقُولُ وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي مَا خَلَقْتُ مِنْ خَلْقِي خَلْقاً أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ.[3]

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: میری عزت وجلال کی قسم میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی ہے جو مجھے میرے بندہ مومن سے زیادہ محبوب ہو۔

جناب جابر بن عبداللہ انصاری ؓ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی طرف دیکھ کر اس سے فرمایا:

مَرْحَباً بِالْبَيْتِ مَا أَعْظَمَكَ وَ أَعْظَمَ حُرْمَتَكَ عَلَى اللهِ وَ اللهِ لَلْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً مِنْكَ لِأَنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنْكَ وَاحِدَةً وَ مِنَ الْمُؤْمِنِ ثَلَاثَةً مَالَهُ وَ دَمَهُ وَ أَنْ يُظَنَّ بِهِ ظَنَّ السَّوْءِ.[4]

اے بیت (خدا) مرحبا تیرا کیا کہنا تو کتنا عظیم ہے اور خدا کے نزدیک تیرا کیا مقام ومرتبہ ہے لیکن خدا کی قسم مومن کی حرمت اور احترام تجھ سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ خداوند عالم نے تجھے تو صرف ایک لحاظ سے محترم قرار دیا ہے اور مومن کو تین اعتبار سے محترم بنایا ہے۔ ۱۔ مال ۲۔ جان ۳۔ اور یہ کہ کوئی شخص اس کے بارے میں سوءظن رکھے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ أَعْطَى الْمُؤْمِنَ ثَلَاثَ خِصَالٍ الْعِزَّ فِي الدُّنْيَا وَ فِي دِينِهِ وَ الْفَلَحَ فِي الْآخِرَةِ وَ الْمَهَابَةَ فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ.[5]

---

[1] سورہ منافقون: آیت ۸

[2] سورہ بینہ: آیت ۷

[3] بحار الانوار: ج ۱۷، باب ۶۳، حدیث ۷۵

[4] بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۱، حدیث ۳۹

[5] بحار الانوار: ج ۶۸، باب ۱۵، حدیث ۲۱

پروردگار عالم نے مومن کو تین نعمتوں سے نوازا ہے دین و دنیا میں عزت، آخرت میں فلاح و کامیابی اور دنیا والوں کے دلوں میں رعب و ہیبت۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

الْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً مِنَ الْكَعْبَةِ.[1]

مومن کی حرمت احترام کعبہ سے کہیں زیادہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی سے یہ روایت بھی ہے:

قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ لِيَأْذَنْ بِحَرْبٍ مِنِّي مَنْ أَذَلَّ عَبْدِيَ وَ لْيَأْمَنْ غَضَبِي مَنْ أَكْرَمَ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنَ.[2]

جس نے میرے کسی مومن بندے کی توہین کر کے اسے ذلیل کیا ہے وہ مجھ سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور جس نے میرے کسی مومن بندے کی عزت اور اس کا احترام کیا ہے وہ میرے غضب سے امان میں ہے۔

مومن کی عزت و احترام کے بارے میں آیات و روایات میں جو تاکیدات موجود ہیں ان سے کسی مرد مومن کا استہزاء (مذاق اڑانے) اور اس کی توہین کرنے کی قباحت اور مذمت بخوبی روشن ہوجاتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں پروردگار عالم کا یہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ.[3]

اے ایمان والو! خبردار ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہ ان سے بہتر ہو اور عورتوں کی بھی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہی عورتیں ان سے بہتر ہوں۔

دوسری آیہ کریمہ میں مومنین کے استہزاء کو منافقین کا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ.[4]

---

[1] بحارالانوار: ج ۷، باب ۱۶، حدیث ۱۶
[2] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۵۶، حدیث ۱۲
[3] سورہ حجرات: آیت ۱۱
[4] سورہ بقرہ: آیت ۱۴

جب یہ صاحبان ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیاطین کی خلوتوں میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہاری ہی پارٹی میں ہیں ہم تو صرف صاحبان ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

جو لوگ صاحبان ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ نے انہیں ایسی ہی صورت حال سے روبرو ہونے کی دھمکی دی ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب کا اعلان کیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.[1]

جو لوگ صدقات میں فراخدلی سے حصہ لینے والے مومنین اور ان غریبوں پر جن کے پاس ان کی محنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے الزام لگاتے ہیں اور پھر ان کا مذاق اڑاتے ہیں خدا ان کا بھی مذاق بنا دے گا اور اس کے پاس بڑا دردناک عذاب ہے۔

[1] سورہ توبہ: آیت ۷۹

خلاصہ

مومنین پر الزام تراشی اور ایک دوسرے کی چغل خوری اور ان کے درمیان فتنہ انگیزی ایک حقیر فعل، گناہ کبیرہ، اور خداوند عالم کی معصیت ہے جس سے پروردگار عالم نے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اسلام کی نگاہ میں مومن ہر اعتبار سے قابل احترام ہے اور اس کی توہین وتحقیر جائز نہیں ہے۔

سوالات

۱۔ اسلام نے چغل خوری کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟
۲۔ چغل خور کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا چاہئے؟
۳۔ مومن کی عزت کے بارے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک روایت بیان کیجئے۔
۴۔ چغل خوری اور تمسخر کے خطرناک نتائج کیا ہیں؟

باب۔۲۸

حسد

حسد بھی گناہ کبیرہ اور مذموم صفت ہے جس سے لوگوں کے آپس کے روابط اور تعلقات پر برا اثر پڑتا ہے چنانچہ جو شخص حسد میں مبتلا ہوجائے وہ ترقی اور کمال کی منزلیں طے نہیں کرسکتا۔اسی طرح حسد سے ان لوگوں کی ترقی پر بھی منفی اثر پڑتا ہے جن سے حسد کیا جارہا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید نے یہ قصہ بار بار بیان کیا ہے کہ جب جناب آدم علیہ السلام سے شیطان نے حسد کیا تو پروردگار عالم نے اسے اپنی رحمت سے دور کردیا چنانچہ اسی حسد کی وجہ سے اس کا دل جناب آدم وحوا علیہما السلام کے کینہ سے بھر گیا جس کے بعد اس نے ان سے بدلہ لینے کی ٹھان لی اور اس کی بناء پر پروردگار عالم نے انہیں جنت سے زمین پر بھیج دیا۔

اسی طرح قابیل نے اپنے بھائی جناب ہابیلؑ سے حسد کیا اور اس کے دل میں شیطان نے وسوسہ پیدا کردیا چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کرڈالا اس طرح اگر تاریخ انسانیت کا جائزہ لیا جائے تو ہر کینہ اور دشمنی وعداوت کے پیچھے ہمیں حسد کی کارفرمائیاں ہی نظر آئیں گی۔

حسد کی تعریف اور مراتب

دوسرے کی مادی یا معنوی نعمت کے زائل ہوجانے کی تمنا اور آرزو کرنے کو حسد کہا جاتا ہے اور اس تمنا کے علاوہ بسا اوقات حاسد اپنے اس مقصد تک پہنچنے کے لئے عملی کوشش بھی کرتا ہے۔

حسد کے چار مراتب ہیں

۱۔حاسد دوسرے کی نعمت چھن جانے کی آرزو تو کرتا ہو مگر اسے خود اپنے لئے اس نعمت کی خواہش نہ ہو۔

۲۔حاسد یہ خواہش کرے کہ دوسرے کے پاس جو نعمت ہے وہی نعمت اس کو مل جائے۔

۳۔اپنے لئے خود اس چیز کی تمنا نہ کرے بلکہ وہ یہ چاہے کہ اس کی جیسی نعمت اسے بھی مل جائے اور اگر اسے نہ مل سکے تو پھر یہ تمنا کرے کہ دوسرے سے بھی چھن جائے۔

۴۔اپنے لئے اس جیسی نعمت کا خواہش مند ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کے لئے بقائے نعمت کی تمنا بھی کرے۔

آخری قسم کو حسد نہیں کہا جاتا ہے اور نہ یہ کوئی بری صفت ہے بلکہ اس کا نام غبطہ ہے اور حسد کے برخلاف یہ ایک اچھی صفت ہے جس سے انسان ترقی اور کمال کی منزلیں طے کرسکتا ہے۔اس لئے کہ اس صورت میں ایسا شخص دوسرے کو نقصان پہنچانے کے بغیر خود اس نعمت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔اس لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغْبِطُ وَلَا يَحْسُدُ وَالْمُنَافِقَ يَحْسُدُ وَلَا يَغْبِطُ.[۱]

مومن غبطہ کرتا ہے نہ کہ حسد اور منافق حسد کرتا ہے غبطہ نہیں کرتا ہے۔

حسد قرآن مجید کی روشنی میں

۱۔خداوند عالم نے حسد کو شیطان کے تباہ کن ومہلک وسوسوں کے برابر قرار دیا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ.[۲]

اے رسول کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ چاہتا ہوں،تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے اور گنڈوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب بھی وہ حسد کرے۔

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۷

[۲] سورہ فلق: آیت ۱/ ۵

اسی طرح خداوند عالم نے دوسروں کی نعمتوں کی تمنا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہر ایک کا حصہ مخصوص ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا.[۱]

اور خبردار جو خدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنا اور آرزو نہ کرنا مردوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انہوں نے حاصل کیا ہے اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو کہ وہ بے شک ہر شے کا جاننے والا ہے۔

یا دوسرے مقام پر خدا نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں خطاب فرمایا ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ.[۲]

لہٰذا آپ ان کفار میں بعض افراد کو ہم نے جو کچھ نعمات دنیا عطا کردی ہیں ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

ایک اور آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حسد کی بنا پر ہی اہل کتاب مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں دوبارہ کافر بنا دیں جیسا کہ ارشاد ہے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ.[۳]

بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی ایمان کے بعد کافر بنالیں وہ تم سے حسد رکھتے ہیں ورنہ حق ان پر بالکل واضح ہے۔

حاسد اور حسد روایات کی روشنی میں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے جناب موسیٰ سے فرمایا: اے ابن عمران، لوگوں کو جو نعمتیں میں نے اپنے فضل و کرم سے دی ہیں ان پر ان سے حسد نہ کرنا اور اپنی نگاہیں ان پر نہ جمائے رہنا اور اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگا دینا کیونکہ حاسد میری نعمتوں سے ناراض ہے اور میں نے جو کچھ اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کیا ہے اس سے روکنے والا

[۱] سورہ نساء: آیت ۳۲

[۲] سورہ طہٰ: آیت ۱۳۱، سورہ حجر، آیت ۸۸

[۳] سورہ بقرہ: آیت ۱۰۹

ہے۔[1]

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے خطاب کرکے فرمایا:

أَلَا! لَا تُعَادُوا نِعَمَ اللهِ.

یادرکھو خدا کی نعمتوں سے دشمنی نہ رکھنا؟

قِيلَ يَارَسُولَ اللهِ! وَمَنِ الَّذِي يُعَادِي نِعَمَ اللهِ؟

عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بھلا کوئی خدا کی نعمتوں کا بھی دشمن ہوسکتا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الَّذِينَ يَحْسُدُونَ النَّاسَ.[2]

ہاں! حسد کرنے والے لوگ۔

حسد کے بارے میں حضرت علی کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

① ۔ الْحَسَدُ مَرَضٌ لَا يُؤْسَى.[3]

حسد وہ بیماری ہے جس میں تسکین ناممکن ہے۔

② ۔ الْحَسَدُ حَبْسُ الرُّوحِ.[4]

حسد روح کا قیدخانہ ہے۔

③ ۔ الْحَسَدُ شَرُّ الْأَمْرَاضِ.[5]

حسد سب سے بھیانک بیماری ہے۔

④ ۔ رَأْسُ الرَّذَائِلِ الْحَسَدُ.[6]

برائیوں کا سرچشمہ، حسد ہے۔

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۶

[2] شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید، ج ۱، ص: ۳۱۵

[3] مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۴۰۰

[4] غررالحکم: ج ۱، ص ۱۰۰

[5] غررالحکم: ج ۱، ص ۹۱

[6] غررالحکم: ج ۱، ص ۹۱

۵۔ اَلْحَسَدُ مَطِيَّةُ التَّعَبِ.[1]

حسد، رنج ومشکلات کی سواری ہے۔

۶۔ ثَمَرَةُ الْحَسَدِ شَقَاءُ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ.[2]

حسد کا ثمرہ دنیا وآخرت کی شقاوت ہے۔

حاسد کے بارے میں بھی مولائے کائنات علیہ السلام نے بیش قیمت ارشادات فرمائے ہیں:

①مَنْ تَرَكَ الْحَسَدَ كَانَتْ لَهُ الْمَحَبَّةُ عِنْدَ النَّاسِ.[3]

جو حسد کو ترک کر دے گا وہ لوگوں کے دلوں میں محبوب بن جائے گا۔

②اَلْحَسُودُ كَثِيرُ الْحَسَرَاتِ مُتَضَاعِفُ السَّيِّئَاتِ.[4]

زیادہ حسد کرنے والے کی حسرتیں زیادہ اور برائیاں کئی گناہ ہوجاتی ہیں۔

③اَلْحَسُودُ لَا يَسُودُ.[5]

حاسد کبھی سکھ نہیں پا سکتا۔

④اَلْحَاسِدُ لَا يَشْفِيهِ إِلَّا زَوَالُ النِّعْمَةِ.[6]

حاسد کو زوال نعمت کے بغیر چین نہیں ملتا ہے۔

⑤اَلْحَاسِدُ يَفْرَحُ بِالشَّرِّ وَ يَغْتَمُّ بِالسُّرُورِ.[7]

حاسد دوسروں کی برائی سے خوش ہوتا ہے اوران کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے۔

⑥اَلْحَاسِدُ يَرَى أَنَّ زَوَالَ النِّعْمَةِ عَمَّنْ يَحْسُدُهُ نِعْمَةٌ عَلَيْهِ.[8]

حاسد یہ خیال کرتا ہے کہ جس سے اسے حسد ہے اس کی نعمت چھن جانا ہی اس حاسد کے لئے ایک نعمت ہے۔

---

[1] غرر الحکم: ج۱ص۹۱

[2] غرر الحکم: ج۱ص۹۱

[3] غرر الحکم: ج۱ص۹۱

[4] غرر الحکم: ج۱ص۹۱

[5] غرر الحکم: ج۱ص۹۱

[6] غرر الحکم: ج۱ص۹۱

[7] غرر الحکم: ج۱ص۹۱

[8] غرر الحکم: ج۱ص۹۱

⑦ الْحَاسِدُ يُظْهِرُ وُدَّهُ فِي أَقْوَالِهِ وَ يُخْفِي بُغْضَهُ فِي أَفْعَالِهِ فَلَهُ اسْمُ الصَّدِيقِ وَ صِفَةُ الْعَدُوِّ.[1]

حاسد زبان سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے اور اپنے کرتوت کے ذریعہ اپنا بغض چھپائے رکھتا ہے اس کا نام تو دوستوں میں ہوتا ہے مگر عادتیں دشمنوں والی ہوتی ہیں۔

⑧ بِئْسَ الرَّفِيقُ الْحَسُودُ.[2]

سب سے برا دوست بہت زیادہ حسد کرنے والا ہے۔

⑨ لَا تَحَاسَدُوا فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْإِيمَانَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.[3]

حسد نہ کرو کیونکہ حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے۔

⑩ الْحَسَدُ يُمِيثُ الْإِيمَانَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُمِيثُ الْمَاءُ الثَّلْجَ.[4]

حسد، دل سے ایمان کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی برف کو ختم کر دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حسد کے متعلق یہ فرمایا ہے:

لَيْسَتْ لِبَخِيلٍ رَاحَةٌ وَ لَا لِحَسُودٍ لَذَّةٌ.[5]

بخیل کے لئے کوئی راحت اور حاسد کے لئے کوئی لذت نہیں ہے۔

الْحَاسِدُ مُضِرٌّ بِنَفْسِهِ قَبْلَ أَنْ يُضِرَّ بِالْمَحْسُودِ كَإِبْلِيسَ أَوْرَثَ بِحَسَدِهِ لِنَفْسِهِ اللَّعْنَةَ وَ لِآدَمَ علیہ السلام الِاجْتِبَاءَ.[6]

حاسد دوسرے کو ضرر پہنچانے سے پہلے اپنے کو نقصان پہنچاتا ہے جیسے ابلیس نے اپنے حسد کی بنا پر اپنے لئے لعنت کا انتظام کرلیا اور جناب آدم علیہ السلام کے لئے پیغمبری کا راستہ فراہم کر دیا۔

أُصُولُ الْكُفْرِ ثَلَاثَةٌ الْحِرْصُ وَ الِاسْتِكْبَارُ وَ الْحَسَدُ.[7]

کفر کی بنیاد تین ہیں:

---

[1] غرر الحکم: ج۱، ص۹۱

[2] غرر الحکم: ج۱، ص۹۱

[3] غرر الحکم: ج۱، ص۹۱

[4] غرر الحکم: ج۱، ص۹۱

[5] بحار الانوار: ج۷۷، باب۱۰، حدیث ۱۳

[6] بحار الانوار: ج۷۳، باب۱۳۱، حدیث ۲۳

[7] بحار الانوار: ج۷۲، باب۹۹، حدیث ۱

۱۔حرص(لالچ)۲۔استکبار(تکبر)۳۔اورحسد۔

اَلْحَسَدُ أَصْلُهُ مِنْ عَمَی الْقَلْبِ وَ الْجُحُودِ بِفَضْلِ اللهِ تَعَالَی وَ هُمَا جَنَاحَانِ لِلْكُفْرِ وَ بِالْحَسَدِ وَقَعَ ابْنُ آدَمَ فِي حَسْرَةِ الْأَبَدِ وَ هَلَكَ مَهْلَكاً لَا يَنْجُو مِنْهُ أَبَداً.[۱]

حسد کی شروعات دل کی تاریکی اور فضل الٰہی کے انکار سے ہوتی ہے اور یہ دونوں کفر کے دو بازو ہیں اور حسد کے ذریعےفرزند آدم دائمی حسرت کا شکار رہوتا ہےاور وہ ایسی ہلاکت میں مبتلا ہو گیا ہےجس سے کبھی بھی نجات ممکن نہیں ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

آفَةُ الدِّينِ: اَلْحَسَدُ، وَ الْعُجْبُ، وَ الْفَخْرِ.[۲]

دین کی آفتیں حسد،خود پسندی،اور فخر ومباہات کرنا ہیں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسد کو ایک ایسی بیماری قرار دیا ہے جو دین کو نیست و نابود کر دیتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا ہے:

أَلَا إِنَّهُ قَدْ دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ هُوَ الْحَسَدُ لَيْسَ بِحَالِقِ الشَّعْرِ لَكِنَّهُ حَالِقُ الدِّينِ[۳]

یادرکھو گذشتہ امتوں کا مرض تمہارے اندر بھی سرایت کر گیا ہے اور وہ حسد ہے جو تمہارے بالوں کو نہیں ختم کرتا بلکہ تمہارے دین کا سرمونڈ ڈالتا ہے۔

حسد سے انسان کے جسم میں پیدا ہونے والی بیماریوں کے بارے میں مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:

اَلْحَسُودُ عَلِيلٌ أَبَداً[۴]

زیادہ حسد کرنے والا ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔

اَلْحَسَدُ يُذِيبُ الْجَسَدَ[۵]

حسد جسم کو پگھلا دیتا ہے

---

[۱] بحارالانوار:ج۷۳۔باب۱۳۱

[۲] بحارالانوار:ج۷۳،باب۱۳۱حدیث۵

[۳] بحارالانوار:ج۷۳،باب۱۳۱حدیث۲۳

[۴] مستدرک:ج۲۱،باب۵۵،حدیث۱۳۴۰۱

[۵] غررالحکم:ج۱،ص۲۴۱

اَلْعَجَبُ لِغَفْلَةِ الْحُسَّادِ عَنْ سَلَامَةِ الْأَجْسَادِ.[۱]

تعجب ہے کہ حسد کرنے والے اپنے جسم کی صحت سے کیوں غافل ہیں۔

صِحَّةُ الْجِسْمِ مِنْ قِلَّةِ الْحَسَدِ.[۲]

حسد کی قلت میں ہی بدن کی صحت ہے۔

حسد کے اسباب

ہماری ذاتی اور سماجی زندگی میں حسد کے مہلک اثرات واقفیت کے بعد اس خطرناک بیماری کے علاج کی خاطر ان اسباب کو جاننا بھی ضروری ہے جن کی بنا پر یہ بیماری پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب تک مرض کی صحیح تشخیص نہ ہو جائے تب تک صحیح دوا اور طریقہ علاج تلاش کرنا بھی ممکن نہیں ہے علماء اخلاق نے حسد کے سات اسباب بیان کئے ہیں:

①۔خباثت: بے شمار حاسدین کے حسد کی بنیاد خباثت نفس، اخلاقی پستی ہوتی ہے کیونکہ چاہے انہیں کسی سے دشمنی نہ بھی ہو تب بھی وہ دوسروں کی تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور کوئی خوشحال نظر آئے تو انہیں دکھ ہوتا ہے مختصر یہ کہ ایسے لوگ کسی کی کامیابی اور خوشحالی کو برداشت نہیں کرسکتے۔

②۔جس سے وہ حسد کررہا ہے اگر اس سے کسی رنجش یا دشمنی کی بناء پر کوئی کینہ پیدا ہوگیا تو اس کینہ سے بھی حسد پیدا ہوتا ہے چنانچہ اگر حاسد اپنے دشمن کو کسی مصیبت میں گھرا دیکھتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی مشکلات میں اور اضافہ ہوجائے اور اگر صورتحال سے اس کے برعکس ہوجائے اس کے یہاں ترقی اور کامیابی دکھائی دے تو اسے حزن وملال ہوتا ہے اور وہ حسرت کے گھونٹ پینے لگتا ہے۔

③۔عہدہ اور دولت کی محبت: بہت سے حاسدوں کو عہدہ یا دولت کی ہوس ہوتی ہے اور وہ اسے صرف اپنے لئے پسند کرتے ہیں لہٰذا جب یہ چیزیں اپنے کسی رقیب کے پاس دیکھتے ہیں تو اس سے حسد کرنے لگتے ہیں مثلاً کوئی بہترین کھلاڑی، یا کامیاب تاجر یا دولت مند انسان جب کسی دوسرے کو اپنے سے زیادہ ترقی کرتے ہوئے دیکھتا ہے یا ان کا نام اور احترام اس سے زیادہ ہونے لگتا ہے تو وہ ان سے حسد کرنے لگتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ کسی طرح ناکام اور ذلیل ہوجائیں۔

④۔رقابت: یہ جذبہ اکثر ان لوگوں کے اندر پیدا ہوتا ہے جو کسی ایک عہدے یا انعام کے لئے ایک دوسرے سے

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۲۸

[۲] بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۴۱، حدیث ۲۸

مقابلہ کے لئے میدان میں اترتے ہیں اور کیونکہ ایسے مقابلوں میں صرف ایک ہی آدمی پہلے نمبر پر آسکتا ہے لہٰذا بقیہ افراد جو اپنے کو بزعم خود اس کا مستحق سمجھتے ہیں وہ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔

⑤۔تکبر: بعض حاسدوں کے اندر کیونکہ تکبر اور اپنی بڑائی کا مادہ پایا جاتا ہے لہٰذا انہیں دوسروں کی ترقی پسند نہیں ہوتی اور کسی دوسرے کی ترقی وہ برداشت نہیں کر پاتے کیونکہ ہر متکبر یہی چاہتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ اس سے کمتر ہی رہیں تاکہ وہ ان پر فخر ومباہات کرسکے اور وہ اس کے سامنے تواضع وانکساری سے پیش آئیں ورنہ اگر وہ پیشرفت کرلیں گے تو اس کی پیروی نہیں کریں گے۔لہٰذا وہ ہر ایک کی ترقی سے حسد کرنے لگتا ہے۔

⑥۔حب ذات: بعض حاسدین کے اندر کیونکہ حب ذات کا مادہ پایا جاتا ہے یعنی وہ اپنی ذات سے محبت کرتے ہیں لہٰذا وہ اپنی ذات سے محبت کے باعث دوسروں کی ترقی سے ڈرتے ہیں کہ اگر وہ ترقی کر گئے تو ان کی توہین ہوگی۔

البتہ متکبر اور ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ متکبر کے اندر دوسروں پر برتری کا جذبہ ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کی برتری پسند نہیں کرتے ہیں اور خود بھی ترقی کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

⑦۔تعجب: بعض حاسد کسی سے صرف اس لئے حسد کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں دوسرے کو جو نعمت ملی ہے وہ اس کا مستحق اور حقدار نہیں تھا لہٰذا اس سے انہیں تعجب ہوتا ہے کہ یہ نعمت اسے کیسے مل گئی لہٰذا ان کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ یہ نعمت اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور وہ اس سے محروم ہوجائے۔

خلاصہ

حسد ایک بری صفت ہے جس کا مطلب ہے دوسرے سے نعمت کے چھن جانے کی تمنا کرنا۔
حاسد جس سے حسد کرتا ہے کبھی کبھی وہ اس کی نعمت چھن جانے کے لئے عملی قدم بھی اٹھاتا ہے
اس طریقہ کار سے حاسد ہی کو نقصان ہوتا ہے کبھی کبھی اسے بھی نقصان پہنچ سکتا ہے جس سے حسد کیا جا رہا ہے۔

سوالات

۱۔حسد کی تعریف کیجئے؟
۲۔حسد کے مراحل بتائیے؟
۳۔غبطہ کسے کہتے ہیں؟
۴۔روایات میں حسد کو منافقین کا عمل کیوں قرار دیا گیا ہے؟
۵۔ایمان پر حسد کا کیا اثر ہوتا ہے؟
۶۔حسد کے اسباب کیا ہیں؟

باب۔ ۲۹

جھوٹ

جھوٹ بدترین گناہ کبیرہ ہےاور پست ترین اخلاقی صفت ہے۔جھوٹ سے آپسی تعلقات تباہ وبرباد ہوکررہ جاتے ہیں۔جس شخص کے اندر صداقت کی کمی ہوتی ہےلوگوں کے درمیان اس کی کوئی قدرو قیمت باقی نہیں رہتی،لہٰذا اگر خدانخواستہ کسی معاشرے میں جھوٹ جیسی بری صفت رواج پا جائے تو وہ معاشرہ کھوکھلا ہوکررہ جاتا ہےاور ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرنا وبال جان بن جاتا ہے۔

جھوٹ کے نقصانات کی طرف قرآن مجید اور روایات معصومین علیہم السلام میں خاص توجہ دلائی گئی ہے اور انسانی زندگی پر مختلف جہات سے اس کے منفی اور تباہ کن اثرات کی وضاحت کی گئی ہے۔

اور کیونکہ جھوٹ بولنے میں انسان کوکوئی زحمت نہیں ہوتی لہٰذا بہت سارے لوگ اس راستے سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے بڑی آسانی سے جھوٹ بول دیتے ہیں۔

اور یہ بات قابل غور ہے کہ اکثر لوگ عام طور سے کسی عمل (چاہے وہ حلال ہو یا حرام) کوانجام دینے کے لئے یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں کس قدر زحمت درکار ہے یا اس سے فائدہ کتنا ہوگا ان کی نگاہ میں وہی عمل بہتر ہے جس میں کم سے کم محنت اور زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اور ایسے افراد کم نظر آئیں گے جو کام کے نتائج پر بھی نگاہ رکھتے ہوں بلکہ عموماً افراد وقتی اور دنیاوی فائدہ کے پیش نظر کوئی کام انجام دے لیتے ہیں۔

جھوٹ بھی ایسا ہی فعل ہے کہ اکثر وبیشتر افراد اس گناہ کے عذاب اور اس کے دوررس نتائج کے بارے میں سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتے اس لئے کبھی بھی جھوٹ کا سہارا لے کر انسان بہت جلد اپنے مقصد تک پہنچ جاتا ہے لہٰذا اس شارٹ کٹ کے باعث اس کے نتائج کے بارے میں سوچنے کا خیال نہیں آتا۔

جھوٹ کی تعریف

جھوٹ اپنے عقیدہ اور واقفیت کے برخلاف اظہار کرنا۔

اس طرح جھوٹ کی دو شرطیں ہیں:

ا۔ یہ کہ زبان سے جو بات کہے یا اعضاء وجوارح سے جس چیز کا اظہار کرے وہ حقیقت کے برخلاف ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خلاف واقع کہنے والے کو اس کے غلط ہونے کا علم ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص خلاف واقع بات بیان کرے لیکن اسے خود اس کے خلاف واقع ہونے کا علم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بالکل سچ ہے تو ایسا شخص کاذب اور جھوٹا نہیں ہے۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کبھی جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے اور کبھی عملی ہوتا ہے مثلاً انسان اپنے رویہ سے یہ ظاہر کرے کہ وہ بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے اور واقعاً ایسا کچھ نہ ہو تو یہ بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے کیونکہ جھوٹ ''خلاف واقعہ چیز کے اظہار'' کو جاتا ہے اور یہ تعریف قول وفعل دونوں کو شامل ہے۔

جھوٹ! قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن کریم میں جھوٹ اور جھوٹوں سے متعلق متعدد آیات کریمہ موجود ہیں اور مختلف جہات سے جھوٹ کے سلسلہ میں گفتگو کی گئی ہے ہم یہاں بعض آیات کا تذکرہ کر رہے ہیں:

①۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ.[1]

لہٰذا تم ناپاک بتوں سے پرہیز کرتے رہو اور لغو اور مہمل باتوں سے اجتناب کرتے رہو۔

②۔ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ.[2]

یقیناً غلط الزام لگانے والے صرف وہی افراد ہوتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور وہی جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔

③۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ.[3]

---

[1] سورہ حج، آیت ۳۰

[2] سورہ حج، آیت ۳۰

[3] سورہ حج، آیت ۳۰

اللہ کسی بھی جھوٹے اور ناشکری کرنے والے کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔[۱]

بے شک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی راہنمائی نہیں کرتا۔

۵۔ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔[۲]

اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔

۶۔ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔[۳]

اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان پر خدا کی لعنت ہے۔

ان آیات کریمہ سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ خداوند عالم نے جھوٹ کو بتوں کی عبادت کے برابر قرار دیا ہے یا جھوٹ کے بعد ایمان دل سے ختم ہوجاتا ہے اور جھوٹا انسان توفیق ہدایت کے لائق نہیں رہ جاتا اس کی راہنمائی کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کی ہدایت کے امکانات معدوم ہوجائیں ایسا شخص گمراہی میں مبتلا ہوجائے گا اور اس کی عاقبت بخیر نہیں ہوسکتی۔

جھوٹ؛ روایات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے بھی وقتاً فوقتاً لوگوں کو جھوٹ کے بھیانک نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ بعض روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَثْرَةُ الْكَذِبِ يَمْحُو الْإِيمَانَ

جھوٹ کی کثرت ایمان کو ختم کردیتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد ہے:

إِيَّاكُمْ وَ الْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ مُجَانِبُ الْإِيمَانِ۔[۴]

---

[۱] سورہ حج، آیت ۳۰

[۲] سورہ حج، آیت ۳۰

[۳] سورہ حج، آیت ۳۰

[۴] کنز العمال: ج۳، ص۶۲۰، حدیث ۸۲۰۶

جھوٹ سے دور رہو کیونکہ جھوٹ ایمان سے دور کر دیتا ہے۔

۲۔حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

جَانِبُوا الْكَذِبَ فَإِنَّهُ مُجَانِبٌ لِلْإِيمَانِ وَإِنَّ الصَّادِقَ عَلَى شَرَفِ مَنْجَاةٍ وَ كَرَامَةٍ وَ الْكَاذِبُ عَلَى شَفَا مَهْوَاةٍ وَ هَلَكَةٍ.[۱]

جھوٹ سے دور رہو کیونکہ یہ ایمان سے دور کر دیتا ہے اور بے شک سچا انسان نجات اور عزت وشرافت کے ساحل پر کھڑا ہے اور جھوٹا ذلت و ہلاکت کے دھانے پر ہوتا ہے۔

۳۔امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

إِنَّ الْكَذِبَ هُوَ خَرَابُ الْإِيمَانِ.[۲]

جھوٹ ایمان کی بربادی ہے۔

گویا کہ جھوٹ ایمان کی ضد ہے۔یہی وجہ ہے کہ مومن عام طور سے جھوٹ نہیں بولتا اور اگر کبھی اس سے غلط بیانی ہو بھی جاتی ہے تو وہ اس پر نادم ہوتا ہے۔لہٰذا جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور غلط بیانی سے کام لیتا ہے اسے اپنے ایمان کے بارے میں تجدید نظر کرنا چاہئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جناب حسن بن محبوب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں

میں نے عرض کی: تو کیا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟

فرمایا: نہیں اور نہ ہی خائن ہوسکتا ہے۔

پھر فرمایا: مومن کے اندر ہر صفت ممکن ہے مگر خیانت اور جھوٹ کا امکان نہیں ہیں۔[۳]

بعض روایات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کی گمراہی اور پستی کا آغاز جھوٹ سے ہی ہوتا ہے اس سلسلے میں دو روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۷، باب ۱۴، حدیث ۲

[۲] اصول کافی: ج ۳، ص ۳۳۹، حدیث ۴

[۳] بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۱۱

إِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ.[1]

جھوٹ فجور (برائیوں) کی طرف لے جاتا ہے اور فجور (برائیاں) جہنم تک پہنچا دیتی ہیں۔

۲۔امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے:

جُعِلَتِ الْخَبَائِثُ كُلُّهَا فِي بَيْتٍ وَ جُعِلَ مِفْتَاحُهَا الْكَذِبَ.[2]

تمام خباثتیں (برائیاں) ایک گھر میں رکھی گئی ہیں اور اس کی کنجی جھوٹ کو قرار دیا گیا ہے۔(یعنی جھوٹ سے ہر برائی کا دروازہ کھل سکتا ہے)۔

کچھ احادیث کے اندر جھوٹ کو سب سے پست اور بری اخلاقی صفت قرار دیا گیا ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

تَحَفَّظُوا مِنَ الْكَذِبِ فَإِنَّهُ مِنْ أَدْنَى الْأَخْلَاقِ قَدْراً وَ هُوَ نَوْعٌ مِنَ الْفُحْشِ وَ ضَرْبٌ مِنَ الدَّنَاءَةِ.[3]

اپنے کو جھوٹ سے محفوظ رکھو کیونکہ یہ سب سے پست، بداخلاقی ہے اور ایک قسم کی فحش (گالی) نیز پستی کی ایک قسم ہے۔

شَرُّ الْأَخْلَاقِ الْكَذِبُ وَ النِّفَاقُ.[4]

سب سے بڑی بداخلاقی جھوٹ اور نفاق ہیں۔

لَا شِيمَةَ أَقْبَحُ مِنَ الْكَذِبِ.[5]

جھوٹ سے بری کوئی صفت نہیں ہے۔

الصِّدْقُ أَمَانَةٌ وَ الْكَذِبُ خِيَانَةٌ.[6]

سچائی امانت اور جھوٹ خیانت ہے۔

---

[1] بحارالانوار: ج۷۲، باب ۱۱۴، حدیث ۳۴

[2] بحارالانوار: ج۷۲، باب ۱۱۴، حدیث ۴۸

[3] بحارالانوار: ج۷۸، باب ۱۶ حدیث ۱۵۷

[4] غررالحکم: ج۴، ص ۱۶۶

[5] غررالحکم: ج۶، ص ۲۸۰

[6] بحارالانوار: ج۷۹، باب ۳۸ حدیث ۳۵

شَرُّ الْقَوْلِ الْكِذْبُ.[۱]

سب سے بدتر بات جھوٹ ہے۔

عَلَامَةُ الْإِيمَانِ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْثِرَ الصِّدْقَ حَيْثُ يَضُرُّكَ عَلَى الْكَذِبِ حَيْثُ يَنْفَعُكَ.[۲]

ایمان کی پہچان یہ ہے کہ جہاں تمہیں سچ بولنے سے نقصان اور جھوٹ بولنے سے فائدہ ہو وہاں سچائی کو جھوٹ پر ترجیح دو۔

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثاً هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ وَ أَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ.[۳]

یہ ایک بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کرو تو وہ تمہاری تصدیق کرے اور تم اس کے ساتھ غلط بیانی (جھوٹ) سے کام لو۔

یا آپؐ نے فرمایا ہے:

أَعْظَمُ الْخَطَايَا عِنْدَ اللهِ لِسَانُ الْكَذَّابِ.[۴]

سب سے بڑی غلطی خدا کے نزدیک جھوٹی زبان (کا وجود) ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

إِنَّ الْعَاقِلَ لَا يَكْذِبُ وَإِنْ كَانَ فِيهِ هَوَاهُ.[۵]

عاقل کبھی جھوٹ نہیں بولتا چاہے اس میں اس کا نفع ہی کیوں نہ ہو۔

سچ قرآن اور احادیث کی روشنی میں

ہمیں بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جھوٹ کتنی بری چیز ہے اور سماج میں اس کے کیا تباہ کن اثرات ہوتے ہیں لہٰذا اب ہم آپ کو اس کی ضد یعنی سچائی کی عظمت وفضیلت کے بارے میں اسلامی نظریات سے آگاہ کر رہے ہیں۔

---

[۱] نہج البلاغہ: خطبہ ۸۴

[۲] نہج البلاغہ: کلمات قصار ۴۵۸

[۳] کنز العمال: ج ۳، ص ۶۲۰، حدیث ۸۲۱۰

[۴] بحار الانوار: ج ۲۱، ص ۲۱۰، باب ۶۹

[۵] اصول کافی: ج ۱، ص ۱۷

خداوندعالم نے اپنے بندوں کوصادقین کی ہمراہی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.[۱]

ایمان والو! اللہ سے ڈرواور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

دوسری آیت میں خداوندعالم نے اپنے صادق بندوں کو یہ بشارت دی ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.[۲]

اللہ نے کہا کہ یہ قیامت کا دن ہے جب صادقین کوان کا سچ فائدہ پہنچائے گا کہ ان کے لئے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے اور یہی ایک عظیم کامیابی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے:

أَقْرَبُكُمْ مِنِّي غَداً فِي الْمَوْقِفِ أَصْدَقُكُمْ لِلْحَدِيثِ.[۳]

تم میں سے روز محشر مجھ سے سب سے زیادہ قریب تر وہ شخص ہوگا جو تمہارے درمیان سب سے زیادہ سچا ہوگا۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا:

اَلصِّدْقُ عِزَّةٌ

سچائی عزت ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا:

اَلصِّدْقُ أَخُو الْعَدْلِ.[۴]

سچ عدالت کا بھائی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

---

[۱] سورہ توبہ: آیت ۱۱۹

[۲] سورہ مائدہ: آیت ۱۱۹

[۳] بحار الانوار: ج ۴۷، باب ۷، ص ۱۵۲

[۴] غرر الحکم: ص ۲۱۷

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيّاً إِلَّا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ إِلَى الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ. [۱]

پروردگار عالم نے کسی نبی کی مبعوث نہیں کیا مگر سچائی اور امانت داری کے ساتھ۔

جائز غلط بیانی (جھوٹ)

اگر چہ غلط بیانی ایک بری صفت اور پست وحقیر کام ہے لیکن اگر کوئی اہم ضرورت یا مصلحت پیش آجائے تو ایسے مواقع پر اسلام نے غلط بیانی کی اجازت دی ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ضرورت: (مجبوری) جب انسان کی زندگی کا دارومدار اسی غلط بیانی پر ہو جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ. [۲]

جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے۔علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔

یہ آیۂ کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی جناب عمار یاسرؓ کو کفار قریش نے سخت سزائیں دیں اور آپ نے اپنی جان کی حفاظت کی خاطر مجبور ہو کر اپنی زبان سے کلمہ کفر جاری کر دیا تھا۔کیونکہ مجبوری اضطرار سے حرام چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لَيْسَ شَيْءٌ مِمَّا حَرَّمَ اللهُ إِلَّا وَقَدْ أَحَلَّهُ لِمَنِ اضْطُرَّ إِلَيْهِ. [۳]

خداوند عالم کی کوئی حرام چیز ایسی نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجبور (اور مضطر) شخص کے لئے حلال نہ کر دیا ہو اسی لئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مجبوریاں حرام چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔

لہٰذا جب کسی انسان کی جان، مال اور عزت وآبرو کو سچائی کی بناء پر ایسے نقصان کا خطرہ ہو جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو تو وہ اس نقصان سے بچنے کے لئے غلط بیانی کرسکتا ہے۔

۲۔صلح (مصالحت): اگر لوگوں کے درمیان اختلافات دور کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا پڑے تو وہ بھی جائز ہے بلکہ اگر سچائی سے دشمنی میں اوراضافہ ہو جائے تو وہ حرام ہے۔

لہٰذا یہ مصالحت اور صلح وصفائی جھوٹ کو جائز اور سچائی کو حرام بنا دیتی ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

---

[۱] اصول کافی: ج ۲ ص ۱۰۴

[۲] سورہ نحل: آیت ۱۰۶

[۳] فصول المہمہ: ص ۴۰۷

علی علیہ السلام سے فرمایا تھا:

يَا عَلِيُّ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ أَحَبَّ الْكَذِبَ فِي الصَّلَاحِ وَ أَبْغَضَ الصِّدْقَ فِي الْفَسَادِ.[1]

اے علیؑ! لوگوں کی اصلاح کے لئے جو غلط بیانی کی جائے خدا کو وہی پسند ہے اور جس سچائی سے فساد پیدا ہو خدا اس سے نفرت رکھتا ہے۔

۳۔ جنگی حیلہ: جنگی حیلوں میں سے ایک حیلہ جس کی اسلام نے بھی تائید کی ہے وہ دشمن کو فریب دینا ہے لہٰذا دشمن کے فوجی نظم وضبط یا حوصلوں کو ختم کر کے ان کی طاقت کو کمزور بنانے کے لئے غلط بیانی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے اسی بارے میں فرمایا تھا کہ:

ثَلَاثٌ يَحْسُنُ فِيهِنَّ الْكَذِبُ الْمَكِيدَةُ فِي الْحَرْبِ وَ عِدَتُكَ زَوْجَتَكَ.[2]

جنگ میں حیلہ (فریب) جائز ہے۔

ہنسی مذاق کے لئے جھوٹ بولنا

بے شمار لوگ ہنسی اور مذاق میں جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور اگر ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ جھوٹ کیوں بول رہے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ لہٰذا ایسے افراد کو یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ سنجیدگی یا ہنسی اور مذاق سے جھوٹ کی برائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان الكذب لا يصلح منه جد و لا هزل.[3]

جھوٹ نہ سنجیدگی میں بہتر ہے اور نہ ہنسی مذاق میں۔

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ وَ يَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ.[4]

اس کے لئے ویل (افسوس ہے جو گفتگو کے دوران صرف لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے لئے ویل ہے اس کے لئے ویل ہے۔

---

[1] بحار الانوار: ج۷۸ ص۳۵۶، باب ۱۰

[2] بحار الانوار: ج۶۸ ص۸، باب ۶۰

[3] بحار الانوار: ج۶۹ ص۲۵۹، باب ۱۱۴

[4] بحار الانوار: ج۶۹ ص۲۳۵، باب ۱۱۴

امام محمد باقر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میرے والد محترم مسلسل یہ فرمایا کرتے تھے:

اتَّقُوا الْكَذِبَ الصَّغِيرَ مِنْهُ وَ الْكَبِيرَ فِي كُلِّ جِدٍّ وَ هَزْلٍ[1]

ہر چھوٹے بڑے جھوٹ سے پرہیز کرو چاہے وہ سنجیدگی میں ہو یا ہنسی مذاق میں۔

توریہ

توریہ اس بات کو کہا جاتا ہے جس کے دو معنی ہوں جس میں بولنے والا پہلے معنی مراد لے اور سننے والا اس کے دوسرے معنی سمجھے، توریہ درحقیقت جھوٹ نہیں ہے بلکہ سننے والا اس کے غلط معنی سمجھ لیتا ہے۔ لہٰذا ایسے مقامات پر جہاں انسان سچ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کہنے سے بھی بچنا چاہتا ہے تو وہاں توریہ کا سہارا لیتا ہے۔

جیسے کوئی شخص ہم سے کسی شخص کے بارے میں پوچھے اور ہم سچ نہ بولنا چاہیں اور جھوٹ سے بھی پرہیز کرنے کا ارادہ ہو تو اسے یہ جواب دے دیں کہ میں نے اسے مسجد میں دیکھا تھا جس سے سننے والا یہ سمجھے کہ ہم نے اسے ابھی کچھ دیر پہلے دیکھا تھا جب کہ ہمارا مقصد ایک ہفتہ پہلے دیکھنے کا ہو۔ چنانچہ سننے والا ہماری یہ بات سن کر اسے مسجد میں تلاش کرنے چلا جائے۔

---

[1] بحارالانوار: ج ۶۹، ص ۲۳۵، باب ۱۱۴

خلاصہ

جھوٹ ایک گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ جھوٹ بولنے میں کسی قسم کی زحمت نہیں ہوتی ہے لہٰذا لوگ عام طور سے اس برائی میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔

جھوٹ سماج کے اندر بہت خطرناک اثرات چھوڑتا ہے کیونکہ اس سے بے اعتمادی اور سوئے ظن کا ماحول پیدا ہوجاتا ہے اسی لئے اسلام نے اس کو انسانی زندگی کی بدترین اخلاقی صفت (برائی) قرار دیا ہے۔

سوالات

۱۔ جھوٹ کی تعریف کیجئے؟
۲۔ کس وجہ سے جھوٹ ایک حساس مسئلہ بن گیا ہے؟
۳۔ جھوٹوں کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟
۴۔ احادیث میں جھوٹ کو کیا کہا گیا ہے؟
۵۔ کن مواقع پر غلط بیانی جائز قرار دی گئی ہے؟
۶۔ کیا مذاق میں جھوٹ بولا جاسکتا ہے؟
۷۔ توریہ کے کیا معنی ہیں۔ ایک مثال بیان کیجئے؟

باب۔۳۰

خاتمۂ سخن

ہماری گفتگو کا خلاصہ

گزشتہ ۲۹ دروس کے مطالعہ سے آپ یہ خوبی جان چکے ہیں کہ اسلام نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ جس انسان کو بھی کمال وسعادت تک پہنچنا ہو اس کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ وہ سماج اور معاشرے میں ایک دوسرے کے حقوق کو بخوبی ادا کرے۔جن کی ادائیگی کے لئے اس نے انہیں ان کے آداب اور مذہبی طور طریقوں سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے۔

کسی نہ کسی اعتبار سے ہمیں یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ معصومین کے علاوہ کوئی بھی انسان خطا ولغزش سے محفوظ نہیں ہے اور ہر ایک کے اندر کوئی کمی یا نقص ضرور موجود ہے لہٰذا مادی یا روحانی ترقی وکمال کی کسی بھی منزل تک پہنچنے کے لئے اسے دوسروں کی ضرورت بہر حال درکار ہے اور وہ ہر کام تنہا انجام نہیں دے سکتا ہے اور فکری یا علمی اعتبار سے اسے دوسروں کا سہارا ضرور لینا پڑے گا تبھی وہ کسی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایک طرف تو انسان کو اپنے مادی ضروریات زندگی کے لئے مال ودولت کی ضرورت ہے جس کے لئے وہ محنت مشقت کرنے پر مجبور ہے اور دوسری جانب اسے دوسروں کی دلی ہمدردی اور محبت کی ضرورت بھی ہے اور ان چیزوں کو تنہا حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اور اگر دنیا کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو چاروں طرف سے مسلمانوں کے اوپر دشمنوں کی یلغار ہے اور وہ انہیں ہر قسم کی ترقی سے روکنے پر تلے ہوئے ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ آپسی اتحاد اور بھائی چارگی کو

مضبوط سے مضبوط تر کریں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار بن کر ان کا منہ توڑ جواب دیں۔

جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

الْمُسْلِمُونَ يَدٌ وَاحِدَةٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ.[1]

مسلمان اپنے ہر دشمن کے مقابلہ میں ایک آواز (طاقت) ہیں کیونکہ یہ طے ہے کہ اگر بہت سارے لوگ ایک آواز ہوجائیں تو وہ ایک بڑی طاقت میں تبدیل ہوجاتے ہیں لیکن اگر ان کے درمیان انتشار وافتراق پیدا ہوجائے تو ان کی قدرت ہوا ہوجاتی ہے۔

اسی لئے خداوند عالم نے مسلمان کو افتراق و دشمنی اور آپسی رنجشوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ.[2]

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا بگڑ جائے اور صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسی لئے دنیا کے سرکش لوگ کسی ایک بڑی جماعت (قوم) پر حکومت کرنے کے لئے اس کے اندر پھوٹ ڈال کر اس میں گروہ بازی پیدا کر دیتے ہیں جس کی طرف قرآن مجید نے یوں اشارہ کیا ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ.[3]

فرعون نے روئے زمین پر بلندی اختیار کی اور اس نے اہل زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا کہ ایک گروہ نے دوسرے کو بالکل کمزور بنا دیا۔

اور جب کسی ایک قوم کے اندر پھوٹ پڑ جاتی ہے اور اس کے لوگ گروہوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں تو ان کی آواز خود بخود کمزور پڑ جاتی ہے اور ان کو کچلنا یا ان کے اوپر حکومت کرنا بہت آسان ہے، اسی لئے قرآن مجید نے مسلمانوں کو لڑائی جھگڑے اور آپسی اختلافات سے منع کیا ہے اور اسے شیطانی کاروبار قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

---

[1] بحار الانوار: ج ۵۸ ص ۱۵۰

[2] سورہ انفال: آیت ۴۶

[3] سورہ قصص: آیت ۴

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ.[1]

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا کر دے۔

لیکن وحدت، اتحاد اور قرابت کی بناء پر ہر قوم ایک طاقت بن کر ابھرتی ہے جیسا کہ مولائے کائنات نے ارشاد فرمایا ہے:

فَإِنَّهُ لَمْ يَجْتَمِعْ قَوْمٌ قَطُّ عَلَى أَمْرٍ وَاحِدٍ إِلَّا اشْتَدَّ أَمْرُهُمْ وَ اسْتَحْكَمَتْ عُقْدَتُهُمْ.[2]

کبھی بھی کوئی قوم کسی ایک آواز پر جمع نہیں ہوئی مگر یہ کہ اس کے معاملات اور بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے مشہور و معروف خطبہ قاصعہ میں گزشتہ امتوں کی تاریخ میں غور و فکر کر کے ان سے تجربات اور عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے، مزید وضاحت کے لئے امام کا وہ خطبہ مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

وَ احْذَرُوا مَا نَزَلَ بِالْأُمَمِ قَبْلَكُمْ مِنَ الْمَثُلَاتِ بِسُوءِ الْأَفْعَالِ وَ ذَمِيمِ الْأَعْمَالِ فَتَذَكَّرُوا فِي الْخَيْرِ وَ الشَّرِّ أَحْوَالَهُمْ وَ احْذَرُوا أَنْ تَكُونُوا أَمْثَالَهُمْ فَإِذَا تَفَكَّرْتُمْ فِي تَفَاوُتِ حَالَيْهِمْ فَالْزَمُوا كُلَّ أَمْرٍ لَزِمَتِ الْعِزَّةُ بِهِ شَأْنَهُمْ [حَالَهُمْ] وَ زَاحَتِ الْأَعْدَاءُ لَهُ عَنْهُمْ وَ مُدَّتِ الْعَافِيَةُ بِهِ عَلَيْهِمْ وَ انْقَادَتِ النِّعْمَةُ لَهُ مَعَهُمْ وَ وَصَلَتِ الْكَرَامَةُ عَلَيْهِ حَبْلَهُمْ مِنَ الِاجْتِنَابِ لِلْفُرْقَةِ وَ اللُّزُومِ لِلْأُلْفَةِ وَ التَّحَاضِّ عَلَيْهَا وَ التَّوَاصِي بِهَا وَ اجْتَنِبُوا كُلَّ أَمْرٍ كَسَرَ فِقْرَتَهُمْ وَ أَوْهَنَ مُنَّتَهُمْ مِنْ تَضَاغُنِ الْقُلُوبِ وَ تَشَاحُنِ الصُّدُورِ وَ تَدَابُرِ النُّفُوسِ وَ تَخَاذُلِ الْأَيْدِي وَ تَدَبَّرُوا أَحْوَالَ الْمَاضِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ قَبْلَكُمْ كَيْفَ كَانُوا فِي حَالِ التَّمْحِيصِ وَ الْبَلَاءِ أَلَمْ يَكُونُوا أَثْقَلَ الْخَلَائِقِ أَعْبَاءً وَ أَجْهَدَ الْعِبَادِ بَلَاءً وَ أَضْيَقَ أَهْلِ الدُّنْيَا حَالًا اتَّخَذَتْهُمُ الْفَرَاعِنَةُ عَبِيداً فَسَامُوهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَ [جَرَّعُوهُمْ جُرَعَ الْمُرَارِ] جَرَّعُوهُمُ الْمُرَارَ فَلَمْ تَبْرَحِ الْحَالُ بِهِمْ فِي ذُلِّ الْهَلَكَةِ وَ قَهْرِ الْغَلَبَةِ لَا يَجِدُونَ حِيلَةً فِي امْتِنَاعٍ وَ لَا سَبِيلًا إِلَى دِفَاعٍ حَتَّى إِذَا رَأَى اللّٰهُ سُبْحَانَهُ جِدَّ الصَّبْرِ مِنْهُمْ عَلَى الْأَذَى فِي مَحَبَّتِهِ وَ الِاحْتِمَالَ لِلْمَكْرُوهِ مِنْ خَوْفِهِ جَعَلَ لَهُمْ مِنْ مَضَايِقِ الْبَلَاءِ فَرَجاً فَأَبْدَلَهُمُ الْعِزَّ مَكَانَ الذُّلِّ وَ الْأَمْنَ مَكَانَ الْخَوْفِ فَصَارُوا مُلُوكاً حُكَّاماً وَ أَئِمَّةً أَعْلَاماً وَ قَدْ بَلَغَتِ الْكَرَامَةُ مِنَ اللّٰهِ لَهُمْ.

فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانُوا حَيْثُ كَانَتِ الْأَمْلَاءُ مُجْتَمِعَةً وَ الْأَهْوَاءُ مُؤْتَلِفَةً وَ الْقُلُوبُ مُعْتَدِلَةً وَ الْأَيْدِي مُتَرَادِفَةً وَ السُّيُوفُ مُتَنَاصِرَةً وَ الْبَصَائِرُ نَافِذَةً وَ الْعَزَائِمُ وَاحِدَةً أَلَمْ يَكُونُوا أَرْبَاباً فِي

---

[1] سورہ مائدہ: آیت ۹۱

[2] بحار الانوار: ج ۳۲، ص ۴۰۳

أَقْطَارِ الْأَرَضِينَ وَ مُلُوكاً عَلَى رِقَابِ الْعَالَمِينَ فَانْظُرُوا إِلَى مَا صَارُوا إِلَيْهِ فِي آخِرِ أُمُورِهِمْ حِينَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ وَ تَشَتَّتَتِ الْأُلْفَةُ وَ اخْتَلَفَتِ الْكَلِمَةُ وَ الْأَفْئِدَةُ وَ تَشَعَّبُوا مُخْتَلِفِينَ وَ تَفَرَّقُوا مُتَحَارِبِينَ وَ قَدْ خَلَعَ اللهُ عَنْهُمْ لِبَاسَ كَرَامَتِهِ وَ سَلَبَهُمْ غَضَارَةَ نِعْمَتِهِ وَ بَقِيَ قَصَصُ أَخْبَارِهِمْ فِيكُمْ عِبَراً [عِبْرَةً] لِلْمُعْتَبِرِينَ [مِنْكُم].

بدترین اعمال کی بنا پر گذشتہ امتوں پر نازل ہونے والے عذاب سے اپنے کو محفوظ رکھو خیر و شر ہر حال میں ان لوگوں کو یاد رکھو۔اور خبر داران کے جیسے بدکردار نہ ہو جانا۔

اگر تم نے ان کے اچھے، برے حالات پر غور کر لیا تو ایسے معاملات کو اختیار کرو جن کی بنا پر عزت ہمیشہ اُن کے ساتھ رہی دشمن اُن سے دور دور رہے عافیت کا دامن اُن کی طرف پھیلا دیا گیا نعمتیں اُن کے سامنے سرنگوں ہوئیں اور کرامت و شرافت نے اُن سے اپنا رشتہ جوڑ لیا کہ وہ افتراق سے بچے، محبت کے ساتھ دوسروں کو آمادہ کرتے رہے اور اسی کی آپس میں وصیت و نصیحت کرتے رہے۔

اور دیکھو ہر اس چیز سے پرہیز کرو جس نے ان کی کمر کو توڑ دیا ہے۔ان کی طاقت کو کمزور بنا دیا۔یعنی آپس کا کینہ۔ دلوں کی عداوت، نفوس کا ایک دوسرے سے منہ پھیر لینا اور ہاتھوں کا ایک دوسرے کی امداد سے رک جانا۔

ذرا اپنے سے پہلے والے صاحبان ایمان کے حالات پر بھی غور کرو کہ وہ کس طرح بلاء اور آزمائش کی منزلوں میں تھے۔کیا وہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ بوجھ کے متحمل اور تمام بندوں میں سب سے زیادہ مصائب میں مبتلا نہیں تھے۔

اور تمام اہل دنیا میں سب سے زیادہ تنگی میں بسر نہیں کر رہے تھے؟ فراعنہ نے انہیں غلام بنا لیا تھا اور طرح طرح کے بدترین عذاب میں مبتلا کر رہے تھے انہیں تلخ گھونٹ پلا رہے تھے اور وہ انہی حالات میں زندگی گذار رہے تھے کہ ہلاکت کی ذلت بھی تھی اور مغلوب ہونے کے قہر سامانی بھی۔نہ بچاؤ کو کوئی راستہ تھا اور نہ دفاع کی کوئی سبیل۔

یہاں تک کہ جب پروردگار نے یہ دیکھ لیا کہ انہوں نے اس کی محبت میں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کر لی ہیں اور اس کے خوف سے ہر ناگوار حالت کا سامنا کر لیا ہے تو ان کے لئے ان تنگیوں میں وسعت کا سامان فراہم کر دیا اور ان کی ذلت کو عزت میں تبدیل کر دیا۔خوف کے بدلے امن و امان عطا فرما دیا اور وہ زمین کے حاکم اور بادشاہ۔قائد اور نمایاں افراد بن گئے الٰہی کرامت نے انہیں ان منزلوں تک پہنچا دیا جہاں تک جانے کا انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

دیکھو جب تک اجتماعات یکجا رہے ان کے خواہشات میں اتفاق رہا ان کے دل معتدل رہے ان کے ہاتھ ایک دوسرے کی امداد کرتے رہے ان کی تلواریں ایک دوسرے کے کام آتی رہیں ان کی بصیرتیں نافذ رہیں اور ان کے عزائم میں اتحاد رہا وہ کس طرح باعزت رہے کیا وہ تمام اطراف زمین کے ارباب اور تمام لوگوں کی گردنوں کے حکام نہیں تھے۔

لیکن پھر آخر کار ان کا انجام کیا ہوا؟ جب ان کے درمیان افتراق پیدا ہوگیا اور محبتوں میں انتشار پیدا ہوگیا باتوں اور دلوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اور سب مختلف جماعتوں اور متحارب گروہوں میں تقسیم ہوگئے تو پروردگار نے ان کے بدن سے کرامت کا لباس اتار لیا اور ان سے نعمتوں کی شادابی کو سلب کر لیا اور اب ان کے قصے صرف عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے سامان عبرت بن کر رہ گئے ہیں۔[۱]

امیر المومنین علیہ السلام کے اس حسین و بلیغ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قوم وملت کی ترقی کا راز دراصل ان کی وحدت اور اتحاد میں پوشیدہ ہے اور ان کی تنزلی پستی اور بربادی کی اصل وجہ ان کی نا اتفاقی تفرقہ اور آپسی لڑائی جھگڑا ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کیونکہ مسلمان اسلامی آداب کے پابند اور اخلاقی بلندیوں پر فائز تھے اسی لئے وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے بہترین دوست، رحم دل اور دشمنوں کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار تھے۔

اس وقت اسلامی سماج اور معاشرہ سماجی اور انسانی کمالات کی بلند ترین منزلوں پر پہنچنے کی بناء پر دوسری قوموں کے لئے نمونہ عمل بنا ہوا تھا۔ جس کی طرف خداوند عالم نے مندرجہ ذیل آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.[۲]

اور تحویل قبلہ کی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا ہے تا کہ تم لوگوں کے اعمال کے گواہ رہو اور پیغمبر تمہارے اعمال کے گواہ رہیں۔

یا دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.[۳]

تم بہترین امت جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔

بلند و بالا آداب و اطوار اور ارفع و اعلیٰ کردار نیز بہترین اخلاق کا مظاہرہ کرنے کے بعد ہی کوئی قوم دوسری قوموں کے لئے نمونہ عمل قرار پا سکتی ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے۔

[۱] نہج البلاغۃ: خطبہ قاصعہ
[۲] سورۂ بقرہ: آیت ۱۴۳
[۳] سورۂ آل عمران: آیت ۱۱۰

كُونُوا دُعَاةً لِلنَّاسِ بِغَيْرِ أَلْسِنَتِكُم.[1]

یعنی لوگوں کی زبان کے بجائے اپنے عمل کے ذریعے دعوت دینے والے بنو۔

کیونکہ جب تک عمل موجود نہ ہو صرف زبان کی کوئی قدر و قیمت اور تاثیر نہیں ہوتی ہے۔لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلامی پرچم سربلند نظر آئے اور خدا کا دین ہر جگہ عام ہو جائے تو پھر ہمارے لئے بھی یہی ضروری ہے کہ ہم اسلامی آداب و احکام اور طور طریقوں کے زیور سے اپنے کو آراستہ کریں اور ہمارا اخلاق و کردار خالص اسلامی اور الٰہی روح اور پیکر میں ڈھیلا ہوا ہے۔چنانچہ اسی وقت ہم دوسری قوموں کے لئے نمونہ عمل بن سکتے ہیں اور انہیں اسلام کی طرف راغب کر کے اس کا گرویدہ بنا سکتے ہیں۔

لہٰذا آج ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی آداب کی مکمل پابندی کرے تا کہ اسلام ہر جگہ باعزت اور سر بلند نظر آئے اور اس کے دشمنوں پر اس کی ہیبت قائم رہے۔کیونکہ خداوند عالم نے ہمیں وحدت و اتحاد اور ایک ہونے کا حکم دیا ہے۔اور نا اتفاقی اور لڑائی جھگڑے سے منع فرمایا ہے۔لہٰذا مذکورہ تمام گفتگو کی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام اسلامی آداب کے تین بنیادی مقاصد ہیں۔

۱۔مسلمانوں میں اتحاد اور بھائی چارگی پیدا کر کے مسلمانوں کی عزت و سربلندی میں اضافہ کرنا۔

۲۔دوسری قوموں کے لئے عملی نمونہ پیش کر کے انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا۔

۳۔مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں ترقی و کمال اور ابدی سعادت تک پہنچانے کے لئے ایک دوسرے کا تعاون اور امداد کرنا۔

اور یہ تمام مقاصد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں کہ جب ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کی جائے اور ان کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کا دور دورہ ہو اور وہ ایک دوسرے کی ہر خوشی اور غم میں برابر کے شریک رہیں۔

[1] بحار الانوار: ج ۶۷، ص ۳۰۹

باب۔ ۳۱

علم اور عالم کی فضیلت ①

مذہب اسلام کے اندر زندگی کے دیگر معاملات کی طرح تعلیم حاصل کرنے اور دوسروں کو تعلیم دینے کے بارے میں مخصوص آداب اور قوانین موجود ہیں جن میں سے بعض کی رعایت کرنا استاد یا مدرس کے لئے ضروری ہے جب کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا خیال رکھنا طالب علم اور بچوں کے اوپر لازم ہے اس سلسلے میں اسلام نے جو آداب بیان کئے ہیں آئندہ دروس میں آپ ان سے واقف ہوں گے لیکن پہلے علم اور عالم کی اہمیت اور ان کے مقام و مرتبہ کو جاننا ضروری ہے۔

الف: علم اور عالم کی اہمیت قرآن مجید کی نگاہ میں

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو آیات کریمہ سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں ان میں انسان کی خلقت کے بعد سب سے پہلے جس نعمت کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ علم کی نعمت ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ.[1]

اس خدا کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا ہے، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو اور تمہارا پروردگار بہت کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا ہے جو وہ نہیں جانتا تھا۔

[1] سورہ علق: آیت ۱۔۵

۲۔جاہلوں پر اہل علم کی فضیلت

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ.[۱]

خدا صاحبان ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے۔

۳۔بے شمار خیر ان کو نصیب ہوگا جنہیں حکمت کا سر چشمہ مل گیا ہے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا.[۲]

اور جسے حکمت عطا کر دی جائے اسے گویا خیر کثیر عطا کر دیا گیا۔

اور حکمت تک پہنچنے کا ایک راستہ تعلم ہے۔

۴۔اہل علم کے اندر قرآن مجید کے اعتبار سے خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱۔ایمان:

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ[۳]

اور جو علم میں رسوخ رکھنے والے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔توحید:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ[۴]

اور اللہ خود گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور ملائکہ اور صاحبان علم گواہ ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔

۳۔خوف خدا سے غمگین ہونا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا.[۵]

جن کو اس سے پہلے علم دے دیا گیا ہے ان پر تلاوت ہوتی ہے تو منہ کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں روتے ہیں

---

[۱] سورہ مجادلہ: آیت

[۲] سورہ بقرہ: آیت ۲۶۹

[۳] سورہ آل عمران: آیت ۷

[۴] سورہ آل عمران: آیت ۱۸

[۵] سورہ اسراء آیت: ۱۰۷/۱۰۹

اور وہ قرآن ان کے خشوع میں اضافہ کر دیتا ہے۔

۴۔خشوع:

جیسا کہ مذکورہ آیت میں ذکر ہے۔

۵۔خشیت:

كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا۔[1]

لیکن اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں صرف صاحبانِ معرفت ہیں۔

ب۔ احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علم اور عالم کا مرتبہ

☆مَن يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهُهُ فِي الدِّين[2]

خداوند عالم جس کے لئے بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کا ادراک عطا کر دیتا ہے

☆ عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيل[3]

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔

☆ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاء[4]

اہل علم انبیاء کے وارث ہیں۔

☆يَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْض[5]

زمین و آسمان کی ہر مخلوق عالم کے لئے استغفار کرتی ہیں۔

☆اَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْجِهَادِ۔ اَمَّا الْعِلْمُ فَدَلُّوا النَّاسَ عَلٰى مَا جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ، وَاَمَّا اَهْلُ الْجِهَادُ فَجَاهَدُوْا بِاَسْيَافِهِمْ عَلٰى مَا جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ۔[6]

---

[1] سورہ: فاطر: آیت ۲۸

[2] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم

[3] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم

[4] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم

[5] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم

[6] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم

اہل علم اور مجاہدین درجہ نبوت سے سب سے زیادہ نزدیک ہیں علماء اس لئے نزدیک ہیں کیونکہ انہوں نے پیغمبروں کے پیش کردہ احکام کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی ہے اور مجاہدین اس لئے نزدیک ہیں کہ انہوں نے اپنی تلواروں سے پیغمبروں کے پیغام کے لئے جہاد کیا ہے۔

☆ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يُوزَنُ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ مَعَ دِمَاءِ الشُّهَدَاءِ.[١]

روز قیامت علما کے قلم کی روشنائی خون شہداء کے ہم وزن ہوگی۔

☆ إِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِي الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُومِ فِي السَّمَاءِ يُهْتَدَى بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ فَإِذَا انْطَمَسَتْ أَوْشَكَ أَنْ تَضِلَّ الْهُدَاةُ.[٢]

روئے زمین پر علماء ایسے ہی ہیں جیسے آسمانوں پر ستارے چمکتے ہیں کہ ان کے ذریعہ خشکی اور سمندروں میں راستہ معلوم کیا جاتا ہے اور جب ان میں سے کوئی ڈوب جاتا ہے تو ہدایت پانے والوں کے لئے گمراہی کے خطرات پیدا ہوجاتے ہیں۔

☆ پروردگار نے جناب ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی:

يَا إِبْرَاهِيمُ! إِنِّيْ عَلِيمٌ وَ أُحِبُّ كُلَّ عَلِيمٍ.[٣]

اے ابراہیم! میں صاحب علم ہوں اور ہر صاحب علم سے محبت کرتا ہوں۔

☆ مَوْتُ قَبِيلَةٍ أَيْسَرُ مِنْ مَوْتِ الْعَالِمِ.[٤]

ایک پورے قبیلہ کی موت (کا غم) ایک عالم کی موت سے زیادہ سہل ہے۔

☆ مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللهِ كَفَاهُ اللهُ هَمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.[٥]

جو دین کی راہ میں غور وفکر کے لئے کوشش کرے گا تو خداوند عالم اس کے ہر ہم وغم کے لئے کافی ہے اور جس جگہ کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا اسے وہاں سے روزی فراہم کردے گا۔

☆ يُشَفَّعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.[٦]

---

[١] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
[٢] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
[٣] احیاء العلوم غزالی: کتاب العلم
[٤] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
[٥] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
[٦] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم

روز قیامت تین طرح کے لوگ شفاعت کریں گے۔ پہلے انبیاء پھر علماء اور تیسرے شہداء۔

☆أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَنْ يَتَعَلَّمَ الْمَرْءُ عِلْماً ثُمَّ يُعَلِّمُهُ أَخَاهُ.[1]

سب سے بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان خود تعلیم حاصل کرے اور پھر اپنے بھائیوں کو اس کی تعلیم دے۔

☆ إِنَّ اللهَ وَ مَلَائِكَتَهُ وَ أَهْلَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا وَ حَتَّى الْحُوتَ لَيُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ.[2]

پروردگار عالم اور اس کے ملائکہ حتیٰ کہ اپنے سوراخوں میں چیونٹیاں اور سمندروں کی مچھلیاں بھی لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔

☆اَلنَّظَرُ إِلَى وَجْهِ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ.[3]

عالم کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے

☆وَإِذَا مَاتَ الْعَالِمُ ثُلِمَ فِي الْإِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لَا يَسُدُّهَا مَا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ.[4]

عالم کی موت اسلام کے اندر ایک ایسا شگاف ہے جس کی بھرپائی شب وروز کے دائمی سلسلہ سے بھی نہیں ہوسکتی۔

ج۔ احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طالب تعلیم و تعلّم کی اہمیت

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ.[5]

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔

اطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ فَإِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ.[6]

تعلیم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے، کیونکہ تعلیم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت مسلمان پر فرض ہے۔

من مَنْ طَلَبَ عِلْماً فَأَدْرَكَهُ كَتَبَ اللهُ لَهُ كِفْلَيْنِ مِنَ الْأَجْرِ وَ مَنْ طَلَبَ عِلْماً فَلَمْ يُدْرِكْهُ

[1] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
[2] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
[3] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
[4] احیاء العلوم غزالی: کتاب علم
[5] سنن ابن ماجہ: ج ۱ باب ۱۷ حدیث ۲۲۴
[6] بحار الانوار: ج ۱ ص ۱۸۰ باب ۱

كَتَبَ اللهُ لَهُ كِفْلًا مِنَ الْأَجْرِ.[۱]

جو شخص کوئی علم سیکھنا شروع کرے اور اس کے حصول میں کامیاب ہو جائے۔ تو خداوند عالم اس کے لئے دو اجر لکھتا ہے اور جو شخص تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرے مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو خداوند عالم اس کے لئے ایک اجر لکھے گا۔

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى عُتَقَاءِ اللهِ مِنَ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى الْمُتَعَلِّمِينَ فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا مِنْ مُتَعَلِّمٍ يَخْتَلِفُ إِلَى بَابِ الْعَالِمِ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ قَدَمٍ عِبَادَةَ سَنَةٍ وَبَنَى اللهُ لَهُ بِكُلِّ قَدَمٍ مَدِينَةً فِي الْجَنَّةِ وَيَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ وَهِيَ تَسْتَغْفِرُ لَهُ وَيُمْسِي وَيُصْبِحُ مَغْفُوراً لَهُ وَشَهِدَتِ الْمَلَائِكَةُ أَنَّهُمْ عُتَقَاءُ اللهِ مِنَ النَّارِ.[۲]

جو شخص جہنم سے آزاد ہونے والے بندگان خدا کو دیکھنا چاہے تو تعلیم حاصل کرنے والوں کو دیکھ لے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب بھی کوئی طالب علم کسی عالم کے دروازے پر رفت و آمد کرتا ہے تو خداوند عالم اس کے ہر قدم پر ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے اور ہر قدم پر جنت میں اس کے لئے ایک گھر بناتا ہے اور وہ جس زمین پر چلتا ہے وہ زمین اس کے لئے استغفار کرتی ہے اور صبح و شام اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور ملائکہ ان کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ انہیں خدا نے جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَهُوَ كَالصَّائِمِ نَهَارَهُ الْقَائِمِ لَيْلَهُ وَإِنَّ بَاباً مِنَ الْعِلْمِ يَتَعَلَّمُهُ الرَّجُلُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَكُونَ أَبُو قُبَيْسٍ ذَهَباً فَأَنْفَقَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ.[۳]

علم حاصل کرنے والا انسان اس شخص کی طرح ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہو اور پوری رات نماز پڑھ کر گزار دیتا ہو اور اگر وہ علم کا ایک باب حاصل کر لے تو وہ اس کے لئے راہ خدا میں کوہ ابوقبیس کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ حَتَّى يَرْجِعَ.[۴]

علم کی راہ میں گھر سے نکلنے والا جب تک واپس نہ آ جائے راہ خدا میں رہتا ہے۔

طَالِبُ الْعِلْمِ بَيْنَ الْجُهَّالِ كَالْحَيِّ بَيْنَ الْأَمْوَاتِ.[۵]

---

[۱] الترغیب والترہیب: ج ۱ ص
[۲] تفسیر فخر رازی: ج ص ۱۸۰
[۳] گذشتہ حوالہ
[۴] سنن ترمذی: حدیث ۲۶۴۷
[۵] کنز العمال: حدیث ۲۸۷۲۶

جاہلوں کے درمیان طالب علم ایسا ہی ہے جیسے مردوں کے درمیان کوئی زندہ شخص ہو۔

إِذَا جَاءَ الْمَوْتُ لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَهُوَ عَلَى هَذِهِ الْحَالِ مَاتَ شَهِيداً.[۱]

تعلیم کے دوران اگر کسی طالب علم کو موت آجائے تو وہ شہید ہے۔

مَنْ طَلَبَ بَاباً مِنَ الْعِلْمِ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ كَانَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ.[۲]

جو شخص اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم حاصل کرے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

طالب العلم تبسط له الملائكة اجنحتها رضى بما يطلب.[۳]

طالب علم جو علم حاصل کرتا ہے اس سے خوش ہو کر ملائکہ اپنے پروں کو اس کے پیروں کے نیچے پھیلا دیتے ہیں۔

مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَطْلُبُ فِيهِ عِلْماً سَلَكَ اللهُ تَعَالَى بِهِ طَرِيقاً إِلَى الْجَنَّةِ.[۴]

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلے گا خداوند عالم اس کے ذریعے اسے جنت کی راہ پر لگا دے گا۔

☆ روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز مسجد میں داخل ہوئے اور چاروں طرف ایک نظر ڈالی تو دیکھا بعض لوگ دعا و عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول ہیں اور کچھ لوگ تعلیم میں سرگرم ہیں تو آپ نے فرمایا:

كِلَا الْمَجْلِسَيْنِ إِلَى خَيْرٍ أَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَدْعُونَ اللهَ وَ أَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُونَ وَ يُفَقِّهُونَ الْجَاهِلَ هَؤُلَاءِ أَفْضَلُ بِالتَّعْلِيمِ أُرْسِلْتُ ثُمَّ قَعَدَ مَعَهُمْ.[۵]

یہ دونوں ہی لوگ خیر پر ہیں لیکن جو لوگ عبادت خدا اور اس سے راز و نیاز میں مشغول ہیں ان سے وہ لوگ افضل ہیں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا جاہلوں کو تعلیم دے رہے ہیں کیونکہ مجھے تعلیم دینے کے لئے ہی بھیجا گیا ہے، پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

---

[۱] ترغیب وترہیب: ج ا ص ۹۷

[۲] کنز العمال: حیدث ۲۸۸۳۳

[۳] کنز العمال: حیدث ۲۸۷۴۶

[۴] کنز العمال: حیدث ۲۸۷۴۶

[۵] سنن ابن ماجہ: حدیث ۲۲۹، کنز لاالعمال: حدیث ۲۸۷۰۱، ۲۸۸۷۳ معمولی اختلاف کے ساتھ۔

خلاصہ

اسلام علم اور تعلیم کی اہمیت کا بہت زیادہ قائل ہے یہاں تک کہ قرآن مجید نے سب سے پہلے جس نعمت کا تذکرہ کیا ہے وہ نعمت علم ہے اسی طرح اسلام اور معصومینؑ کی نگاہ میں عالم اور طالب علم کا ایک عظیم مقام و مرتبہ ہے۔

سوالات:

۱۔ قرآن مجید میں اہل علم کی جو خصوصیتیں بیان کی گئیں ہیں انہیں بیان کیجئے اور ان سے متعلق آیات سنائیے؟
۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم کا کیا مرتبہ بیان فرمایا ہے؟
۳۔ حدیث پیغمبرؐ میں کن لوگوں کو جہنم سے آزاد قرار دیا گیا ہے؟
۴۔ حدیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عابد پر عالم کو برتری کیوں حاصل ہے؟

باب۔ ۳۲

علم اور عالم کی فضیلت ۲

د۔ احادیث اہل بیتؑ میں علم اور عالم کی فضیلت

۱۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ اعْلَمُوا أَنَّ كَمَالَ الدِّينِ طَلَبُ الْعِلْمِ وَ الْعَمَلُ بِهِ أَلَا وَإِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ أَوْجَبُ عَلَيْكُمْ مِنْ طَلَبِ الْمَالِ إِنَّ الْمَالَ مَقْسُومٌ مَضْمُونٌ لَكُمْ قَدْ قَسَمَهُ عَادِلٌ بَيْنَكُمْ وَ ضَمِنَهُ وَ سَيَفِي لَكُمْ وَ الْعِلْمُ مَخْزُونٌ عِنْدَ أَهْلِهِ وَ قَدْ أُمِرْتُمْ بِطَلَبِهِ مِنْ أَهْلِهِ فَاطْلُبُوهُ.[۱]

اے لوگو! یاد رکھو کہ دین کی تکمیل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے تعلیم حاصل کرو اور پھر اس پر عمل کرو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تعلیم حاصل کرنا تمہارے لئے مال حاصل کرنے سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ مال تمہارے درمیان تقسیم شدہ ہے اور اس کی ضمانت بھی موجود ہے یعنی خدائے عادل نے اس کو تمہارے درمیان خود تقسیم فرمایا ہے اور اسی نے اس کی ضمانت بھی لی ہے اور وہ اسے ضرور وفا کرے گا جبکہ علم کا خزانہ اہل علم کی پاس رکھا گیا ہے اور تمہیں اس کے حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا اہل علم کے پاس جا کر تعلیم حاصل کرو۔

۲۔اسی طرح مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:

الْعِلْمُ أَفْضَلُ مِنَ الْمَالِ بِسَبْعَةٍ.

---

[۱] اصول کافی ج ۱، ص ۳۰

مال کے مقابل علم سات چیزوں کے باعث افضل ہے۔

۱۔ أَنَّهُ مِيرَاثُ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمَالَ مِيرَاثُ الْفَرَاعِنَة.

علم انبیاء کی میراث ہے جبکہ مال فرعون صفت افراد کی میراث ہے۔

۲۔ الْعِلْمُ لَا يَنْقُصُ بِالنَّفَقَةِ وَ الْمَالُ يَنْقُصُ بِهَا.

علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور مال خرچ کرنے سے کم ہوجاتا ہے۔

۳۔ يَحْتَاجُ الْمَالُ إِلَى الْحَافِظِ وَ الْعِلْمُ يَحْفَظُ صَاحِبَه.

مال کے لئے محافظ کی ضرورت ہے اور علم خود صاحب علم کی حفاظت کرتا ہے۔

۴۔ الْعِلْمُ يَدْخُلُ فِي الْكَفَنِ وَ يَبْقَى الْمَال.

علم آدمی کے کفن میں بھی ساتھ رہتا ہے (یعنی بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کے لائق ہے) جبکہ مال اسی دنیا میں چھوٹ جاتا ہے۔

۵۔ الْمَالُ يَحْصُلُ لِلْمُؤْمِنِ وَ الْكَافِرِ وَ الْعِلْمُ لَا يَحْصُلُ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ خَاصَّةً

مال مومن اور کافر سب کو مل جاتا ہے لیکن علم صرف اور صرف مومن کو نصیب ہوتا ہے۔

۶۔ جَمِيعُ النَّاسِ يَحْتَاجُونَ إِلَى الْعَالِمِ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ وَ لَا يَحْتَاجُونَ إِلَى صَاحِبِ الْمَال

دین کے معاملات میں تمام لوگوں کو اہل علم کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اہل مال کی نہیں۔

۷۔ الْعِلْمُ يُقَوِّي الرَّجُلَ عَلَى الْمُرُورِ عَلَى الصِّرَاطِ وَ الْمَالُ يَمْنَعُهُ. [۱]

علم ہر انسان کو صراط مستقیم سے گزرنے کی طاقت فراہم کرتا ہے جبکہ مال مانع ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

رَأْسُ الْفَضَائِلِ الْعِلْمِ غَايَةُ الْفَضَائِلِ الْعِلْمُ. [۲]

ہر فضیلت کا سرچشمہ اور ہر فضیلت کی انتہا کا نام علم ہے۔

۴۔ آپؑ ہی کا ارشاد ہے:

اَلْعِلْمُ وِرَاثَةٌ كَرِيمَة. [۳]

---

[۱] بحار الانوار: ج ۱، ص ۱۸۵۔

[۲] غرر الحکم، ص ۴۱، ۱۶

[۳] نہج البلاغۃ حکمت ۵

علم نیک میراث ہے۔

۵۔آپؑ کا یہ ارشاد بھی ہے

اَلْعِلْمُ حِجَابٌ مِنْ آفَاتٍ.[۱]

علم آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اسی طرح آپؑ نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنْ.[۲]

علم مومن کی متاع گمشدہ ہے۔

۶۔حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اسی سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ لَطَلَبُوهُ وَ لَوْ بِسَفْكِ الْمُهَجِ وَ خَوْضِ اللُّجَجِ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى أَوْحَى إِلَى دَانِيَالَ أَنَّ أَمْقَتَ عَبِيدِي إِلَيَّ الْجَاهِلُ الْمُسْتَخِفُّ بِحَقِّ أَهْلِ الْعِلْمِ التَّارِكُ لِلاقْتِدَاءِ بِهِمْ وَ أَنَّ أَحَبَّ عَبِيدِي إِلَيَّ التَّقِيُّ الطَّالِبُ لِلثَّوَابِ الْجَزِيلِ اللَّازِمُ لِلْعُلَمَاءِ التَّابِعُ لِلْحُلَمَاءِ الْقَابِلُ عَنِ الْحُكَمَاءِ.[۳]

اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ تعلیم کے اندر کیا کچھ موجود ہے تو وہ اسے خون جگر بہا کر اور دریاؤں کی تہوں میں غوطہ لگا کر حاصل کرتے خداوند عالم نے جناب دانیالؑ نبی پر یہ وحی نازل فرمائی کہ میرے نزدیک سب سے برا انسان وہ جاہل شخص ہے جو اہل علم کے مرتبہ کو معمولی سمجھے اور ان کی پیروی نہ کرے اور مجھے اپنا وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو متقی و پرہیزگار اور بے شمار ثواب کا طالب ہو اور مسلسل علماء کے ساتھ رہتا ہو اور حکماء کا تابع اور ان کے احکام پر عمل پیرا ہو۔

۷۔امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ عَلَّمَ بَابَ هُدًى، فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ، وَ لَا يُنْقَصُ أُولٰئِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئاً، وَ مَنْ عَلَّمَ بَابَ ضَلَالٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ أَوْزَارِ مَنْ عَمِلَ بِهِ، وَ لَا يُنْقَصُ أُولٰئِكَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئاً.[۴]

جو شخص ہدایت کے کسی ایک باب کی تعلیم دے اس کو اس پر عمل کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے اور ان کے اجرا

---

[۱] غرر الحکم ص ۶۴، ۷۹۴

[۲] بحار الانوار ج ۱، ص ۱۶۸، باب ۱

[۳] اصول کافی ج ۱، ص ۳۵

[۴] اصول کافی: ج ۱، ص ۳۵۔

میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی اور جو شخص کسی غلط بات (گمراہی) کی تعلیم دے گا اس کو اس بات پر عمل کرنے والوں کے برابر عذاب ملے گا اور اس میں کوئی بھی تخفیف ممکن نہیں ہے۔

۸۔آپؐ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ الَّذِی يُعَلِّمُ الْعِلْمَ مِنْكُمْ لَهُ أَجْرُ الْمُتَعَلِّمِ وَلَهُ الْفَضْلُ عَلَيْهِ فَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ مِنْ حَمَلَةِ الْعِلْمِ وَعَلِّمُوهُ إِخْوَانَكُمْ كَمَا عَلَّمَكُمُوهُ الْعُلَمَاء.[۱]

جو شخص کسی کو تعلیم دیتا ہے اس کے لئے تعلیم حاصل کرنے والے کا اجر بھی ہے البتہ استاد اس سے افضل ہے لہٰذا اہل علم سے علم حاصل کرلو اور پھر اپنے بھائیوں کو اس کی اسی طرح تعلیم دو جس طرح علما نے تمہیں تعلیم دی ہے۔

۹۔ابوبصیر کی روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ عَلَّمَ خَيْراً فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ قُلْتُ فَإِنْ عَلَّمَهُ غَيْرَهُ يَجْرِی ذَلِكَ لَهُ قَالَ إِنْ عَلَّمَهُ النَّاسَ كُلَّهُمْ جَرَى لَهُ قُلْتُ فَإِنْ مَاتَ قَالَ وَإِنْ مَاتَ.[۲]

کسی کار خیر کی تعلیم دینے والے کا اجر اس پر عمل کرنے والے کے برابر ہے! میں نے عرض کی کہ اگر کسی دوسرے کو بھی وہی تعلیم دے دے تب بھی وہی اجر ہوتا؟

فرمایا: اگر تمام لوگوں کو تعلیم دے دے تب بھی وہی اجر ملتا رہے گا۔

میں نے پھر عرض کی، اور اگر مر جائے تب بھی۔

آپؐ نے فرمایا: کہ اگر مر بھی جائے تب بھی وہی اجر ملتا رہے گا۔

۱۰۔آپؐ ہی سے روایت ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَمِلَ بِهِ وَعَلَّمَ لِلّٰهِ دُعِیَ فِی مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ عَظِيماً فَقِيلَ: تَعَلَّمَ لِلّٰهِ وَعَمِلَ لِلّٰهِ وَعَلَّمَ لِلّٰهِ.[۳]

جو شخص کسی کار خیر کی تعلیم حاصل کر کے اس پر عمل بھی کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے تو آسمانوں پر اس کا بڑا مرتبہ ہے اور اس کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے خدا کے لئے تعلیم حاصل کی خدا کی خاطر عمل کیا اور اسی کی رضا کے لئے تعلیم دی ہے۔

---

[۱] گذشتہ حوالہ

[۲] گذشتہ حوالہ۔

[۳] اصول کافی ج۱، ص ۳۵

ہ۔ جاہل پر عالم کی فضیلت اور برتری

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات میں علم کو عبادت سے اور عالم کو عابد سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

☆ اَلْعِلْمُ أَفْضَلُ مِنَ الْعِبَادَةِ.[1]

علم عبادت سے بہتر ہے۔

☆ مَنْ خَرَجَ يَطْلُبُ بَاباً مِنَ الْعِلْمِ لِيَرُدَّ بِهِ بَاطِلًا إِلَى حَقٍّ وَ ضَالًّا إِلَى هُدًى كَانَ عَمَلُهُ كَعِبَادَةِ أَرْبَعِينَ عَاماً.[2]

جو شخص اس نیت سے علم حاصل کرنے نکلے کہ اس کے ذریعہ باطل کی جگہ حق اور گمراہی کی جگہ ہدایت کو رواج دے گا تو اس کا یہ عمل عابد کی چالیس سالہ عبادت کے برابر ہے۔

☆ نَوْمٌ مَنْ عَلِمَ خَيْرٌ مِنْ صَلَاةٍ مَعَ جَهلٍ.[3]

علم کی حالت میں سونا جہالت میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

☆ طلب العلم افضل عنداللہ من الصلاۃ والصیام والحج والجھاد فی سبیل اللہ.[4]

علم حاصل کرنا خداوند عالم کے نزدیک نماز، روزے، حج اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔

☆ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ النُّجُومِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ.[5]

عالم کو عابد پر وہی فضیلت حاصل ہے جو چودھویں کے چاند کو ستاروں پر ہوتی ہے۔

☆ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعُونَ دَرَجَةً بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ حُضْرُ الْفَرَسِ سَبْعِينَ عَاماً وَ ذٰلِكَ لِأَنَّ الشَّيْطَانَ يَضَعُ الْبِدْعَةَ لِلنَّاسِ فَيُبْصِرُهَا الْعَالِمُ فَيُزِيلُهَا وَ الْعَابِدُ يُقْبِلُ عَلَى عِبَادَتِهِ.[6]

---

[1] کنز العمال حدیث ۲۸۵۷
[2] کنز العمال حدیث ۲۸۵۷
[3] کنز العمال حدیث ۲۸۵۷
[4] کنز العمال حدیث ۲۸۵۷
[5] کنز العمال حدیث ۲۸۵۷
[6] کنز العمال حدیث ۲۸۵۷

عالم کا مرتبہ عابد سے ستر درجہ بلند ہے جن میں سے دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا ایک تیز رفتار گھوڑا ستر سال میں دوڑتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شیطان لوگوں کے درمیان بدعتیں رائج کرتا ہے تو عالم ان بدعتوں کو دیکھ کر انہیں ختم کر دیتا ہے جبکہ عابد صرف اپنی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔

☆فَقِيهٌ وَاحِدٌ فِي الْإِسْلَامِ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ.[۱]

شیطان کے مقابلہ میں ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

☆ رکعة من عالم بالله خیر من الف رکعة من متجاهل بالله.[۲]

خدا کی معرفت رکھنے والے عالم کی ایک رکعت جاہل کی ہزار رکعتوں سے بہتر ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

الْكَلِمَةُ مِنَ الْحِكْمَةِ يَسْمَعُهَا الرَّجُلُ فَيَقُولُ أَوْ يَعْمَلُ بِهَا خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ.[۳]

اگر کوئی شخص کوئی حکمت آمیز بات سن لے اور پھر اس کو دوسروں کے سامنے دہرائے یا اس پر عمل کرلے تو اس کا یہ عمل ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام:

تَذَكُّرُ الْعِلْمِ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ.[۴]

علمی مذاکرہ میں ایک ساعت گزار دینا پوری رات قیام کرنے سے بہتر ہے۔

آپ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

عَالِمٌ يُنْتَفَعُ بِعِلْمِهِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِينَ أَلْفَ عَابِدٍ.[۵]

جس عالم کے علم سے فائدہ پہنچ رہا ہو وہ ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

عَالِمٌ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ وَأَلْفِ زَاهِدٍ.[۶]

---

[۱] کنز العمال حدیث ۲۸۵۷

[۲] کنز العمال حدیث ۲۸۵۷

[۳] بحار الانوار: ج ۱، ۱۸۳، ح ۹۳

[۴] بحار الانوار: ج ۱، ص ۲۰۴،

[۵] بحار الانوار: ج ۲، ص ۱۸، باب

[۶] بحار الانوار: ج ۲، ص ۱۹، باب ۸۔

ایک عالم ایک ہزار عابد اور ایک ہزار زاہدوں سے بہتر ہے۔

و: صحیح تعلیم کا انتخاب

گذشتہ دو سبق کے اندر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرینؑ کے اقوال و احادیث کی روشنی میں آپ بخوبی علم اور عالم کی اہمیت سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک ان دونوں کا کتنا عظیم مقام اور مرتبہ ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دنیا کے ہر تعلیم یافتہ شخص کی یہی اہمیت ہے اور اس کو بھی دوسروں پر وہی فضیلت حاصل ہے جس کا تذکرہ مذکورہ روایات میں کیا گیا ہے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ علم حاصل کرنا ایک بہترین کار خیر ہے اور جس علم کی بھی معاشرے اور سماج کو ضرورت ہو اسے حاصل کرنا لازم ہے اور ایسے علوم کو اسلام میں واجب کفائی قرار دیا گیا ہے لیکن مذکورہ روایات میں علماء کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ فضیلت صرف علمائے دین سے مخصوص ہے۔ دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل روایات پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَوْتُ الْعَالِمِ ثُلْمَةٌ فِي الْإِسْلَامِ لَا تَسُدُّ مَا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارِ. [۱]

عالم کی موت سے اسلام کے اندر ایک ایسا شگاف پیدا ہو جاتا ہے جس کو دن رات کی دائمی گردش بھی نہیں بھر سکتی ہیں۔

۲۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لِعَالِمٍ وَاحِدٍ أَشَدُّ عَلَى إِبْلِيْسَ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ، لِأَنَّ الْعَابِدَ لِنَفْسِهٖ وَالْعَالِمَ لِغَيْرِهٖ. [۲]

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے ایک عالم کا وجود ابلیس کیلئے ہزار عابدوں پر بھاری ہے کیونکہ عابد صرف اپنی فکر میں رہتا ہے اور عالم کو دوسروں کی فکر رہتی ہے۔

۳۔ روایت میں ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شخص کو گھیرے

---

[۱] کنز العمال: حدیث ۲۸۷۶۱

[۲] کنز العمال: حدیث ۲۸۹۰۸

بیٹھے ہیں آپ نے سوال کیا: یہ کون ہے؟ اصحاب نے عرض کی یہ ''علامہ'' ہے فرمایا: کس چیز کا عالم ہے؟ تو جواب دیا کہ عربوں کے انساب، واقعات اور دورِ جاہلیت کے اشعار کا عالم ہے تو آپ نے فرمایا:

ذَاكَ عِلْمٌ لَا يَضُرُّ مَنْ جَهِلَهُ وَ لَا يَنْفَعُ مَنْ عَلِمَهُ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّمَا الْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ وَ مَا خَلَاهُنَّ فَهُوَ فَضْلٌ.

یہ تو ایک ایسا علم ہے کہ اگر کوئی اس سے جاہل ہو تو اس کا کوئی نقصان نہ ہوگا اور جو جانتا ہے اس کو اس سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے علم صرف تین ہی ہیں۔

آیۃ محکمۃ (علم عقائد) یا متعادل فرائض (اخلاقیات) یا پائیدار سنت (علم احکام شریعت) ان کے علاوہ باقی سب اضافی ہیں۔

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَ ذَلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَاراً وَ لَا دِرْهَماً وَ إِنَّمَا وَرَّثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِنْهَا فَقَدْ أَخَذَ حَظّاً وَافِراً فَانْظُرُوا عِلْمَكُمْ هَذَا عَمَّنْ تَأْخُذُونَهُ فَإِنَّ فِينَا فِي كُلِّ خَلَفٍ عُدُولاً يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ وَ انْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَ تَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ.[1]

بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار میں کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے بلکہ ان کے اقوال و گفتار ہی ان کی میراث ہیں لہٰذا جو شخص ان میں سے کچھ حاصل کر لے گا تو گویا اس کو بہت بڑا حصہ مل گیا لہٰذا یہ دھیان رکھو کہ تم اسے کس سے حاصل کر رہے ہو کیونکہ ہم اہلبیتؑ کی ہر نسل میں کچھ نہ کچھ ایسے عادل علما ضرور پائے جاتے ہیں جو غلو کرنے والوں کی تحریفات، اہل باطل کے اتہامات اور جاہلوں کی تاویلات سے اسلام کو محفوظ رکھتے ہیں۔

---

[1] اصول کافی: ج ۱، ص ۳۲، ح ۲

خلاصہ

اہل بیت علیہم السلام نے علم اور عالم کا عظیم مرتبہ بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اتنی تاکید کی ہے کہ اسے مال و دولت کمانے سے زیادہ واجب قرار دیا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں علم کا مرتبہ عبادت اور عالم کا مرتبہ عابد سے زیادہ ہے

اسلام نے تمام علوم کے درمیان سب سے زیادہ دینی تعلیم کو اہمیت دی ہے۔

سوالات

۱۔مولائے کائنات علیہ السلام کی نظر میں علم حاصل کرنا دولت کمانے سے زیادہ واجب کیوں ہے؟

۲۔حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں دولت اور علم کے درمیان کیا فرق پایا جاتا ہے۔؟

۳۔اس سبق اور گذستہ سبق کی روایات کی روشنی میں بیان کیجئے کہ عالم کو عابد پر کیوں فضیلت حاصل ہے؟

۴۔کیا اسلام کی نگاہ میں تمام علوم کی اہمیت یکساں ہے؟

باب۔۳۳

استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض اور آداب①

علم اور تعلیم کی فضیلت سے بخوبی آگاہی کے بعد مناسب یہی ہے کہ تعلیم کے دوران جن آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے ان کو بھی بیان کر دیا جائے چنانچہ شہید ثانیؒ نے ان آداب اور وظائف کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔استاد اور شاگرد کے مشترکہ آداب وفرائض

۲۔استاد کے مخصوص آداب وفرائض

۳۔شاگرد (طالب علم) کے خصوصی آداب وفرائض

مشترکہ فرائض اور آداب

تدریس اور تعلیم کے دوران استاد اور شاگرد کے لئے مندرجہ ذیل چھ چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔خلوص نیت

اسلام نے مسلمان کو زندگی کا ہر نیک کام خلوص نیت اور قربۃ الی اللہ (اللہ کے لئے) انجام دینے کی تاکید کی ہے کیونکہ صرف نیت ہی کی بنا پر بڑے سے بڑا عمل معمولی اور حقیر ہو جاتا ہے اور نیت کی تبدیلی سے معمولی سے معمولی عمل بے حد عظیم بن جاتا ہے اور اگر نیت واقعاً خالص ہو اور عمل صرف خدا کے لئے ہو تو عمل اور اس کا اثر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ.[۱]

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائے گا لیکن جو خداوند عالم کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

لہٰذا قربتاً الی اللہ کوئی کام انجام دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اللہ کے نزدیک اس عمل کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اور اسی سے اس کی جزا کی امید رکھیں اور اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے عمل انجام دیا جائے گا تو چونکہ اس کے علاوہ ہر چیز ایک دن فنا ہوجانے والی ہے لہٰذا اس عمل کا اثر اور اجر بھی ختم ہوجائے گا اسی لئے قرآن کریم نے ایسے افراد کو گھاٹا اٹھانے والوں میں شمار کیا۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا.[۲]

اے پیغمبر کیا ہم آپ کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع دیں جو اپنے اعمال میں بدترین خسارہ میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش زندگانی دنیا میں بہک گئی ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اچھے اعمال انجام دے رہے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے یہ یاد دہانی کرائی ہے کہ جو لوگ آخرت اور جنت کی دائمی نعمتوں کے خواہشمند ہیں وہ انہیں نصیب ہوجائیں گی لیکن جو لوگ دنیا کی فکر میں رہتے ہیں انہیں آخرت میں کچھ بھی ملنے والا نہیں ہے اور وہاں وہ گھاٹا اٹھائیں گے۔

جیسا کہ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ.[۳]

جو انسان آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لئے اضافہ کردیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی کا طلب گار ہے اسے اس میں سے عطا کردیتے ہیں اور پھر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا

---

[۱] سورہ نحل: آیت ۹۶

[۲] سورہ کہف: آیت ۱۰۳ / ۱۰۴

[۳] سورہ شوریٰ: آیت ۱۹

مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا.[۱]

جو شخص بھی دنیا کا طلب گار ہے ہم اس کے لئے جلد ہی جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں پھر اس کے بعد اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ ذلت ورسوائی کے ساتھ داخل ہوگا۔

انسان کے اعمال پر اس کی نیت کے کیا اثرات ہوتے ہیں اس بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں وضاحت فرمائی ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ إِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَ رَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَ رَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِامْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا أَوْ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.[۲]

تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے لہٰذا ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا جو شخص خدا اور رسول کی طرف قدم بڑھائے گا تو اس کی یہ ہجرت خدا اور رسولؐ کی جانب تمام ہوگی (یعنی ان کی رضا اور خوشی کے لئے اعمال انجام دے گا تو وہ اس کو قبول کریں گے) لیکن اگر کوئی دنیا کی طرف آگے بڑھے گا یا کسی عورت کا خواہشمند ہوگا تو انہیں حاصل کرلے گا اور اس کی ہجرت اس کی من پسند چیز ہی کی طرف ہوگی یعنی (خدا اور رسول سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے)

لہٰذا خلوص نیت کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ دیگر امور کی طرح تعلیم کے آغاز سے پہلے ہر انسان خدا ورسول کی خوشی کو مدنظر رکھے تاکہ اس کا یہ عمل خدا اور رسولؐ کے نزدیک مقبول ہوکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے نامہ اعمال میں درج ہوجائے اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ.[۳]

مومن کی نیت اور اس کا ارادہ اس کے عمل سے بہتر ہے۔

خلوص نیت کیسے حاصل ہوتا ہے؟

اپنے دل کے اندر خلوص پیدا کرنے اور نیت کو خدا کیلئے بالکل خالص بنانے کے واسطے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کو ہر قسم کی گندگی اور برائی سے پاک کرلیں یعنی خدا کے علاوہ کسی کی بھی طرف دل متوجہ نہ ہو یہی خداوند عالم کی خالص عبادت ہے جیسا کہ قرآن میں یہ ارشاد رب العزت ہے:

[۱] سورہ اسراء: آیت ۱۸
[۲] کنز العمال: حدیث ۷۲۷۲، منیۃ المرید: ص ۱۳۲
[۳] اصول کافی: ج ۲، ص ۸۴۔

فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ.[۱]

لہٰذا آپ مکمل اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں، آ گاہ ہوجاؤ کہ خالص بندگی صرف اللہ کے لئے ہے۔

اسی طرح یہ ارشاد بھی ہے:

وَمَآ اُمِرُوۡٓا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ.[۲]

اورانہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ خدا کی عبادت کریں اور اس عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں اور نماز قائم کریں زکات ادا کریں اور یہی سچا اور مستحکم دین ہے۔

اسی طرح خداوند عالم نے قرب الٰہی اور سعادت ابدی تک پہنچنے کیلئے توحید اور خلوص نیت کو شرط قرار دیا ہے:

فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا.[۳]

اور جو شخص بھی اپنے پروردگار کی ملاقات کا مشتاق ہے تو اسے چاہیئے کہ عمل صالح انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

لہٰذا تعلیم کے بارے میں ہر شخص کو اپنے مقصد اور نیت کا خیال رکھنا چاہیئے اور خدا کے علاوہ کوئی اور چیز اس کے مدنظر نہ ہونا چاہیئے صرف اور صرف دین خدا کی خدمت کیلئے قدم اٹھائے اور اگر خدانخواستہ خدا کا خیال دل سے نکل گیا تو پھر اس علم کی کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ اس کو سخت عذاب برداشت کرنا پڑے گا۔

جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنۡ تَعَلَّمَ عِلۡماً مِمَّا یُبۡتَغٰی بِہٖ وَجۡہُ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ لَا یَتَعَلَّمُہٗ إِلَّا لِیُصِیبَ بِہٖ غَرَضاً مِنَ الدُّنۡیَا لَمۡ یَجِدۡ عَرۡفَ الۡجَنَّۃِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ.[۴]

جس علم سے رضائے خدا حاصل ہوتی ہے اگر کوئی شخص اسے دنیاوی مقاصد کے لئے حاصل کرے تو وہ روز قیامت جنت کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا ہے۔

اسی طرح آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

---

[۱] سورہ زمر: آیت ۲ / ۳

[۲] سورہ بینہ: آیت

[۳] سورہ کہف آیت ۱۱

[۴] کنزالعمال حدیث ۲۹۰۲۰ ٬منیۃ المرید٬ص ۱۳۴۔

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً لِغَيْرِ اللهِ وَ أَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.[1]

اگر کوئی شخص غیر خدا کے لئے علم حاصل کرے اور اس کا مقصد خدا کے علاوہ کوئی اور ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اسی طرح آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ.[2]

اگر کوئی شخص اس نیت سے علم حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ علماء کا مقابلہ کرے گا یا جاہلوں کے سامنے فکر و مباہات کرے گا اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے گا تو خداوند عالم اسے جہنم میں ڈال دے گا۔

ایک دوسری حدیث کے مطابق آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ وَ تُجَادِلُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَ لِتَصْرِفُوا بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْكُمْ وَ ابْتَغُوا بِقَوْلِكُمْ مَا عِنْدَ اللهِ فَإِنَّهُ يَدُومُ وَ يَبْقَى وَ يَنْفَدُ مَا سِوَاهُ كُونُوا يَنَابِيعَ الْحِكْمَةِ مَصَابِيحَ الْهُدَى أَحْلَاسَ الْبُيُوتِ سُرُجَ اللَّيْلِ جُدُدَ الْقُلُوبِ خُلْقَانَ الثِّيَابِ تُعْرَفُونَ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ وَ تُخْفَوْنَ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ.[3]

اس نیت سے علم حاصل نہ کرو کہ اس کے ذریعہ جاہلوں کے سامنے فخر و مباہات کرو گے یا علماء سے بحث و مباحثہ کرو گے یا اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بناؤ گے بلکہ اپنی زبان و بیان کے ذریعہ اس چیز کو تلاش کرو جو خداوند عالم کے نزدیک موجود ہے کیونکہ وہی دائمی ہے اور اسی کو بقاء ہے نیز اس کے علاوہ ہر چیز کی فنا یقینی ہے لہٰذا تم حکمت کے سرچشمے، ہدایت کے چراغ، گھروں کی زینت، تاریک راتوں کے چراغ، زندہ دل اور سادہ پوش بن کر رہو تو چاہے تم زمین میں گمنام ہی کیوں نہ رہو اہل آسمان کے درمیان ضرور مشہور و معروف ہو جاؤ گے۔

دوسرے مقام پر آپؐ کا یہ ارشاد بھی ہے:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِأَرْبَعٍ دَخَلَ النَّارَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ لِيَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَوْ يَأْخُذَ بِهِ مِنَ الْأُمَرَاءِ.[4]

---

[1] سنن ترمذی ج۵ کتاب علم باب ۶۔

[2] کنز العمال: حدیث ۲۹۰۳

[3] سنن دارمی: ج۱ منیۃ المرید ص ۱۳۵

[4] گذشتہ حوالہ

جوشخص چار چیزوں کیلئے تعلیم حاصل کرے وہ جہنمی ہے۔

۱۔علماء پر فخر ومباہات کرنے کے لئے۔

۲۔سفیہ اور نادانوں کو دکھانے کی خاطر۔

۳۔لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے

۴۔حکام سے مال ودولت حاصل کرنے کیلئے۔

آپؑ ہی کا ارشادگرامی ہے:

مَا ازْدَادَ عَبْدٌ عِلْماً فَازْدَادَ فِي الدُّنْيَا رَغْبَةً إِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللهِ بُعْدا.[۱]

علم کی زیادتی کے ساتھ ساتھ اگر کسی بندے کے دل میں دنیا کی رغبت بڑھ جائے تو اس کے دل میں رغبت دنیا میں جتنا اضافہ ہوگا وہ اسی مقدار میں خداوند عالم سے دور ہوتا جائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ طَالِبُ دُنْيَا وَ طَالِبُ عِلْمٍ فَمَنِ اقْتَصَرَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى مَا أَحَلَّ اللهُ لَهُ سَلِمَ وَ مَنْ تَنَاوَلَهَا مِنْ غَيْرِ حِلِّهَا هَلَكَ إِلَّا أَنْ يَتُوبَ أَوْ يُرَاجِعَ وَ مَنْ أَخَذَ الْعِلْمَ مِنْ أَهْلِهِ وَ عَمِلَ بِعِلْمِهِ نَجَا وَمَنْ أَرَادَ بِهِ الدُّنْيَا فَهِيَ حَظُّه.[۲]

دو بھوکے ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے ایک طالب دنیا اور دوسرے طالب علم چنانچہ جوشخص خدا کی حلال کردہ چیزوں پر اکتفا کرلے وہ محفوظ ہوگیا اور جس نے ناجائز طریقے سے اس کا استعمال کیا وہ ہلاک ہوگیا مگر یہ کہ وہ توبہ کرکے راہ راست پر پلٹ آئے اور جوشخص لائق علماء سے علم حاصل کرکے اس پر عمل کرے وہ نجات یافتہ ہے اور جس کی نظر دنیا پر ہو تو اسے دنیا ہی نصیب ہوگی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَالِمَ مُحِبّاً لِدُنْيَاهُ فَاتَّهِمُوهُ عَلَى دِينِكُمْ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحِبٍّ لِشَيْءٍ يَحُوطُ مَا أَحَب.[۳]

جب تم کسی عالم کو دنیا کا گرویدہ دیکھو تو پھر اپنے دین کے بارے میں اس سے بدظن ہو جاؤ کیونکہ جوشخص جس چیز کا عاشق ہوتا ہے اس کے دل ودماغ پر اسی کا احاطہ وغلبہ رہتا ہے پھر آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب داؤدؑ کی طرف یہ وحی

---

[۱] سنن دارمی: ج ۱، منیۃ المرید ص ۱۳۵

[۲] اصول کافی: ج ۱، ص ۴۶

[۳] اصول کافی: ج ۱، ص ۴۶

فرمائی

لَا تَجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ عَالِماً مَفْتُوناً بِالدُّنْيَا، فَيَصُدَّكَ عَنْ طَرِيقِ مَحَبَّتِي، فَإِنَّ أُولَئِكَ قُطَّاعُ طَرِيقِ عِبَادِيَ الْمُرِيدِينَ، إِنَّ أَدْنَى مَا أَنَا صَانِعٌ بِهِمْ أَنْ أَنْزِعَ حَلَاوَةَ مُنَاجَاتِي مِنْ قُلُوبِهِمْ [۱]

'دنیا کے فریفتہ عالم کو اپنے اور میرے درمیان ہرگز نہ آنے دینا ورنہ وہ تم کو میری محبت کے راستے سے روک دے گا کیونکہ یہ لوگ وہ راہزن ہیں جو میری طرف آنے والے میرے بندوں کا راستہ روک لیتے ہیں میں ان کے ساتھ سب سے کم جو سلوک کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کے دلوں سے اپنی مناجات کی حلاوت اور شیرینی نکال لیتا ہوں۔

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے:

الْفُقَهَاءُ أُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَا لَمْ يَدْخُلُوا فِي الدُّنْيَا قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا دُخُولُهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ اتِّبَاعُ السُّلْطَانِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ فَاحْذَرُوهُمْ عَلَى دِينِكُمْ. [۲]

فقہا اس وقت تک انبیاء کے امین ہیں جب تک وہ فکر دنیا میں نہ پڑ جائیں عرض کیا گیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کی فکر میں پڑ جانے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: حکام (بادشاہ) کی پیروی، جب وہ ایسا کرنے لگے تو پھر ان سے اپنا دین بچا کر رکھو۔

لہٰذا علم کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ صرف اور صرف خدا کی خوشنودی کے لئے علم حاصل کرے اور اسی نیت سے دوسروں کو بھی تعلیم دے تا کہ خدا کی نظر میں مرتبہ بلند ہو جائے اور علم کے دائمی اثرات دیکھنے کو ملیں اور آخرت میں اس کی رحمت کے بحر بیکراں سے فیضاب ہو سکے۔

[۱] اصول کافی: ج ۱، ص ۴۶
[۲] اصول کافی: ج ۱، ص ۴۶

خلاصہ

کیونکہ مسلمان کا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے لہٰذا تعلیمی میدان میں بھی (استاد اور طالب علم) دونوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ اپنی نیت میں خلوص پیدا کریں تاکہ ان کی محنت خداوند عالم کی بارگاہ میں قابل قبول ہو اور ان کی خدمات ہمیشہ باقی رہیں۔

سوالات

۱۔قرآن کریم نے کن لوگوں کو سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والا کہا ہے؟
۲۔نیت کو کس طرح خالص بنایا جاسکتا ہے؟
۳۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس مقصد سے تعلیم حاصل کرنے کو منع کیا ہے؟
۴۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مومنین کرام کو کیسے علماء سے ڈرایا ہے؟
۵۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں کون سے علماء انبیاء کے امین ہیں؟

باب۔ ۳۴

استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض اور آداب ②

۲۔ علم اور عمل

خلوص نیت کے بعد استاد اور شاگرد کا دوسرا فرض یہ ہے کہ جو کچھ تعلیم دے یا علم حاصل کرے پہلے اس پر خود بھی عمل کرے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گذارے بلکہ اپنی زندگی کو اسی کے سانچہ میں ڈھال دے۔

ہر انسان اپنی زندگی میں مختلف عمل انجام دیتا ہے لہٰذا یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی تعلیم کا اصل مقصد اپنے اعمال و کردار کی اصلاح ہو کیونکہ اگر علم اور معرفت کے بغیر کوئی عمل انجام دیا جائے گا تو گمراہی یقینی ہے جیسا کہ مولائے کائناتؑ کا ارشاد ہے:

فَإِنَّ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَالسَّائِرِ عَلَى غَيْرِ طَرِيقٍ فَلَا يَزِيدُهُ بُعْدُهُ عَنِ الطَّرِيقِ الْوَاضِحِ إِلَّا بُعْداً مِنْ حَاجَتِهِ وَ الْعَامِلُ بِالْعِلْمِ كَالسَّائِرِ عَلَى الطَّرِيقِ الْوَاضِحِ فَلْيَنْظُرْ نَاظِرٌ أَ سَائِرٌ هُوَ أَمْ رَاجِعٌ.[1]

بے عمل عالم ایسا ہی ہے جیسے کوئی غلط راستہ پر چل رہا ہو کہ وہ ہر قدم اپنے اصلی اور واضح راستہ سے دور ہی ہوتا رہتا ہے اور باعمل عالم اس شخص کی طرح ہے جو بالکل صحیح راستہ پر چل رہا ہو لہٰذا ہر شخص کو یہ سوچنا چاہئے کہ کیا وہ اس طرح اپنے سفر کو

[1] نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۵۴

جاری رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور کہیں اسے واپس تو نہیں پلٹنا پڑے گا۔

مولائے کائنات علیہ السلام کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسلسل اپنا راستہ تبدیل کرتا رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے گذشتہ راستہ علم و معرفت اور صحیح اطلاعات کے بغیر منتخب کیا تھا لیکن جو شخص تمام معلومات کے ساتھ کسی راستہ کا انتخاب کرتا ہے تو پھر اس راستہ سے اس کی واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ ابھی وقت ہے کہ یہ دیکھ لو کہ تمہاری زندگی کا یہ سفر تمام ضروری معلومات کے ساتھ ہے یا ایسے ہی نکل پڑے ہو کہ جب وقت ہاتھ سے نکل جائے تو یہ سمجھ میں آئے کہ ہم تو اب تک غلط راستہ پر چل رہے تھے اور پھر صحیح راستہ پر چلنے کی کوشش کرو تو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْعَامِلُ عَلَى غَيْرِ بَصِيرَةٍ كَالسَّائِرِ عَلَى غَيْرِ الطَّرِيقِ لَا يَزِيدُهُ سُرْعَةُ السَّيْرِ إِلَّا بُعْداً عَنِ الطَّرِيقِ.[1]

علم اور بصیرت کے بغیر عمل کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی غلط راستہ پر چلا جا رہا ہو کہ اس کی تیز رفتاری ہر لحہ اسے اس کے اصلی مقصد سے دور کرتی رہتی ہے۔

بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ:

مَثَلُ العابِدِ الّذی لا يَتَفَقَّهُ كَمَثَلِ الّذی يَبنی بِاللَّيلِ و يَهدِمُ بِالنَّهارِ.[2]

جو عابد علم دین حاصل نہ کرے (اور شرعی مسائل نہ جانتا ہو) اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو رات بھر محنت کر کے گھر تعمیر کرتا ہے اور دن میں اس کو مسمار کر دیتا ہے۔

کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو شخص تمام رات عبادت کرے اور صبح ہونے کے بعد حرام و حلال کی اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے حرام کا انجام دے اور لوگوں کے حقوق کو صحیح طریقہ سے ادا نہ کرے تو اس کی پوری رات کی محنت ضائع ہو جائے گی اور ان گناہوں کی وجہ سے اس کا کوئی ثواب باقی نہ رہے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اسی سلسلہ میں فرمایا ہے:

اَلْمُتَعَبِّدُ عَلَى غَيْرِ فِقْهٍ كَحِمَارِ الطَّاحُونَةِ يَدُورُ وَلَا يَبْرَحُ مِنْ مَكَانِهِ.[3]

دینی تعلیم کے بغیر عبادت کرنے والے شخص کی مثال کولہو کے بیل کی طرح ہے کہ وہ مسلسل چکر کاٹتا رہتا ہے اور اپنی

---

[1] بحار الانوار: ج ۱، ۲۰۶، باب ۵۔
[2] کنز العمال: ج ۱۰ ص ۱۷۹، ح ۳۸۹۳۔
[3] کنز العمال: ج ۱۰، ص ۲۰۸۔

جگہ سے ذرہ برابر آگے نہیں بڑھتا ہے۔

چنانچہ ایسا شخص چاہے جتنی محنت اور مشقت کرلے وہ روحانی اعتبار سے کوئی ترقی نہیں کرسکتا ہے اور اسے اس سے کوئی فائدہ اور نتیجہ حاصل ہونے والا نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی نادانی اور جہالت کی بنا پر اپنے تمام اعمال خراب کرلیتا ہے جیسے کوئی آدمی مسلسل روزہ رکھتا رہے لیکن مسائل سے ناواقفیت کی بناء پر روزہ کو باطل کرنے والی بعض چیزوں سے پرہیز نہ کرے تو بھوک اور پیاس کی زحمت اٹھانے کے علاوہ اسے کچھ نہ ملے گا اور اس کا روزہ قبول نہیں ہوگا۔

اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے ایسے لوگوں کو اس کولھو کے بیل سے نسبت دی ہے کہ جسے صبح سویرے کولہو میں باندھ دیا جاتا ہے اور دن بھر وہ اسی کے چاروں طرف چکر کاٹتا رہتا ہے اور شام کو اسے وہاں سے کھول کر اس کی اسی جگہ پر باندھ دیا جاتا ہے جہاں سے صبح کو کھولا گیا تھا لہٰذا صحیح عمل کیلئے تعلیم بہرحال ضروری ہے۔

اور وہ علم ایسا ہو جو دنیا کے ساتھ آخرت کے لئے بھی مفید ہو اسی لئے تعلیم میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ا۔جس تعلیم سے زندگی میں کوئی (مادی یا روحانی) فائدہ نہیں ہے اسے ترک کردے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی ایک دعا یہ بھی تھی

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَ مِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ مِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ.[۱]

پروردگار میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا خَيْرَ فِي قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَعَيْنٍ لَا تَدْمَعُ وَعِلْمٍ لَا يَنْفَعُ.[۲]

جس قلب میں خشوع نہ ہو اور جس آنکھ سے آنسو نہ نکلتے ہوں اور جس علم کے اندر کوئی فائدہ نہ پایا جاتا ہو اس میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہے۔

اسی طرح آپ نے فرمایا ہے

عِلْمٌ لَا يَنْفَعُ كَدَوَاءٍ لَا يَنْجَعُ[۳]

---

[۱] کنز العمال: حدیث ۳۶۰۹۔

[۲] غرر الحکم: ص ۱۹۱۔

[۳] غرر الحکم: ص ۴۴

بے فائدہ علم اس دوا کی طرح ہے جس سے شفا حاصل نہ ہو۔

لہٰذا اپنی قیمتی عمر اور فکری صلاحیتوں کو ایسے علوم میں خرچ کرنا جو ہمارے لئے خاص فائدہ مند نہیں ہیں اور ان کا جاننا یا نہ جاننا ہمارے لئے برابر ہے یہ ایک فضول کام ہے جس سے گھاٹے کے علاوہ اور کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ عمل کرنے کیلئے علم حاصل کیا جائے کیونکہ قرآن مجید نے زبانی جمع خرچ کرنے والے بے عمل افراد کی مذمت کی ہے اور اسے ایک گناہ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ.[۱]

اے ایمان والو! آخر ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو خدا کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔

ایک اور آیت میں کتاب خدا پر عمل نہ کرنے والے یہودی علماء کو اس گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو جیسا کہ ارشاد ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا.[۲]

ان لوگوں کی مثال جن لوگوں پر توریت کا بار رکھا گیا ہے اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی احادیث میں مختلف طریقوں سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عمل کے بغیر علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک طرح کی جہالت ہے اور اس کی بناء پر عذاب بھی ہوگا اور انسان جہنم میں ڈال دیا جائے گا جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

الْعُلَمَاءُ رَجُلَانِ رَجُلٌ عَالِمٌ آخِذٌ بِعِلْمِهِ فَهَذَا نَاجٍ وَ عَالِمٌ تَارِكٌ لِعِلْمِهِ فَهَذَا هَالِكٌ وَ إِنَّ أَهْلَ النَّارِ لَيَتَأَذَّوْنَ مِنْ رِيحِ الْعَالِمِ التَّارِكِ لِعِلْمِهِ وَ إِنَّ أَشَدَّ أَهْلِ النَّارِ نَدَامَةً وَ حَسْرَةً رَجُلٌ دَعَا عَبْداً إِلَى اللهِ فَاسْتَجَابَ لَهُ وَ قَبِلَ مِنْهُ فَأَطَاعَ اللهَ فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ وَ أَدْخَلَ الدَّاعِيَ النَّارَ بِتَرْكِهِ عِلْمَهُ وَ اتِّبَاعِهِ الْهَوَى وَ طُولِ الْأَمَلِ أَمَّا اتِّبَاعُ الْهَوَى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَ طُولُ الْأَمَلِ يُنْسِي الْآخِرَةَ.[۳]

علماء کی دو قسمیں ہیں کچھ وہ ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں یہ نجات یافتہ ہیں لیکن کچھ ایسے ہیں جو اپنے علم پر عمل

---

[۱] سورہ صف: آیت ۲ / ۳۔

[۲] سورۃ جمعہ: آیت ۵۔

[۳] اصول کافی: ج ۱ کتاب فضل علم

نہیں کرتے ایسے افراد ہلاک ہوجائیں گے اور اہل جہنم ایسے بےعمل عالم کی بدبو سے سخت اذیت میں رہیں گے اور اہل جہنم کے درمیان سب سے زیادہ ندامت اور حسرت اس کو ہوگی جس نے کسی کو خدا کی طرف دعوت دی ہوگی اور وہ اس کی بات مان کر اطاعت خدا کر کے جنت میں داخل ہوجائے گا مگر یہ بےعمل عالم اپنی بےعملی اور خواہشات نفس کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوؤں کی بناء پر جہنم میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ خواہشات نفس کی پیروی انسان کو راہ حق سے روک دیتی ہے اور لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کا خیال تک انسان کے ذہن سے نکال دیتی ہیں۔ دوسرے مقام پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے علم پر عمل کرنے والے افراد ہی کو عالم قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

أَلَا وَإِنَّ الْعَالِمَ مَنْ يَعْمَلُ بِالْعِلْمِ وَإِنْ كَانَ قَلِيلَ الْعِلْمِ.[۱]

عالم وہی ہے جو اپنے علم پر عمل کرے چاہے اس کا علم کم ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ بِالْعَمَلِ.[۲]

علم عمل کے ساتھ ہے۔

یا یہ بھی فرمایا:

مَا عَلِمَ مَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِعِلْمِه.[۳]

جو اپنے علم پر عمل نہ کرے گویا اس نے علم حاصل ہی نہیں کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ

لَيْسَ بِنَافِعِكَ أَنْ تَعْلَمَ مَا لَمْ تَعْمَلْ إِنَّ كَثْرَةَ الْعِلْمِ لَا يَزِيدُكَ إِلَّا جَهْلًا إِذَا لَمْ تَعْمَلْ بِه.

[۴]

جب تک تم عمل نہ کرو گے تو علم حاصل کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ جب تک عمل نہ کیا جائے علم کی زیادتی سے صرف اور صرف جہالت میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷ باب ٦٧۔

[۲] غرر الحکم: ص ۱۵۲

[۳] غرر الحکم: ص ۱۵۳۔

[۴] میزان الحکمہ: باب ۲۸۸۸۔

أَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ مِنْ عِلْمِهِ بِشَيْءٍ.[1]

تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم پر ہوگا جس نے اپنے علم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

إِنَّ الْعَالِمَ إِذَا لَمْ يَعْمَلْ بِعِلْمِهِ زَلَّتْ مَوْعِظَتُهُ عَنِ الْقُلُوبِ كَمَا يَزِلُّ الْمَطَرُ عَنِ الصَّفَا.[2]

اگر کوئی عالم اپنے علم پر خود ہی عمل نہ کرے تو اس کا موعظہ اور نصیحت دلوں سے اسی طرح پھسل جاتے ہیں جس طرح چکنے پتھر کے اوپر سے بارش کا پانی بہہ کر چلا جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے منبر سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں سے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا عَلِمْتُمْ فَاعْمَلُوا بِمَا عَلِمْتُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ إِنَّ الْعَالِمَ الْعَامِلَ بِغَيْرِهِ كَالْجَاهِلِ الْحَائِرِ الَّذِي لَا يَسْتَفِيقُ عَنْ جَهْلِهِ بَلْ قَدْ رَأَيْتُ أَنَّ الْحُجَّةَ عَلَيْهِ أَعْظَمُ وَ الْحَسْرَةَ أَدْوَمُ عَلَى هَذَا الْعَالِمِ الْمُنْسَلِخِ مِنْ عِلْمِهِ مِنْهَا عَلَى هَذَا الْجَاهِلِ الْمُتَحَيِّرِ فِي جَهْلِهِ وَ كِلَاهُمَا حَائِرٌ بَائِرٌ لَا تَرْتَابُوا فَتَشُكُّوا وَ لَا تَشُكُّوا فَتَكْفُرُوا وَ لَا تُرَخِّصُوا لِأَنْفُسِكُمْ فَتُدْهِنُوا وَ لَا تُدْهِنُوا فِي الْحَقِّ فَتَخْسَرُوا وَ إِنَّ مِنَ الْحَقِّ أَنْ تَفَقَّهُوا وَ مِنَ الْفِقْهِ أَنْ لَا تَغْتَرُّوا وَ إِنَّ أَنْصَحَكُمْ لِنَفْسِهِ أَطْوَعُكُمْ لِرَبِّهِ وَ أَغَشَّكُمْ لِنَفْسِهِ أَعْصَاكُمْ لِرَبِّهِ وَ مَنْ يُطِعِ اللهَ يَأْمَنْ وَ يَسْتَبْشِرْ وَ مَنْ يَعْصِ اللهَ يَخِبْ وَ يَنْدَمْ.[3]

اے لوگو! جب تمہیں کوئی بات معلوم ہو جائے تو پھر اس پر عمل کرو شاید اس طرح تم ہدایت پا جاؤ کیونکہ بے عمل عالم اس سرگرداں جاہل کی طرح ہے جو اپنی جہالت سے چھٹکارا نہیں حاصل کرتا ہے بلکہ میرا نظریہ تو یہ ہے کہ اگر چہ یہ دونوں ہی حیران و سرگرداں ہیں لیکن تب بھی بے عمل عالم پر جاہل سے کہیں زیادہ خدا کی حجت عظیم ہے اور اس کی حسرت و پشیمانی دائمی ہے شک و شبہ کو اصلاً اپنے پاس نہ آنے دو، ورنہ اس شک کے وسوسہ میں گرفتار ہو جاؤ گے اور اگر شک میں گرفتار ہو گئے تو کافر ہو جاؤ گے اپنے آپ کو ڈھیل نہ دو ورنہ سست ہو جاؤ گے اور حق کو کمزور اور سست نہ سمجھو ورنہ گھاٹا اٹھانا پڑے گا کیونکہ ایک حق بات تو یہ بھی ہے کہ عالم بنو اور علم یہ ہے کہ غرور اور دھوکہ سے محفوظ رہو کیونکہ تم لوگوں میں جو شخص سب سے زیادہ خود اپنے آپ کو نصیحت کرنے والا ہے وہ خدا کا سب سے زیادہ اطاعت گزار ہو گا اور جو سب سے زیادہ اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرنے والا ہے وہ اپنے رب کا سب سے بڑا نافرمان ہے اور جو شخص خداوند عالم کا اطاعت گزار بندہ ہے وہ اس کی امان میں ہے اور اسے

---

[1] بحار الانوار: ج ۲، ص ۳۷۔

[2] اصول کافی: ج ۱، ص ۴۴

[3] اصول کافی: ج ۱، ص ۴۵

جنت کی بشارت دی جائے گی اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے گا ناامید اور نادم و پشیمان ہوگا۔

جناب مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ آخرت میں نجات پانے والوں کو کس طرح پہچانا جائے؟ یعنی ان کی نشانیاں کیا ہیں؟

توحضرتؑ نے یہ جواب دیا:

مَنْ كَانَ فِعْلُهُ لِقَوْلِهِ مُوَافِقاً، فَأَثْبِتْ لَهُ الشَّهَادَةَ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ فِعْلُهُ لِقَوْلِهِ مُوَافِقاً، فَإِنَّمَا ذٰلِكَ مُسْتَوْدَعٌ. [1]

یعنی جس شخص کے قول اور فعل میں یکسانیت دکھائی دے تو اس کی نجات کی گواہی دے دو اور جس شخص کا قول اس کے عمل کا مخالف ہو تو وہ متزلزل ہے (اس کی نجات اس کی اصلاح مرہون منت ہے)۔

مختصر یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی متعدد احادیث میں علم اور عمل کو ایک دوسرے کا ساتھی قرار دیا گیا ہے یعنی جہاں علم ہوگا وہاں عمل بھی ہوگا اور اگر خدانخواستہ عمل نہ پایا جائے تو پھر وہاں سے علم بھی رخصت ہوجاتا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَنَّ الْعِلْمَ يَهْتِفُ بِالْعَمَلِ فَإِنْ أَجَابَهُ وَإِلَّا ارْتَحَلَ عَنْهُ. [2]

علم عمل کو آواز دیتا ہے چنانچہ اگر عمل اس کا مثبت جواب دے دے تو کیا کہنا ورنہ علم بھی رخصت ہوجاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد بھی تقریباً اسی کے مانند ہے۔

الْعِلْمُ مَقْرُونٌ إِلَى الْعَمَلِ فَمَنْ عَلِمَ عَمِلَ وَمَنْ عَمِلَ عَلِمَ وَالْعِلْمُ يَهْتِفُ بِالْعَمَلِ فَإِنْ أَجَابَهُ وَإِلَّا ارْتَحَلَ عَنْهُ. [3]

علم اور عمل دونوں جڑواں ہیں لہٰذا جو علم حاصل کر لیتا ہے وہ اس پر عمل بھی کرتا ہے کیونکہ علم، عمل کو اپنے پاس بلاتا ہے اگر عمل آجائے تو کیا کہنا ورنہ علم بھی اس کے پاس سے رخصت ہوجاتا ہے۔

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۴۵۔
[2] بحار الانوار: ج ۲، ص ۳۳
[3] بحار الانوار: ج ۲، ص ۳۶۔

خلاصہ

اسلام کی نگاہ میں صرف اور صرف تعلیم کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ تعلیم کا مقصد عالم باعمل ہونا چاہئے اسی بناء پر انسان کی عملی زندگی میں جن علوم کا کوئی زیادہ مصرف اور فائدہ نہیں ہے اسلام نے مسلمانوں کو ایسے علوم سیکھنے سے منع کیا ہے۔
اسی طرح اسلامی روایات میں بغیر علم کے عمل کرنے کو بھی ایک طرح کی سرگردانی اور حیرانی قرار دیا ہے۔

سوالات

۱۔حضرت علی علیہ السلام نے بے عمل عالم کو کس سے تشبیہ دی ہے؟
۲۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں بے عمل عالم کس سے مشابہ ہے؟
۳۔حضرت علی علیہ السلام نے نادان عابد کو کس سے تشبیہہ دی ہے؟
۴۔قرآن کریم نے بے عمل عالم کو کس سے تشبیہ دی ہے؟
۵۔جن احادیث میں بے عمل عالم کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے ان میں سے کوئی ایک حدیث بیان کیجئے؟
۶۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کن لوگوں کو جہنم سے نجات یافتہ قرار دیا ہے؟

باب۔ ۳۵

استاد اور شاگرد کے مشترکہ فرائض ۳

۳۔ غرور سے پرہیز

جب استاد اور شاگرد اپنی نیت کو خالص بنالیں اور ان کا مقصد قربتہ الی اللہ ہو نیز وہ اپنے دل میں یہ مستحکم ارادہ کرلیں کہ اسی تعلیم کے مطابق اپنی پوری زندگی گذاریں گے تو انہیں اس بات کی طرف بھی متوجہ رہنا چاہیئے کہ علم کی لذت اور شیرینی ان کو فریب میں مبتلا نہ کردے اس لئے کہ انسانی فطرت یہ ہے کہ ہر انسان ترقی اور بلندی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ مسلسل کوشش کرتا ہے اسی لئے بلندی اور کمالات کی منزلوں پر پہنچانے والی ہر چیز حاصل کرنے میں اسے لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے لہٰذا وہ اور زیادہ محنت اور لگن سے کام کرتا ہے لیکن ہر لمحہ اسے یہ دھیان رکھنا چاہیئے کہ یہ سب کمالات قرب الٰہی تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں کیونکہ اصلی کمالات وفضائل بلکہ کمال مطلق کا مالک ومختار وہی ہے لہٰذا تعلیم کے ذریعے اپنے اندر اخلاقی، معنوی اور روحانی کمالات پیدا کرکے اس کی رضا وخوشنودی حاصل کرنا ہی سب کا مقصد ہونا چاہیئے تاکہ وہ بآسانی قرب الٰہی کی منزل تک پہنچ سکے۔

کیونکہ علم اور تعلیم ایک ایسا نشہ بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی اس میں چور ہوجائے تو وہ آہستہ آہستہ اپنے اصلی مقصد سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور جو علم انسان کو اس کے اصل مقصد سے دور کردے اسے علم اخلاق میں ''حجاب'' یعنی پردہ کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان اور خدا کے درمیان پردہ بن جاتا ہے اور کیونکہ علم سے انسان کی قدرت وطاقت میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ دنیا ومافیہا کے بارے میں بے شمار معلومات حاصل کرلیتا ہے۔

اوردوسرے یہ کہ روحانی کمالات کے درمیان علم کا ایک عجیب ہی اثر ہے اسی بناء پر پڑھے لکھے لوگ (علماء) بہت جلد غرور تکبر میں مبتلا ہوجاتے ہیں ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلْعُلُوْمُ هُوَ الْحِجَابُ الْاَكْبَرِ.

علم سب سے بڑا پردہ ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب تعلیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اپنی تربیت اور اپنے نفس کی اصلاح کی جائے تا کہ انسان خدا تک پہنچ سکے تو اگر کوئی شخص اس کے بجائے غرور وتکبر، خود بینی وغیرہ جیسی برائیوں میں مبتلا ہوجائے اور اسے ہر روز اپنے علم اور معلومات میں اضافہ کا خیال تو رہے لیکن خدا کے سامنے ذرہ برابر تواضع اور انکساری وغیرہ کا خیال نہ آئے۔ اور وہ روحانی ترقی اور کمالات حاصل کرنے کے بجائے ہر روز خدا سے دور ہوتا چلا جائے تو اس علم کا فائدہ کیا ہے؟

لہٰذا ہر شخص کا فریضہ ہے کہ تعلیم کو مذکورہ کمالات تک پہنچنے کا زینہ قرار دے تا کہ وہ ہلاکتوں میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہے اور ابدی سعادت حاصل کر سکے۔

۴۔ توکل

جو لوگ کسی علمی کام میں مشغول رہتے ہیں جیسے معلم، مدرس، طالب علم، مؤلف، مصنف، محقق وغیرہ ان سب لوگوں کے لئے جہاں اپنے اندر اعتماد نفس پیدا کرنے کے علاوہ اپنے ذہن سے احساس ضعف وناتوانی نیز احساس کمتری کا نکالنا ضروری ہے اسی طرح ان کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ خدا پر توکل کو اپنا نصب العین قرار دیں کیونکہ علمی کاموں میں سخت محنت، مشقت کی ضرورت ہوتی ہے اور راحت وآرام کے ذریعہ یہ دولت ہاتھ آنے والی نہیں ہے لہٰذا اپنے کو ایک سخت جہاد کے لئے تیار کرنا ضروری ہے اور اپنی محنت وکوشش سے زیادہ خداوند عالم پر ہر طرح کا توکل اور بھروسہ ہونا چاہئے کیونکہ

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه

اللہ کے علاوہ کوئی قوت وطاقت نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ جو لوگ اس طرح کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں عام طور پر ان کی آمدنی کم ہوتی ہے اور وہ اس کی طرف بقدر ضرورت توجہ نہیں دے پاتے جس کی بناء پر وہ مالی پریشانیوں سے دوچار رہتے ہیں اور بسا اوقات دوسروں کے سامنے ہاتھ بھی پھیلا دیتے ہیں جب کہ خداوند عالم نے ان کی روزی کا خود وعدہ کیا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ تَكَفَّلَ لِطَالِبِ الْعِلْمِ بِرِزْقِهِ خَاصَّةً عَمَّا ضَمِنَهُ لِغَيْرِه.[1]

پروردگار عالم نے تمام لوگوں کے رزق کا عام وعدہ کرنے کے علاوہ طالب علم کی روزی کا خاص طور پر وعدہ کیا ہے۔

لہٰذا جو افراد بھی علم کی راہ میں قدم رکھیں وہ دوسروں پر اعتماد کے بجائے صرف اور صرف خداوند عالم پر توکل اور بھروسہ رکھیں اور اسی سے روزی طلب کریں اور اپنے علمی کاموں میں مشغول رہیں۔

تیسرے یہ کہ علم کے بلند مقامات تعلیم ہی کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتے ہیں کیونکہ علم درحقیقت ایک نور ہے جو خداوند عالم کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے دولت علم سے مالا مال کرسکتا ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے! کہ

لَيْسَ الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ إِنَّمَا هُوَ نُورٌ يَقَعُ فِي قَلْبِ مَنْ يُرِيدُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى أَنْ يَهْدِيَه.[2]

علم تعلیم حاصل کرنے سے ہاتھ نہیں آتا بلکہ وہ تو ایک ایسا نور ہے کہ خداوند عالم جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اسے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

لہٰذا علم کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے خداوند عالم سے ہدایت طلب کرتے رہنا چاہئے اور جب اس راہ میں قدم اٹھائے تو اسی پر توکل رہے اور اس بات کا یقین رہے کہ خداوند عالم نے بندوں کی ہدایت کا جو وعدہ کیا ہے وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔

۵۔تقویٰ اور اصلاح نفس

استاد اور طالب علم کے مشترکہ فرائض میں تیسری صفت یہ ذکر کی گئی تھی کہ وہ اپنے علم سے فریب نہ کھائیں ورنہ وہی علم انہیں خدا سے قریب کرنے کے بجائے اس سے دور کردے گا لہٰذا اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے ان پر ضروری ہے کہ سب سے زیادہ اپنے نفس کی اصلاح اور اس کے تقدس کی جانب متوجہ رہیں اور علم کے سہارے دوسروں کی بہ نسبت جلد از جلد قرب خدا کی منزلیں طے کریں۔

تقویٰ تعلیم کی ایک اور شرط ہے کیونکہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں تقویٰ کو ہدایت کی شرط قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

---

[1] کنزالعمال:۲۸۷۰۱ منیۃ المرید ص ۱۶۰۔

[2] بحارالانوار: ج ۱ باب ۷، ص ص ۲۲۴۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ.[۱]

یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ متقین کیلئے ہدایت ہے۔

لٰہذا قرآن مجید کے علوم ومعارف سے صرف وہی فیضیاب ہو سکتے ہیں جو واقعاً متقی وہ پرہیز گار ہیں دوسرے یہ کہ خداوند عالم نے خود یہ وعدہ فرمایا ہے اگر تم متقی بن جاؤ گے تو خداوند عالم تمہیں دولت علم سے مالا مال کردے گا جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ.[۲]

تم تقویٰ اختیار کرو تا کہ اللہ تم کو علم عطا فرمائے۔

قرآن میں یہ بھی ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا.[۳]

ایمان والو! اگر تم تقویٰ الٰہی اختیار کروگے تو وہ تمہیں حق وباطل میں تفرقہ کی صلاحیت عطا کردے گا۔

''فرقان'' اس چشم بصیرت کو کہا جاتا ہے کہ جس کے پاس یہ نعمت الٰہی ہو وہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں حیرانی و سرگردانی اور گمراہی میں مبتلا نہ ہوگا اور اسے حق وباطل کی تمیز میں کسی قسم کی زحمت نہیں ہوتی اور اسے با آسانی اندازہ ہوجاتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کدھر ہے۔

جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ علم نور الٰہی ہے وہ جس دل میں عطا کرنا چاہتا ہے عطا کردیتا ہے تو پھر علم کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے بھی خداوند عالم سے ہی دعا کرنا چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تقویٰ وپرہیز گاری کے ذریعے اپنے نفس کو پاک و پاکیزہ بنائے اور خداوند عالم سے نزدیک ہوجائے نیز اپنے دل کو بھی اتنا نورانی کرلے کہ اس میں نور الٰہی جلوہ فگن ہو سکے۔

علمائے کرام، عوام کے لئے نمونۂ عمل ہوتے ہیں اور عام لوگ ہر کام میں علماء کرام ہی کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں اور ایک بزرگ عالم کے بقول ''عوام ہر کام میں ہمیشہ علماء سے ایک زینہ پیچھے رہتے ہیں لٰہذا اگر علماء صاحبان تقویٰ وورع ہونگے تو لوگ مباح کام کو انجام دینگے اور علماء ہی اگر صرف مباح کاموں پر اکتفا کرنے لگیں تو عوام مشتبہ اور مکروہ کام کرنے لگیں گے اور اگر علماء مکروہ بھی انجام دینے لگیں تو عوام حرام کام کرنے لگیں گے اور اگر خدانخواستہ لوگ علماء کو حرام کاموں میں

---

[۱] سورہ بقرہ: آیت ۲۸۲

[۲] سورہ انفال آیت ۲۹

[۳] سورہ انفال آیت ۲۹۔

مبتلا دیکھ لیں تو پھر وہ کافر ہو جائیں گے۔

۶۔ نیک اخلاق

علمائے کرام کے کاندھوں پر کیونکہ عوام کی رہبری اور ہدایت کی ذمہ داری ہے لہٰذا ان کا اخلاق ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ بآسانی ان سے مل سکیں اور ان سے ملاقات کر سکیں اس کے علاوہ علمائے کرام کے لئے تواضع وانکساری اور نیک اخلاق کی بے حد ضرورت ہے تا کہ اس کی بناء پر عوام خود بخود متاثر ہو کر ان سے قریب ہو جائیں جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

اطْلُبُوا الْعِلْمَ، وَ تَزَيَّنُوا مَعَهُ بِالْحِلْمِ وَ الْوَقَارِ، وَ تَوَاضَعُوا لِمَنْ تُعَلِّمُونَهُ الْعِلْمَ، وَ تَوَاضَعُوا لِمَنْ طَلَبْتُمْ مِنْهُ الْعِلْمَ، وَلَا تَكُونُوا عُلَمَاءَ جَبَّارِينَ، فَيَذْهَبَ بَاطِلُكُمْ بِحَقِّكُم.[1]

علم حاصل کرو اور علم کے ساتھ خود کو حلم و بردباری سے مزین کرو اور جس کو تعلیم دو یا جس سے تعلیم حاصل کرو ان سب کے ساتھ انکساری سے پیش آؤ اور جابر و متکبر علماء کی طرح نہ ہو جاؤ کہ تمہاری حق باتیں تمہارے غلط اعمال کے ساتھ رخصت ہو جائیں۔

پروردگار عالم نے قرآن مجید میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر آپ کے اندر نیک اخلاق موجود نہ ہوتا تو آپ کو یہ کامیابی نہ ملتی اور کوئی بھی اسلام قبول نہ کرتا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ.[2]

پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم ہیں ورنہ اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

۷۔ عزت نفس

علماء طلاب کے کاندھوں پر کیونکہ تبلیغ دین اور ہدایت امت کی عظیم ذمہ داری ہے لہٰذا معاشی اعتبار سے انہیں لوگوں کے درمیان اس طرح زندگی گذارنا چاہئے کہ وہ ان کے درمیان باعزت رہیں اور کوئی بھی ان پر تحقیر آمیز نگاہ نہ ڈالے اور ان کو

---

[1] اصول کافی ج ۱، ص ۳۶۔

[2] سورہ آل عمران آیت ۱۵۹

مالی امداد کی پیش کش نہ کرے کیونکہ ایسی صورت میں مدد کرنے والے حضرات اپنے کو ان کا محسن اور سرپرست سمجھنے لگتے ہیں اور آہستہ آہستہ علماء بھی انہیں کے احسان مند ہوجاتے ہیں اور پھر انہیں کی مرضی کے مطابق چلنے لگتے ہیں اور تبلیغ دین اور اصلاح امت کا فریضہ بھول جاتے ہیں۔

لہٰذا جب خداوند عالم نے خود طالب علم اور علماء کی روزی کا وعدہ کیا ہے تو پھر ان کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اپنے معاشیات میں لوگوں کی امداد پر نگاہیں جمائے رہیں اور اس سے بھی بدتر مرحلہ وہ ہے کہ جب کوئی عالم کسی دربار یا عہدہ دار سے وابستہ ہوجائے تو اسے چاہے اپنا مقصد حاصل ہو یا نہ ہو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان اٹھائے گا اور لوگوں کی نگاہ میں اس کی کوئی عزت باقی نہ رہ جائے گی۔

البتہ حکومتوں سے وابستہ ہونا اس وقت غلط ہے کہ جب انسان کو عہدہ یا مال و دولت کی لالچ ہو لیکن اگر وہ اس کے ذریعہ اسلام کی حفاظت اور مومنین کرام کی خدمت انجام دے تو یہ بات نہ صرف یہ کہ بری نہیں ہے بلکہ بہترین کارخیر ہے جس کے متعدد نمونے اسلامی تاریخ میں موجود ہیں جیسے علی بن یقطین، محمد بن اسماعیل بن بزیع و نوح بن دراج وغیرہ نے ظالم و جابر حکومتوں میں رہ کر مومنین کی امداد کی ہے اور حتی الامکان ان کے مظالم سے انہیں محفوظ رکھا ہے البتہ یہ بہت نازک اور خطرناک مرحلہ ہے کیونکہ کسی وقت بھی انسان مال و دولت اور عیاشی کا دلدادہ ہوسکتا ہے اور یہ عہدہ یا دولت اس کی دنیا و آخرت کو تباہ و برباد کرسکتے ہیں لہٰذا ہر عالم کو ایسے حالات میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

۸۔ دینی اقدار کی حفاظت

مذکورہ آداب و اخلاقیات کے علاوہ ایک عالم اور طالب علم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی تمام باتوں کا خیال رکھے جو ایک طالب علم اور عالم دین کی پہچان ہیں اور اس کے شایان شان ہیں جیسے نماز جماعت میں شرکت، اول وقت نماز کی ادائیگی، نیک کرداری، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، حقوق کی ادائیگی، مریضوں کی عیادت، غرباء و مساکین اور مظلوم و ستم رسیدہ افراد کی دلجوئی اور سب لوگوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آنا۔

اسی طرح صفائی، لباس کی وضع قطع، چال چلن انداز گفتگو غرض کہ ہر اعتبار سے محتاط رہنا چاہئے کیونکہ عوام الناس بہت ہی باریک بینی سے ان کی ایک ایک نقل و حرکت پر نگاہ رکھتے ہیں اور کسی ایک عالم کی ذرا سی کوتاہی یا لغزش سے پوری صنف کی آبرو خاک میں مل جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ علماء کرام اور طلاب کی نشست و برخاست اور کردار کو اسلامی تعلیمات، آداب اور احکام کا آئینہ دار ہونا

چاہئے تا کہ ان کے ہر عمل سے کسی نہ کسی اسلامی حکم کی طرف عوام کی رہنمائی ہوتی رہے اور اسے دیکھ کر عام افراد خود بخود اسلامی تعلیمات کے گرویدہ اور پابند ہوتے جائیں۔

خلاصہ

تعلیم کی طرح جس کام سے بھی انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے ممکن ہے کہ وہی چیز انسان کو اس کے اصلی مقصد یعنی ''قرب خدا'' سے دور کردے لہٰذا علماء اور طلاب کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

تعلیم میں جو زحمتیں اور مشکلات ہوتی ہیں ان کے پیش نظر طلاب اور علماء کو خدا پر زیادہ توکل کرنا چاہئے۔

چونکہ علم نور الٰہی ہے لہٰذا تزکیہ نفس اور تقویٰ کے ذریعہ علم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنا ضروری ہیں۔

تبلیغ اور ہدایت کی ذمہ داری کی بناء پر علماء کو اخلاق کا پیکر ہونا چاہئے۔

خداوند عالم پر توکل اور اعتماد نیز خلوص نیت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء و طلاب، عزت نفس اور قناعت کے ذریعہ لوگوں کے محتاج بن کر نہ رہیں

قول و فعل میں یکسانیت کے لئے ضروری ہے کہ علماء و طلاب ظاہری اعتبار سے بھی دینی اقدار کا خاص خیال رکھیں۔

سوالات

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کو ''حجاب اکبر'' کیوں کہا ہے؟

۲۔ دوسروں کے مقابل طلاب کیلئے خدا پر زیادہ توکل کیوں ضروری ہے؟

۳۔ تقویٰ علم حاصل کرنے کی ایک اہم شرط کیوں ہے؟

۴۔ قرآن کریم کی نظر میں لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گرویدہ ہو کر کیوں پہنچ جاتے تھے؟

۵۔ مدرس اور شاگرد کے فرائض کو مختصر طور سے بیان کیجئے؟

باب۔۳۶

استاد کے فرائض ①

استاد اور شاگرد کے مشترکہ آداب سے آگاہ ہونے کے بعد اب آئندہ دروس میں آپ استاد اور شاگرد کے خصوصی وظائف اور فرائض سے واقفیت حاصل کریں گے۔

شہید ثانیؒ نے ایک استاد اور معلم کے فرائض و آداب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔معلم کے فرائض خود اپنے بارے میں۔

۲۔شاگردوں کے بارے میں معلم کی ذمہ داری

۳۔کلاس میں معلم کے فرائض۔

۱۔اپنے بارے میں استاد کے فرائض

۱۔حصول علم کے بعد جس شخص کے دل و دماغ میں بھی مدرس اور استاد بننے کا شوق اور جذبہ پایا جاتا ہے اسے سب سے پہلے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ جو علم دینا چاہتا ہے اس شعبہ کے اندر پہلے خود اچھی طرح مہارت حاصل کرلے چنانچہ جب تک اپنے کسی استاد کے سامنے وہ اپنی صلاحیتوں کو خوب نہ پرکھ لے اس کی طرف قدم آگے نہ بڑھائے، ورنہ چادر سے زیادہ پیر پھیلانے سے اسے خود ہی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ.[1]

---

[1] سنن ابن داؤد: کتاب ادب حدیث ۴۹۹۷، منیۃ المرید: ص ۲۱۷

جسے کوئی چیز نہ ملی ہومگر وہ اس سے متعلق اپنے کوسیر اور مستغنی ظاہر کرنا چاہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی نامناسب لباس کواپنے اوپرزبردستی چڑھالے۔

۲۔اس شخص کوتعلیم دے جوواقعاً اس کا اہل ہواورعلم کوقدروقیمت کی نگاہ سے دیکھتا ہوورنہ اس کے علم کی کوئی اہمیت نہ رہے گی

گزشتہ علماء اپنے شاگردوں کے گھر جا کرانہیں تعلیم دینے کواپنی توہین سمجھتے تھے اوراسی لئے شاگردوں کو اپنے گھر بلایا کرتے تھے کیونکہ اگراستاد اپنے شاگرد کے گھر جائے گا تو اس سے شاگرد کی نگاہ میں استاد اورحتیٰ کہ خود اس علم کی کوئی قدروقیمت نہ رہ جائیگی۔اس لئے اسلام میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہجرت کرنے کاحکم دیا گیا ہے کیونکہ علم وہ دولت ہے جس کے لئے سفراورغریب الوطنی کی مشکلات اورزحمتوں کوبرداشت کرنے کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

۳۔ پہلے بھی ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر شخص کوعمل کرنے کی نیت سے علم حاصل کرنا چاہئے لیکن شاگردوں کی بہ نسبت علم پرعمل کرنے کے بارے میں استاد کی ذمہ داری زیادہ ہے کیونکہ اگر استاد خود اپنے علم پرعمل نہ کرے گا تو پھر استاد کے فرائض کوبخوبی انجام نہیں دے سکتا اوراس کی بے عملی کودیکھ کرخود اس کے شاگرد ہی اس کی بات نہیں مانیں گے بلکہ وہ آپس میں یہی کہیں گے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو سب سے پہلے ہمارے استاد کواس پرعمل کرنا چاہئے تھا اسی بات کی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ۔[1]

کیاتم لوگوں کونیکیوں کاحکم دیتے ہواورخوداپنے کوبھول جاتے ہو

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیہ کریمہ "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"[2] (لیکن اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں صرف صاحبان معرفت [علماء] ہیں) کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ صَدَّقَ فِعْلُهُ قَوْلَهُ، وَمَنْ لَمْ يُصَدِّقْ فِعْلُهُ قَوْلَهُ، فَلَيْسَ بِعَالِمٍ.[3]

جس کافعل اس کے قول کے مطابق ہو(وہ واقعی عالم ہے)اورجس کافعل اس کے قول کی تصدیق نہ کرے وہ عالم نہیں ہے۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

---

[1] سورۃ بقرہ: آیت ۴۴۔

[2] سورہ فاطر: آیت ۲۸

[3] اصول کافی: ج۱، ص۳۹۔

قَطَعَ ظَهرِي اثْنَانِ عَالِمٌ مُتَهَتِّكٌ وَ جَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ هَذَا يَصُدُّ النَّاسَ عَنْ عِلْمِهِ بِتَهَتُّكِهِ وَ هَذَا يَصُدُّ النَّاسَ عَنْ نُسُكِهِ بِجَهْلِه.[1]

دولوگوں نے میری کمر توڑ کر رکھ دی ہے بے عمل عالم اور نادان مقدس مآب یہ اپنی بے عملی کی وجہ سے لوگوں کو اپنے علم سے دور کرتا ہے اور وہ اپنی جہالت کی بناء پر لوگوں کو عبادت سے روک دیتا ہے۔

لہٰذا ہر استاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کردار میں تضاد نہ ہو اور جس بات پر خود عمل کرے اسی کی طرف اپنے شاگردوں کو دعوت دے۔

مثلاً اگر اس کے شاگرد اس کی زبان سے نماز جماعت، مریضوں کی عیادت، تشیع جنازہ، لوگوں سے محبت اور ہمدردی کے فضائل سنیں مگر اسے ایسے مواقع پر نہ دیکھیں یا جن چیزوں سے وہ انہیں روکتا ہے وہی کام کرتے ہوئے وہ اسے دیکھ لیں تو ان پر اس کا قطعاً صحیح اثر نہ پڑے گا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی شرعی عذر یا مجبوری کی وجہ سے وہ ان باتوں پر عمل نہ کر سکتا ہو تو اس صورت میں اسے حتی الامکان لوگوں کی نگاہوں سے اور خاص طور سے جن کے لئے وہ نمونہ عمل ہے ان کی نگاہوں سے دور رہنا چاہئے کیونکہ شیطان بلاوجہ ان کے اندر اس کے بارے میں برے خیالات پیدا کر سکتا ہے مثلاً شریعت نے مسافر یا مریض و غیرہ کو بھی سب کے سامنے ماہ رمضان میں کھانے سے منع کیا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس سے روزہ کا تقدس اور عظمت و احترام ختم نہ ہو جائے اور جو بے عمل ہیں یا جن کا ایمان کمزور ہے ان کو روزہ نہ رکھنے کا بہانہ مل جائے باعمل ہونا ان افراد کے لئے زیادہ ضروری ہے جنہیں لوگ اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہیں جیسے علماء یا معلمین و مدرسین وغیرہ لہٰذا ایسے نازک حالات میں اپنے شاگردوں کے سامنے کوئی بھی ایسا کام کرنا چاہئے جس سے ان کے اوپر انگلی اٹھائی جائے یا بہتان کا خطرہ ہو۔

روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات اپنی ایک زوجہ کے ہمراہ اپنے گھر تشریف لے جارہے تھے تو راستہ میں کسی صحابی سے ملاقات ہوگئی تو آپ نے اس سے کہا ''یہ میری فلاں زوجہ ہے'' آپ نے اس جملہ سے اس کے ذہن میں پیدا ہونے والا بے جا فطور دور کر دیا۔

۴۔ ایک استاد کو اپنے شاگردوں اور حتیٰ کہ عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ صاحب اخلاق ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ ان کا نمونہ عمل اور آئیڈیل ہے اور اس کے عمل میں اس کی زبان سے زیادہ تاثیر ہوتی ہے لہٰذا اس کے اندر تواضع، نیک اخلاق، میل، محبت، ہمدردی، نرم دلی وغیرہ اتنی زیادہ ہو کہ دیکھنے والا اسے دوسروں سے بہتر سمجھے اور اس کی باتوں پر شوق کے ساتھ عمل کرے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۱، ص ۲۰۸

روایت میں ہے کہ ایک دن جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: کہ تم سے میری ایک خواہش ہے کیا تم اسے مان لوگے؟ تو انہوں نے عرض کی،ضرور فرمایئے بھلا ہم کیوں نہ مانیں گے؟ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور یکے بعد دیگرے سب کے پیر دھونے لگے۔انہوں نے روکنا بھی چاہا مگر چونکہ پہلے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کر چکے تھے لہٰذا شرمندہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکے۔ جب آپ سب کے پیر دھو چکے تو آپ کے حواریوں نے کہا کہ یہ کام تو ہمیں کرنا چاہئے تھا کہ ہم آپ کے پیر دھوتے تو آپ نے فرمایا: تمام لوگوں کے درمیان عالم دین سب سے زیادہ خدمت کا حقدار ہوتا ہے میں نے اپنے اس طریقہ کار سے تمہاری خدمت کی ہے لہٰذا تم بھی میرے بعد لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا پھر آپ نے فرمایا: حکمت کا گھر تواضع کے ذریعہ آباد ہوتا ہے نہ کہ تکبر کے ذریعہ جس طرح کہ سبزہ نرم زمینوں میں اگتا ہے پتھروں پر نہیں۔

۵۔ یہ بھی توجہ رہے کہ علم نااہلوں کے ہاتھ میں نہ جانے پائے کیونکہ وہ لوگ صرف اسی لئے علم حاصل کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ اپنے کو اور مضبوط بنالیں اور پھر آسانی کے ساتھ اپنے ظلم وستم اور گمراہیوں کو مزید بڑھاوا دے سکیں۔

اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ دنیاوی مقاصد کے لئے تعلیم حاصل کی جائے اور اگر کسی کے دل میں ایسا ارادہ ہو اور اس کے استاد کو اس کی نیت کا پتہ چل جائے تو استاد اس کو اپنے علم سے محروم نہ کرے بلکہ اسے اس کی غلط نیت کی طرف متوجہ کرکے اس کی اصلاح کی کوشش کرتا رہے کیونکہ ایک اچھے معلم کی پہچان یہی ہے کہ اس کے علم اور نیک اخلاق کی بناء پر اس کے شاگرد اور طلاب صحیح راستہ اختیار کرلیں جیسا کہ علماء کرام کی یہی سیرت رہی ہے کہ وہ درس شروع کرنے سے پہلے اپنے شاگردوں کے اخلاقی سدھار پر ضرور توجہ دیتے ہیں اور جب ان کو ہر اعتبار سے پختہ بنالیتے ہیں تب تعلیمی سلسلہ کا آغاز کرتے ہیں اس کی وجہ سے طلاب شروع سے ہی صحیح راستہ پر لگ جاتے ہیں اور ان کی نیت بھی خالص اور پاک ہوجاتی ہیں نیز اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہر طالب علم کی صحیح یا غلط نیت کا پتہ چل جاتا ہے لہٰذا اگر کسی کے اندر تعلیمی لیاقت نہ پائی جاتی ہو تو پہلے ہی اس سے معذرت کرلی جائے۔

لہٰذا استاد کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اپنا علم اس کے اہل کے ہی حوالہ کرے اور اپنے علم کو سماج اور معاشرے کی تباہی کا ذریعہ نہ بننے دے اور ہمیشہ شاگردوں کی صحیح تربیت اور خلوص نیت کیلئے کوشاں رہے۔

۶۔استاد کو تعلیم دینے کیلئے ہمیشہ آمادہ رہنا چاہئے یعنی تعلیم دینے کے سلسلے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہ لے کیونکہ خداوند عالم نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اپنے علم کو کسی سے ہرگز پوشیدہ نہ رکھیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ.[1]

---

[1] سورہ آل عمران: آیت ۱۸۷

اس موقع کو یاد کرو جب خدا نے جن کو کتاب دی ان سے عہد لیا کہ اسے لوگوں کے لئے بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ۔[1]

جو لوگ ہمارے نازل کئے ہوئے واضح بیانات اور ہدایات کو ہمارے بیان کر دینے کے بعد چھپاتے ہیں ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

زَكَاةُ الْعِلْمِ أَنْ تُعَلِّمَهُ عِبَادَ الله۔[2]

علم کی زکات یہ ہے کہ بندگان خدا کو اس کی تعلیم دی جائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

قَرَأْتُ فِي كِتَابِ عَلِيٍّ عليه السلام إِنَّ اللهَ لَمْ يَأْخُذْ عَلَى الْجُهَّالِ عَهْداً بِطَلَبِ الْعِلْمِ حَتَّى أَخَذَ عَلَى الْعُلَمَاءِ عَهْداً بِبَذْلِ الْعِلْمِ لِلْجُهَّالِ لِأَنَّ الْعِلْمَ كَانَ قَبْلَ الْجَهْلِ۔[3]

میں نے حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں پڑھا ہے کہ خداوند عالم نے جاہلوں سے تعلیم حاصل کرنے کا عہد اس وقت تک نہیں لیا جب تک علماء سے جاہلوں کو تعلیم دینے کا عہد نہیں لے لیا کیونکہ علم جہل سے پہلے موجود تھا۔

۷۔ معلم کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ حق گوئی سے کام لے تا کہ باطل کی پہچان ہو سکے اور لوگ آسانی حق پر چل سکیں یا کم از کم ان کے اوپر حجت تمام ہو جائے تا کہ آئندہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں حق کے بارے میں صحیح علم نہیں تھا اور کوئی ہمیں صحیح راستہ دکھانے والا نہیں تھا۔

امر بالعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ کو ادا کرنا دراصل علماء کی ذمہ داری ہے کیونکہ عوام کے اوپر تو صرف اتنی ہی ذمہ داری ہے جتنا وہ جانتے ہیں لیکن علماء اور معلمین کی ذمہ داریوں میں ان کے علم کے اعتبار سے اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

---

[1] سورۂ بقرہ آیت ۱۵۹

[2] اصول کافی: ج ۱، ص ۴۱۔

[3] اصول کافی: ج ۱ ص ۴۱۔

إِذَا ظَهَرَتِ الْبِدَعُ فِي أُمَّتِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ.[1]

جب میری امت کے درمیان بدعتیں سرابھارنے لگیں تو علماء کے لئے اپنا علم ظاہر کرنا ضروری ہے اور جو شخص اس سے جان چھڑائے اس پر خداوند عالم کی لعنت ہے۔

اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ عوام الناس کے دین وایمان اور عقیدہ وعمل کا کل دارومدار علماء کے اوپر ہے چنانچہ اگر وہی دین کو صحیح طریقے سے نہ پہنچائیں اور بدعتوں کا مقابلہ نہ کریں تو لوگ انہیں گمراہیوں کا شکار ہو جائیں گے اور ان کا دین بھی تباہ وبرباد ہو کر رہ جائے گا۔

لہٰذا ایک معلم کے اندر اتنی شجاعت اور صاف گوئی ہونا ضروری ہے کہ وہ حقائق کو بیان کر سکے اور برے رسم ورواج اور بدعتوں کا مقابلہ کر سکے اور اس بارے میں اس کے اندر کسی طرح کی جھجک یا لوچ پیدا نہ ہو۔

---

[1] بحارالانوار: ج ۲، باب ۱۳، ص ۷۶۔

خلاصہ

اپنے اندر تدریس کی صلاحیت پیدا کرنا، قول وفعل کی مطابقت، سچے اور لائق طالب علم کی شناخت، دین کی ترویج میں سخاوت اور شجاعت نیز صاف گوئی سے کام لینا ایک معلم اور استاد کے لئے ضروری اور لازمی چیزیں ہیں۔

سوالات

۱۔ دوسرے کو تعلیم دینے سے پہلے ایک مدرس کو کس قسم کی تیاری کرنا چاہئے؟
۲۔ کیا استاد اپنے ہر شاگرد کو ہر طرح کی تعلیم دے سکتا ہے؟
۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر میں عالم کی خصوصیات کیا ہیں؟
۴۔ بزرگ علماء درس شروع کرنے سے پہلے درس اخلاق کیوں دیتے ہیں؟

باب۔۳۷

استاد کے فرائض ۲

۲۔شاگردوں سے متعلق استاد کے فرائض

۱۔اپنے شاگردوں سے متعلق ہراستاد کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ انہیں دینی آداب اوراخلاق کی تعلیم دے اورانہیں اس کی اہمیت سے آگاہ کرکے اعلیٰ علمی درجات کے لئے آمادہ کرے۔

بنیادی طور پر ہر چیز کے لئے ایک ظرف ضروری ہے اورعلم کا ظرف پاک و پاکیزہ دل اور عقل سلیم ہے لہٰذا استاد کے لئے ضروری ہے کہ اپنے شاگردوں کی تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے انہیں ان علمی حقائق کا بارگراں اٹھانے کے قابل بنادے تاکہ وہ اس کے ساتھ تواضع اورانکساری سے پیش آئیں اور ہمیشہ سرتسلیم خم کئے رہیں صرف یہی وہ راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے طلاب اپنی تعلیم کے ذریعہ ترقی اورکمال کی منزلوں تک پہنچ سکتے ہیں۔

اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ہراستاداپنے شاگردوں کی نیت کو پاک و پاکیزہ اورخالص بنانے کی کوشش کرے اورانہیں یہ سمجھائے کہ ان کی نظریں صرف نیک اوراعلیٰ مقاصد پر مرکوز ہونا چاہئیں اورصرف اسی راستے سے وہ علم الٰہی کے برکات سے فیضیاب ہوسکتے ہیں۔

۲۔جب استاد کو اپنے شاگردوں کی ذہنی استعداد،خلوص نیت اوران کے روشن ضمیر کے بارے میں یقین اور اطمینان پیدا ہوجائے تو انہیں علم کی قدرو قیمت اورعلم حاصل کرنے کی اہمیت سے آگاہ کرے اورانہیں یہ بھی اچھی طرح سمجھا دے کہ کوئی بھی انسان عالم ہستی کے حقائق سے اسی وقت واقف ہوسکتا ہے جب وہ دوپروں کے ساتھ پرواز کرے(۱)علم

(۲) تقویٰ اور اس کے ساتھ ساتھ گزشتہ علماء کے تجربات کو بھی اپنے لئے مشعل راہ قرار دینا ضروری ہے تا کہ وہ عالم ملک وملکوت سے آگاہ ہو سکے اس سے طالب علموں کے شوق تعلیم میں اضافہ ہوگا۔

۳۔استاد اور شاگرد کے روابط اسلامی تعلیمات کی بنیادوں پر استوار ہونا چاہئیں اور بزرگ علماء کی تاکید کے مطابق ان کے درمیان باپ بیٹے کے رشتہ جیسا رابطہ ضروری ہے یعنی استاد اپنے شاگردوں کو بالکل اپنی اولاد کی طرح سمجھے اور ان کے ساتھ اولاد کی طرح برتاؤ کرے اور جو چیزیں اپنی اولاد کیلئے مناسب نہیں سمجھتا ہے وہ چیزیں ان کے لئے بھی ہرگز پسند نہ کرے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِه.[۱]

تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بعینہ وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۴۔اپنے شاگردوں کو حرام اور برے کاموں سے روکتا رہے البتہ ان کے اوپر کسی قسم کی سختی کرنے کے بجائے نہایت ہوشیاری کے ساتھ دوسرے مختلف طریقوں سے روکنے کی کوشش کرے کیونکہ انہیں براہ راست روکنے سے کبھی کبھی اخلاقی حدود باقی نہیں رہ پاتے۔ سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ محبت آمیز انداز میں نرمی کے ساتھ سمجھائے جیسا کہ خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ اور جناب ہارونؑ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ دونوں حضرات فرعون کے پاس جائیں۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى.[۲]

اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا خوفزدہ ہوجائے۔

۵۔طلاب کے ساتھ غرور وتکبر کے انداز سے پیش نہ آئے۔ بلکہ ہمیشہ متواضع اور باوقار رہے کیونکہ اس سے شاگردوں کے ساتھ اس کا قلبی لگاؤ زیادہ ہوگا اور وہ اس کی شخصیت سے زیادہ متاثر ہونگے اور انکی تعلیمی حالت بہتر سے بہتر ہوتی چلی جائے گی جیسا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ.[۳]

اور جو صاحبان ایمان آپ کا اتباع کرلیں ان کے لئے اپنے شانوں کو جھکا دیجئے۔

لہٰذا ہر استاد کو اپنے شاگردوں کے لئے رحم وکرم کا پیکر ہونا چاہئے تا کہ وہ ان کے دلوں میں اپنی طرف سے یہ

---

[۱] صحیح بخاری: ج۱ کتاب الایمان، منیۃ المرید: ص ۱۹۰

[۲] سورۂ طٰہٰ: آیت ۴۴۔

[۳] سورۂ شعراء: آیت ۲۱۵

اطمینان پیدا کرا سکے کہ استاد صرف ان کی بھلائی چاہتا ہے جس کے بعد وہ ان کے درد دل اور قلبی اخلاص و محبت کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اسی وجہ سے یہ بھی ضروری ہے کہ استاد اپنے تمام شاگردوں کو ان کے نام کے ساتھ پہچانتا ہو اور انہیں بڑے احترام سے پکارے نیز اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی کی وجہ پوچھنے کے ساتھ اس کا حال بھی دریافت کر لے، اس سے ایک تو یہ کہ استاد ہمیشہ کامیاب و کامران رہتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے شاگردوں کے دلوں میں اس کی محبت اور وقار باقی رہتا ہے۔

۶۔ کوئی بھی علمی نکتہ بیان کرتے وقت اپنے شاگردوں کی علمی سطح کا خیال رکھے، کیونکہ زیادہ دقیق علمی گفتگو یا اس کے برخلاف بہت آسان اور سادہ باتیں بیان کرنے سے بھی ان پر غلط اثر پڑتا ہے لہٰذا ہر قسم کی مجمل اور پیچیدہ باتوں سے پرہیز کرے ورنہ طلاب کا حوصلہ پست ہوسکتا ہے۔

اسی طرح جب طلاب اس سے کوئی سوال کریں تو جواب میں بھی اس بات کا خیال رکھے یعنی آسان انداز میں بالکل واضح جواب دے اور اگر جواب کی وضاحت کے لئے پیچیدہ بحثوں کی ضرورت ہو تو فوراً جواب دینے کے بجائے اس کے مناسب وقت کا انتظار کرے ورنہ طالب علم اس کی بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ جائے گا جس کے نتیجہ میں وہ غلط راستہ کی طرف بھی بہک سکتا ہے۔

اسی طرح استاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے علمی بیانات کو منطقی انداز میں بالترتیب اور تسلسل کے ساتھ بیان کرے تاکہ اس کے شاگردوں کو اس کی باتیں سمجھنے میں کسی قسم کی زحمت نہ ہو۔

۷۔ اپنے شاگردوں کے اندر اعتماد بہ نفس اور علمی و عملی میدانوں میں ترقی و کمال کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرنے کی کوشش کرے اور ان میں سوال کرنے نیز اظہار خیال کی ہمت بھی پیدا کر دے اور اگر ان میں سے کوئی معمولی یا فضول سوال کرے یا غلط بات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے تو شرح صدر کے ساتھ اور مسکرا کر اس کا جواب دے کیونکہ طالب علم کا مذاق اڑانے سے اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے اور وہ دوبارہ سوال نہیں کرتا دوسرے یہ کہ استاد کے ساتھ بھی اس کا رابطہ اور لگاؤ پھیکا پڑ جاتا ہے۔

۸۔ علمی باتوں کو ان کا علمی معیار کم کئے بغیر عام فہم اور آسان انداز میں اس طرح بیان کرے کہ طلاب انہیں بآسانی ہضم کر سکیں یہی وجہ ہے کہ جب کوئی استاد کسی بھی علمی مسئلہ کو پیچیدہ اور مجمل انداز سے بیان کرتا ہے تو طلاب کو اپنی ذہانت اور حافظہ کے بارے میں شک ہونے لگتا ہے اور وہ اپنی تعلیم کے بارے میں مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۹۔ طلاب کو مسلسل مشق، تحقیق یا سوالات کے جوابات لکھنے کے لئے کہے تاکہ ان کی علمی صلاحیت میں اضافہ کے

علاوہ ان کے اندر محنت اور مشقت کا جذبہ بھی زیادہ سے زیادہ پروان چڑھ سکے۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم درس میں سوالات یا علمی تنقید کرتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کی جائے کیونکہ اس سے اس کی علمی صلاحیت میں اضافہ کے علاوہ دوسرے طلاب کے اندر بھی آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۰۔ تمام شاگردوں کے ساتھ ایک جیسا رویہ رکھے یعنی سب کے ساتھ انصاف سے پیش آئے اور کسی کو بلاوجہ دوسروں کے اوپر ترجیح نہ دے کیونکہ ان سب کے حقوق بالکل برابر ہیں، البتہ یہ الگ بات ہے کہ بعض طلاب بہت زیادہ محنت اور مخلص ہوتے ہیں اور انہیں ہمیشہ اپنی پڑھائی کی فکر لاحق رہتی ہے اور وہ دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں ایسے طلاب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے البتہ اس طرح نہیں کہ اس سے ناانصافی اور گروہ بندی کا خطرہ پیدا ہوجائے اگرچہ سب سے بڑی ناانصافی تو یہ ہے کہ استاد اپنے ذہین، محنتی اور لائق طالب علم کو درسی اعتبار سے کمزور اور تعلیم سے دلچسپی نہ رکھنے والے طالب علم کے برابر قرار دے دے اس سے ایک طرف تو محنتی طالب علم کی حوصلہ شکنی ہوگی اور دوسری جانب محنت نہ کرنے والے طلاب کو ان کی کوتاہی ولاپرواہی کے لئے مزید سہارا مل جائے گا۔

لہٰذا استاد اپنے تمام شاگردوں کے لئے یہ بات بالکل واضح کردے کہ جن طلاب کو وہ دوسروں پر فوقیت دیتا ہے یا ان کا احترام اس کی نظر میں زیادہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ تعلیم اور اخلاقی فضائل کے اعتبار سے دوسروں سے بہتر ہیں۔

۱۱۔ ہر استاد اس موضوع کی تدریس کرے جس میں اس کو باقاعدہ مہارت حاصل ہو کیونکہ اگر وہ ایسے موضوعات یا فنون کی تعلیم دینے کی کوشش کرے جس میں اس کے پاس لازمی مہارت یا معلومات نہیں ہیں تو اس سے خود اس کی شخصیت اور عزت پر برا اثر پڑے گا اور اسے اپنے شاگردوں کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور اس سے خود اس کے شاگردوں کے گمراہ ہوجانے کا خطرہ ہے۔

اسی طرح استاد کے لئے یہ بھی ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے موضوع یا مضمون کی تعریف کرے اور بقیہ دوسرے علوم اور موضوعات کو فضول یا بیکار اور کم قیمت ثابت کرنے کی کوشش کرے۔

۱۲۔ استاد اپنے شاگردوں کی علمی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقفیت پیدا کرنے کے بعد ان کی علمی صلاحیتوں کے مطابق مزید اعلیٰ تعلیم کیلئے اچھے، لائق اور دردمند اساتذہ کی طرف ان کی راہنمائی کرے۔

۱۳۔ جب استاد اپنے شاگردوں کی علمی صلاحیتوں پر اطمینان کرنے لگے تو عملی میدان میں اترنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرے تاکہ وہ بھی تدریس، تبلیغ یا خطابت وغیرہ کے ذریعہ دوسروں کی ہدایت کرسکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ استاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف مقامات پر علمی اور دوسرے حلقوں میں ان کی شناخت کرادے اور جہاں تک ممکن ہو ان کی تائید اور پشت پناہی بھی کرتا رہے۔

خلاصہ

اسلامی آداب و اخلاق کے مطابق طلاب کی تربیت کرنا، انہیں تقوائے الٰہی کی طرف دعوت دینا، ان کے ساتھ گہرے روابط اور تعلقات رکھنا اور انکساری سے پیش آنا۔ نیز تحقیق اور محنت و مشقت کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرنا اور آئندہ کے بارے میں انہیں پرامید بنانا، ان کے درمیان عدالت اور مساوات کا خیال رکھنا نیز ان کی ترقی اور پیش رفت کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا۔ طلاب کے وہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی ہر استاد کیلئے ضروری ہے۔

سوالات

۱۔ تعلیم سے پہلے طلاب کی تربیت اور تہذیب نفس کیوں ضروری ہے؟

۲۔ استاد اور شاگرد کا رابطہ کیسا ہونا چاہئے؟

۳۔ تعلیم کے وقت استاد کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟

۴۔ طلاب کی علمی صلاحیتوں کے بارے میں ایک استاد کا فریضہ کیا ہے؟

۵۔ تعلیمی مراحل کو کامیابی کے ساتھ طے کر لینے کے بعد طلاب سے متعلق ایک استاد کی کیا ذمہ داری ہے؟

باب۔۳۸

استاد کے فرائض ③

۳۔کلاس میں استاد کے فرائض

۱۔ہر استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ درجہ (کلاس) میں داخل ہونے سے پہلے باقاعدہ تیاری کرے اور یہ تیاری صرف درسی اعتبار سے ہی نہ ہو بلکہ اپنے لباس اور بدن کی صفائی کے علاوہ سکون واطمینان کا مظاہرہ کرے اور سنجیدہ وباوقار رہے البتہ اس کا مطلب قیمتی اور شاندار کپڑے پہننا ہرگز نہیں ہے بلکہ صاف ستھرے کپڑے ہونا چاہئیں چاہے وہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں مختصر یہ کہ اس کا لباس یا رہن سہن اتنا پروقار ہو کہ دیکھنے والا خود بخود اس کی طرف جذب ہو جائے۔

۲۔ہر مدرس کے لئے بہتر ہے کہ تدریس کے لئے گھر سے باہر نکلتے وقت خدا کو یاد کرے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول یہ دعا پڑھے:

اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ وَ جَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ.[۱]

بارالٰہا میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کردوں یا خود گمراہ ہو جاؤں، دوسروں کو متزلزل کردوں یا خود متزلزل ہو جاؤں خود ظلم کروں یا میرے اوپر ظلم کیا جائے، جہالت میں ڈالا جاؤں یا مجھے نادانی کے چنگل میں پھنسا دیا جائے خدایا جو تیرا ہمسایہ ہے وہ باعزت ہے اور تیری ثنا جلیل و عظیم ہے اور تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔

[۱] سنن ابی داؤد: ج ۴ حدیث ۵۰۹۴ منیۃ المرید: ص ۲۰۵

پھر کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ حَسْبِيَ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ جَنَانِي وَأَدِرِ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِي۔[1]

خدا کے نام سے میرے لئے اللہ کافی ہے اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور خدائے علی وعظیم کے علاوہ کوئی قدرت و طاقت نہیں ہے۔ بارالہا! میرے دل کو استواری ثبات عطا فرما اور حق کو میری زبان پر جاری فرما۔

۳۔ کلاس میں داخل ہوتے وقت طلاب کو اسلام کرے اور خوشروئی کا مظاہرہ کرے اور درس کے اختتام تک سنجیدگی کو باقی رکھے اور اس کی ہر نقل وحرکت اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ اسلام کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کا نمونہ ہونا چاہئے جو باتیں اہل علم کے لئے مناسب نہیں ہیں ان سے پرہیز کرے اور اسی طرح ان باتوں سے بھی پرہیز کرے جن کی بنا پر اس کے شاگردوں کو سنجیدگی کے ساتھ درس سننے اور سمجھنے میں زحمت ہو۔

اسی طرح استاد کے لئے ضروری ہے کہ کلاس روم میں اسی جگہ بیٹھے، یا اسی جگہ کھڑا ہو جو اس کے لئے مخصوص ہے اور اس جگہ سے وہ پورے کلاس پر مکمل تسلط رکھتا ہو۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بچے بھی اچھی طرح سبق کو سمجھ سکیں گے اور کماحقہ اس سے استفادہ کریں گے۔

۴۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے درس کا آغاز کرے اور حمد وثنائے پروردگار پر درس ختم کرے اور اس طریقۂ کار کی مسلسل اتنی پابندی کرے کہ صرف درس وتدریس ہی نہیں بلکہ ہر کار خیر میں اس کی یہی عادت شاگردوں کیلئے نمونۂ عمل بن جائے علماء اخلاق نے ہمیشہ مدرس کے لئے یہ تاکید کی ہے درس شروع کرنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے اور اس خلوص کے ساتھ پروردگار عالم سے امداد طلب کرے۔ اس کی بناء پر ایک تو اس کے درس میں ایک قسم کے تقدس کی فضا قائم ہوگی اور طلاب درس اور استاد کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں گے اور ان کو تقدس کی نگاہ سے دیکھیں گے اور رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے ان کی نیت مزید خالص اور پاک وپاکیزہ ہوجائے گی۔

۵۔ مدرس کا انداز بیان ایسا ہو کہ اس کے شاگردوں کو بھی یہ اطمینان رہے کہ ان باتوں پر اسے بھی یقین ہے ورنہ وہ بھی ان باتوں پر کوئی دھیان نہ دیں گے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ استاد درس پڑھاتے وقت بالکل متانت اور سنجیدگی سے کام لے اور ہر قسم کی ہنسی ومذاق سے پرہیز کرے۔

البتہ یہ واضح رہے کہ سبق پڑھاتے وقت سنجیدہ رہنا نرمی اور خوش مزاجی کے منافی نہیں ہے کیونکہ سنجیدگی کا مطلب

[1] سنن ابی داؤد: ج ۴ حدیث ۵۰۹۵، منیۃ المرید: ص ۲۰۵۔

تیور بدلے رہنا یا ترش روئی کا مظاہرہ کرنا اور سخت رویہ رکھنا ہرگز نہیں ہے دوسرے یہ کہ شاگردوں کی ذہنی تکان دور کرنے کے لئے تھوڑا بہت ہنسی مذاق بھی ضروری ہے۔

۶۔ استاد اور مدرس صحیح طریقۂ تعلیم سے بھی واقف ہو یعنی طریقۂ تعلیم سے متعلق کتابوں میں بچوں کو پڑھانے اور درس دینے کے جو مختلف طریقے سکھائے گئے ہیں ان میں سے اپنے مناسب حال طریقہ کار کو اپنائے جیسے درس کا موضوع اور شاگردوں کی علمی استعداد وغیرہ کو پیش نظر رکھے اور پہلے دن اپنے شاگردوں کے سامنے اپنے طریقۂ تعلیم کی وضاحت کردے اسی طرح موضوع کی اہمیت اور فائدہ پر بھی کافی وشافی روشنی ڈالے تاکہ ان کے دلوں میں اس مضمون کا مزید شوق پیدا ہو جائے اور وہ اس کی باتوں کو اور زیادہ غور سے سنیں۔

۷۔ لمبی لمبی اور تھکا دینے والی بحثوں سے پرہیز کرے کیونکہ لمبی بحث اور وقت کی زیادتی کی وجہ سے شاگرد درس سنتے وقت کوئی توجہ نہیں دیتے ہیں۔

استاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہم نکات میں اتنی جلد بازی نہ کرے کہ اس کے شاگرد اس کی بات سمجھ ہی نہ پائیں اور وہ آگے بڑھ جائے لہٰذا انہیں اتنا موقع ضرور دے کہ وہ بآسانی تمام مطالب ذہن نشین کر سکیں۔

بہر حال یہ طے ہے کہ بات جتنی مفید اور مختصر ہوگی اتنا ہی زیادہ ذہن نشین رہے گی جیسا کہ ''سننے والے پر احادیث معصومینؑ اسی لئے جلد اثر انداز ہوتی ہیں کہ وہ نہایت مختصر اور مفید ہیں۔

۸۔ نصاب تعلیم، طریقۂ تعلیم، کلاس کا وقت اور موضوعات کی ترتیب بھی شاگردوں کی مصلحت کے مطابق ہو اور ایسا طریقۂ کار اپنائے جس سے شاگردوں پر کم سے کم بوجھ پڑے اور وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں، اسی طرح استاد کی آواز نہ اتنی بلند ہو کہ سننے والوں کو پریشانی ہو جائے اور نہ ہی اتنی آہستہ ہو کہ انہیں سننے میں زحمت کا سامنا کرنا پڑے۔

۹۔ حتی الامکان کلاس میں شور نہ ہونے دے کیونکہ اس سے ایک طرف تو استاد اور درس کی توہین ہوتی ہے اور دوسری جانب یہی شور شرابہ بسا اوقات خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس سے بچوں کی ذہنیت خراب ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ بچوں کو کلاس کا نظم وضبط باقی رکھنے کے علاوہ کلاس کے احترام کی طرف بھی متوجہ کرتا رہے اور ان کے اندر اخلاقی اور سماجی فرائض کے بارے میں احساس ذمہ داری پیدا کرے اور انہیں ایسا بنانے کی کوشش کرے کہ وہ گھر، سماج یا کسی بھی دوسری جگہ کسی بھی ذمہ داری کو اپنے کاندھوں پر اٹھا سکیں۔

۱۱۔ سوالات کا جواب دیتے وقت بہت ہی کھلے دل اور اپنائیت کا مظاہرہ کرے نیز سوالات کو بغور سنے کیونکہ بعض شاگرد مختلف مقاصد کے تحت سوال کرتے ہیں مثلاً کچھ استاد کی قوت تحمل کا امتحان لیتے ہیں جب کہ کچھ درس کا موضوع تبدیل کرنے یا اظہار قابلیت کے لئے سوال کر لیتے ہیں لہٰذا استاد کو ہر اعتبار سے چوکنا رہنا چاہئے اور نہایت متانت کے ساتھ ان کا

جواب دینا چاہئے تا کہ سوال کرنے والے کے لئے کسی غلط استفادہ کا امکان باقی نہ رہ جائے۔

۱۲۔ استاد کا ایک اور اہم فریضہ یہ ہے کہ جو چیز اسے معلوم نہیں ہے اس کا مبہم یا گول مول جواب دینے کے بجائے صاف صاف یہ کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:

إِذَا سُئِلْتُمْ عَمَّا لَا تَعْلَمُونَ فَاهْرُبُوا قَالُوا وَ كَيْفَ الْهَرَبُ قَالَ تَقُولُونَ اللهُ أَعْلَمُ.[۱]

جب تم سے ایسا سوال کرلیا جائے جس کا جواب تمہیں معلوم نہ ہو تو فرار کرو! سوال کیا گیا کہ کیسے فرار کریں فرمایا: یہ کہو: کہ خدا بہتر جانتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

مَا عَلِمْتُمْ فَقُولُوا وَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَقُولُوا اللهُ أَعْلَمُ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْتَزِعُ الْآيَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَخِرُّ فِيهَا أَبْعَدَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ.[۲]

جو کچھ تمہیں معلوم ہے اسے بیان کردو اور جو کچھ نہیں جانتے ہو تو کہہ دو کہ اللہ بہتر جانتا ہے یقیناً اگر کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت میں جلد بازی کا شکار ہو جائے (غلط جواب دے دے) تو اس کی بناء پر وہ زمین و آسمان کے فاصلہ سے زیادہ پستی میں چلا جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ ''مجھے معلوم نہیں'' کہنے میں ہماری توہین ہوتی ہے اور اس سے شاگردوں کے درمیان ہماری شان و منزلت پر اثر پڑتا ہے جبکہ معاملہ برعکس ہے کیونکہ جب شاگرد یہ دیکھتے ہیں کہ استاد کو جو نہیں معلوم ہوتا ہے وہ اس کا اعتراف کرلیتا ہے تو اس پر ان کا اعتماد اور زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ وہ جو بات بھی کہتا ہے وہ یقیناً علمی اور مستحکم ہے اور اس کے ساتھ وہ اس بات کو اس کے تقویٰ اور صاف گوئی کی علامت قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر شخص کا علم محدود ہے اور وہ ہر سوال کا جواب نہیں دے سکتا لہٰذا زبردستی تصنع اور ریاکاری کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر سوال کا جواب ضرور دیا جائے ورنہ طلاب یہی سمجھیں گے کہ اسے کچھ معلوم نہیں ہے بلکہ یہ تو کسی ثبوت اور دلیل کے بغیر اپنی طرف سے ہی جواب دیتا رہتا ہے۔

۱۳۔ درس ختم کرنے سے پہلے پورے درس کو ایک بار ترتیب وار بیان کردے اور اہم نکات کو دوبارہ بیان کرے درس کا نتیجہ بھی ضرور بیان کرے اگر کوئی پہلو چھوٹ گیا ہے یا ناقص بیان کیا ہے اسے پورا کردے اور کوئی بھی موضوع بچوں کے ذہن میں ناقص نہ رہنے دے اس طرح احتمالی نقائص کو دور کرتے وقت استاد تمام درس کو ایک بار ضرور دہرادے تا کہ اگر

---

[۱] سنن دارمی: ج۱ منیۃ المرید ص ۲۱۵

[۲] اصول کافی: ج۱ ص ۴۲

طلاب نے کوئی بات غلط سمجھ لی ہے تو اسی وقت اس کی اصلاح ہوجائے اوراسی طرح اگر کوئی غلطی ہوجائے تو شہامت اور جوانمردی کے ساتھ اس کا اعتراف کرے اور شاگردوں سے معذرت طلب کرے کیونکہ امانت داری اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ غلطی کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کے لئے معذرت بھی کی جائے اور جو استاد اپنے شاگردوں سے معذرت کرلیتا ہے ان کے دلوں میں اس کی محبت اورزیادہ بڑھ جایا کرتی ہے۔

۱۴۔گذشتہ علماء ایک استاد اور مدرس کیلئے یہ تاکید بھی فرماتے تھے کہ استاد درس کے خاتمہ پر اپنے شاگردوں کو نصیحت ضرور کرے تا کہ ان کے نفس کا تزکیہ اور باطن کی طہارت ہوسکے کیونکہ علم صرف پاک و پاکیزہ دل میں ہی باقی رہتا ہے۔

۱۵۔درس کے آخر میں تھوڑا وقت بچائے تا کہ اگر کسی کو کچھ سوال کرنا ہوتو وہ دریافت کرسکے اور فوراً کلاس سے باہر نہ جائے اسی طرح اگر کوئی شاگرد درس ختم ہونے کے بعد باہر جانا چاہتا ہے تو اسے نہ روکے۔

۱۶۔بہتر یہی ہے کہ حمد وثنائے الٰہی اور دعا پر درس تمام کرے اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دعا نقل ہوئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا مَا أَخْطَأْنَا وَ مَا تَعَمَّدْنَا وَ مَا أَسْرَرْنَا وَ مَا أَعْلَنَّا وَ مَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنَّا أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ.[1]

بارالہا! ہم سے جو عمداً مخفی طور پر یا علانیہ غلطی ہوگئی ہے اور جو کچھ تو جانتا ہے اسے معاف فرمادے تو ہی سب سے مقدم اور تو ہی سب سے موخر ہے تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔

[1] بحارالانوار: ج۲ ص ۶۳۔

خلاصہ

بدن اور لباس کی صفائی کا خیال، تدریس کیلئے باہر نکلتے وقت دعا، کلاس میں داخل ہونے سے پہلے سلام، درس کو خدا کے نام سے شروع کرنا اور حمد وثنائے الٰہی پر تمام کرنا، یہ سب تدریس کے آداب ہیں۔

صحیح طریقہ تعلیم کا استعمال، طولانی اور تھکا دینے والی باتوں سے پرہیز، شاگردوں کی مصلحت کا خیال، کلاس کے نظم و ضبط پر قابو اپنی علمی ناتوانی کا اقرار، سوالات کا جواب دینے میں وسعت قلب کا مظاہرہ، درس کے آخر میں تمام باتوں کا خلاصہ ، اور درس کا نتیجہ بیان کرنا بھی استاد کے وظائف میں شامل ہیں۔

سوالات

۱۔ درس سے پہلے استاد کیلئے کن آداب کی پابندی ضروری ہے؟

۲۔ شاگردوں کو کلاس میں بحث ومباحثہ سے روکنا کیوں ضروری ہے؟

۳۔ جو باتیں نہیں جانتا ہے ان کا جواب دینے کے بارے میں استاد کو کیا کرنا چاہئے؟

۴۔ سبق شروع کرنے اور ختم کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باب۔ ۳۹

طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں①

جیسا کہ گذشتہ دروس میں آپ یہ جان چکے ہیں کہ استاد کے فرائض تین طرح کے ہوتے ہیں۔اسی طرح شاگردوں کے فرائض کی بھی تین قسمیں ہیں:

۱۔طلاب کے فرائض خود اپنے سلسلے میں۔

۲۔طلاب کے فرائض استاد کے بارے میں۔

۳۔کلاس میں طلاب کے فرائض۔

واضح رہے کہ جو طلاب دارالاقامہ (ہاسٹل) میں یا کسی اور جگہ ایک ساتھ رہتے ہیں ان کے بھی کچھ آداب ہیں لیکن فی الحال ہم طلاب کے عام فرائض اور آئندہ درس میں کلاس اور استاد کے بارے میں ان کے فرائض کا تذکرہ کریں گے اور ہاسٹل سے متعلق،فرائض کا تذکرہ آخر میں کریں گے۔

۱۔اپنے بارے میں طالب علم کے فرائض اور ذمہ داریاں

ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے اپنے کو تعلیم کے لئے اچھی طرح آمادہ کرے یعنی اپنے کو تعلیم کے لئے اچھی طرح آمادہ کرے یعنی اپنے نفس اور دل کو بالکل صاف ستھرا بنا لے دل کو پاک و صاف بنانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسان کھیت میں بیج بونے سے پہلے زمین کو صاف کر کے کاشت کے لئے ہموار کرتا ہے اسی طرح

علوم الٰہیہ حاصل کرنے سے پہلے دل کو کینہ اور گناہ وغیرہ سے پاک وصاف کرنا ضروری ہے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ فِي الْجِسْمِ لَمُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ سَائِرُهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُهُ وَهِيَ الْقَلْبُ.[1]

جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح وسالم رہے تو پورا جسم صحیح وسالم رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے۔''وہ دل'' ہے۔

علماء اخلاق نے حافظہ کی تقویت کے لئے تقویٰ اختیار کرنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے کیونکہ روحانی بیماریاں علوم الٰہیہ کے دروازہ کو بند کر دیتی ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ طلاب کرام حتی الامکان اپنے نفوس، ارواح اور دلوں کو ہر قسم کے گناہ اور برائیوں سے محفوظ رکھیں۔

۲۔ زندگی کا بہترین دور جو تعلیم کے لئے سب سے اچھا وقت ہے اسے بالکل ضائع نہ کریں کیونکہ اس دور میں انسانی جسم کی تمام صلاحیتیں اور قوتیں اپنے عروج پر رہتی ہیں اور معمولی سی محنت سے بہت زیادہ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔نیز یہ کہ دوسری ذمہ داریاں بھی اتنی زیادہ نہیں ہوتی ہیں جن سے ذہن پر زیادہ بوجھ پڑنے کا امکان ہو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔

مَثَلُ الَّذِي يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِي صِغَرِهِ كَالنَّقْشِ عَلَى الْحَجَرِ وَ مَثَلُ الَّذِي يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِي كِبَرِهِ كَالَّذِي يَكْتُبُ عَلَى الْمَاءِ.[2]

جو شخص بچپنے میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ پتھر کی لکیر کی طرح باقی رہتی ہے اور جو شخص بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے پانی کے اوپر کوئی تحریر بنا دی جائے۔

واضح رہے کہ انسان کی عمر میں جس قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے اس کی جسمانی توانائیاں اسی طرح کم ہوتی جاتی ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ.[3]

اور ہم جسے طویل عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں بچپنے کی طرف واپس کر دیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ تعلیم کے مواقع روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں اور تعلیم کو جاری رکھنا روز بروز دشوار ہوتا چلا جاتا ہے البتہ یہ

---

[1] صحیح بخاری: ج ا کتاب الایمان، منیۃ المرید: ص ۲۴۴، بحار الانوار: ج ۵۸ ص ۲۳۔
[2] الجامع الصغیر: ج ۲ حرف میم، منیۃ المرید: ص ۲۲۵۔
[3] سورہ یٰسین: آیت ۶۸

یادرہے کہ اگر انسان اپنی کمسنی میں اچھی طرح علم حاصل کرلے تواس کی علمی اورروحانی صلاحیتیں اس کی جسمانی قوتوں کی جگہ لے لیتی ہیں اوراس طرح وہ بڑھاپے میں بھی اپنے علم میں اضافہ کرسکتا ہےلہٰذا بچپنے سے ہی تعلیم کا آغاز کرنا چاہئے البتہ اس کا یہ مطلب ہرگزنہیں ہے کہ اگرانسان کی عمرزیادہ ہوجائےتو وہ تعلیم حاصل نہ کرے بلکہ تاریخ میں ''سکاکی'' جیسے افرادموجودہیں جنہوں نے چالیس سال کے سن میں تعلیم کا آغاز کیااوراپنی محنت اورانتھک کوششوں کے نتیجہ میں اسلام کے مشہورومعروف علماء کے درمیان اپناایک مقام بنایا۔

۳۔حتی الامکان ایسی مصروفیات اورمشغولیات سے دوررہیں جن سے ان کی تعلیم پرغلط اثر پڑتا ہےاوران کی فکردوسری طرف لگ جاتی ہے کیونکہ اگر انسان کے ذہن پرکھانے، پینے اور کپڑے، گھر، تفریح یا کام کاج، آمدنی اور اخراجات جیسے افکارغالب رہیں تو پھرعلمی مسائل کے بارے میں سوچنے کاامکان باقی نہیں رہ جاتا ہے کیونکہ تعلیم کے لئے صبروحوصلہ اورمسلسل جہادنفس کی ضرورت ہوتی ہےاور وقتی لذتوں سے چشم پوشی کرنا پڑتی ہے لہٰذا دنیاوی آسائش وآرام اوراس کی رنگینیوں کی موجودگی میں تعلیم کاجذبہ بالکل سرد پڑجاتا ہے۔

۴۔اپنے دوستوں یادیگر متعلقین سے اپنے روابط کے بارے میں ازسرنوغورکریں اورایسے دوستوں کاانتخاب کریں جوعلم دوست ہوں کیونکہ جودوست لاابالی اوروقت ضائع کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔

ان کی دوستی سے پڑھنے والے بچوں پربھی غلط اثرپڑتا ہےاورایسے دوست انہیں بھی ترقی اورکامیابی کی راہ پرنہیں چلنے دیتے ہیں۔

۵۔حوصلہ اورہمت کوبہت بلندرکھےتاکہ اس کے اندراعلیٰ علمی مدارج تک پہنچنے کاجذبہ باقی رہےاس صورت میں عزم محکم اور پختہ ارادہ کے ساتھ اپنی تعلیم کوآگے بڑھائےگالیکن اگروہ کسی معمولی درجہ پرقناعت کرنے اوراس کواپنے لئے کافی سمجھنے لگےتوپھروہ یقیناً ترقی کی مزیدمنزلیں طےنہیں کرسکتا ہے۔

۶۔علمی باتوں کے بارے میں اس کے اندرلگن اورشوق ہوناچاہئے اور جہاں کہیں بھی کوئی علمی بات نظرآئے اس کے بارے میں کسی قسم کی تساہلی سے کام نہیں لیناچاہئے۔

۷۔تعلیم حاصل کرتے وقت عقل ومنطق کومعیارقراردے اورصحیح طریقہ سے تعلیم حاصل کرے اور جب تک ابتدائی ومقدماتی درجے طے نہ کرلےعمیق اورپیچیدہ مطالب کی طرف قدم نہ بڑھائے کیونکہ بنیادمضبوط کئے بغیر بڑی بڑی کتابوں میں مشغول ہوناایک غلط طریقہ کارہےجس سے کچھ حاصل ہونے والانہیں ہے۔

۲۔استاد سے متعلق طلاب کے فرائض

ا۔استاد کے بارے میں طلاب کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ نیک اور صالح استاد کا انتخاب کریں کیونکہ ان کی فکری اور روحانی تعلیم وتربیت میں استاد کا بنیادی کردار ہوتا ہے لہٰذا استاد کے اندر دو چیزوں کا وجود نہایت ضروری ہے۔

i۔نیک اور صالح ہو، تا کہ اس کے شاگردوں پر اس کی رفتار و گفتار کا مثبت اثر ہو سکے۔

ii۔علمی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے بالکل پختہ اور تجربہ کار ہو۔

۲۔استاد کو اپنے باپ کی طرح بلکہ اس سے بھی برتر سمجھنا چاہئے کیونکہ والدین بچہ کی جسمانی نشوونما کرتے ہیں لیکن استاد اس کی روحانی تربیت کرتا ہے اسی بارے میں امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے:

وحَقُّ سائِسِكَ بِالعِلمِ: التَّعظيمُ لَهُ، والتَّوقيرُ لِمَجلِسِهِ، وحُسنُ الاستِماعِ إلَيهِ، والإقبالِ عَلَيهِ، وأنْ لا ترفَعَ عَلَيهِ صَوتَكَ، وأنْ لا تُجيبَ أحَداً يَسألُهُ عَن شَيءٍ حتَّى يكونَ هُوَ الّذی يُجيبُ، ولا تُحَدِّثَ فی مَجلِسِهِ أحَداً، ولا تغتابَ عِندَهُ أحَداً، وأنْ تدفَعَ عَنهُ إذا ذُكِرَ عِندَكَ بِسوءٍ، وَأنْ تستُرَ عُيوبَهُ، وتُظهِرَ مَناقِبَهُ، ولا تُجالِسَ لَهُ عَدُوّاً، ولا تعادی لَهُ وليّاً، فإذا فَعَلتَ ذلِكَ شَهِدَت لَكَ مَلائِكَةُ اللهِ بِأنَّكَ قَصدتَهُ، وتَعلَّمتَ عِلمَهُ لِلّهِ جَلَّ اسمُهُ لا لِلنّاسِ.[1]

جس شخص نے بھی علم ومعرفت کی طرف تمہاری رہنمائی کی ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کا احترام کرو اس کی بارگاہ کو محترم سمجھو اور اس کی باتوں کو بغور سنو اسی کی جانب اپنا رخ رکھو، اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند نہ کرو، اگر کوئی اس سے سوال کرے تو تم جواب نہ دو بلکہ اسے جواب دینے دو، کسی کے سامنے اس کی غیبت نہ کرو اور اگر کوئی تمہارے سامنے اس کی برائی کرے تو اس کا دفاع کرو اس کے عیوب کو چھپاؤ اور اچھائیوں کو ظاہر کرو، اس کے دشمنوں کے ہمنشین نہ بنو، اس کے دوستوں سے دشمنی نہ کرنا، اگر تم اس پر عمل کرلو گے تو خداوند عالم کے فرشتے تمہارے لئے اس بات کی گواہی دیں گے کہ تم نے اس کا حق ادا کردیا ہے اور اس سے خدا کے لئے تعلیم حاصل کی ہے نہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے۔

۳۔اپنے استاد کے سامنے تواضع اور انکساری سے پیش آئے کیونکہ ہر عالم کے سامنے تواضع ضروری ہے لہٰذا جو شخص عالم بھی ہو اور استاد بھی ہو وہ تواضع کا زیادہ حقدار ہے اور دوسرے یہ کہ تواضع تعلیم کی بنیادی شرط بھی ہے تکبر اور غرور کے ساتھ

[1] من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲ حدیث ۱۶۲۶

علم حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَ تَعَلَّمُوا لِلْعِلْمِ السَّكِينَةَ وَ الْوَقَارَ وَ تَوَاضَعُوا لِمَنْ تَعَلَّمُونَ مِنْ.[1]

علم حاصل کرو اور پھر علم کے لئے سنجیدگی اور وقار کا درس حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آؤ۔

۴۔ طالب علم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی رائے پر اپنے استاد کی رائے کو ترجیح دے اور کسی بھی مسئلہ میں اپنے استاد کو جاہل اور نادان نہ سمجھے اور جہاں تک ممکن ہو اپنی بات کو غلط سمجھے اور استاد کے نظریہ کو صحیح قرار دے اس سے ایک جانب تو استاد کا احترام باقی رہتا ہے اور دوسری جانب اس موضوع کے بہت سارے مبہم گوشے واضح اور آشکار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر بالفرض استاد کی بات غلط بھی ہو تب بھی اس کو دوسرے طلاب کے سامنے بیان نہ کرے جیسا کہ نہ جانے ایسے کتنے علماء گذرے ہیں جن کا نظریہ ان کے استاد کے نظریہ کے بالکل برخلاف تھا مگر جب تک ان کے اساتذہ زندہ رہے انہوں نے صرف ان کے احترام میں اپنا نظریہ ظاہر نہیں کیا۔

۵۔ یہ بات بھی آداب میں شامل ہے کہ اپنے استاد کا تذکرہ ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ کیا جائے، اور اسے انہی القاب وغیرہ سے پکارا جائے جو ان کے شایان شان ہیں اسی طرح اپنی کسی کتاب، مضمون یا خط وغیرہ میں بھی استاد کے شایان شان الفاظ استعمال کئے جائیں۔

۶۔ شاگردوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے استاد کی زحمتوں کے قدرداں ہوں اور حتی الامکان اس کی پریشانیوں میں اس کا ساتھ دیں اور اگر وہ اس دنیا سے چلا جائے تو اس کے لئے دعائے خیر کریں اور اس سے وفاداری اور اس کی قدردانی کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی سیرت و اخلاق کے سانچہ میں ڈھال لیں اور اسی کے مطابق زندگی گذاریں۔

۷۔ درس کے علاوہ دوسری جگہوں پر بھی ضروری ہے کہ استاد کے لئے بہترین جگہ محفوظ رکھیں اور جب تک استاد موجود رہے اس کے سامنے باادب رہیں یعنی نشست و برخاست اور اس کی باتیں سننے یا اس سے بات کرنے کا طریقہ بھی مودبانہ ہونا چاہئے۔

۸۔ اس بات پر توجہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ استاد کے جوش و جذبہ اور شوق و ولولہ کا تعلق دراصل طلاب کے جوش اور

[1] کنز العمال: ح ۲۸۷۱۷ منیۃ المرید ص ۲۴۳۔

جذبہ نیز ان کے ذوق وشوق سے مربوط ہوتا ہے۔لہٰذا تمام طلاب حتی الامکان ایسی تعلیمی فضا قائم رکھیں جس سے استاد کو ان کی دلچسپیوں کا احساس رہے اور ہر اس بات سے پرہیز کرنا چاہئے جس سے استاد کے دل کو ٹھیس پہنچے اور اس کی حوصلہ شکنی ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب شاگرد استاد کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سنیں اور جو کچھ مشق وغیرہ لکھنے کیلئے دے اس کو مکمل کر کے دکھاتے رہیں۔

۹۔استاد کی زبانی یا عملی لغزشوں سے چشم پوشی کرنا چاہئے کیونکہ استاد بہر حال معصوم نہیں ہے اور اس سے بھی غلطی ہوسکتی ہے لہٰذا اس کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کریں جس کی بنا پر اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے مثلاً اگر اس کے کپڑے صحیح نہیں ہیں یا بٹن کھلا ہے یا غلط بند کرلیا ہے تو اسے خاموشی سے اور سلیقہ کے ساتھ متوجہ کرنا چاہئے تاکہ دوسروں کو احساس نہ ہونے پائے اور استاد کا احترام بھی باقی رہے۔

۱۰۔حتی الامکان اس کو زحمت نہیں دینا چاہئے اور صرف مناسب اوقات میں ہی استاد سے ملاقات کرنا چاہئے اور آرام اور گھریلو کاموں کے اوقات میں اس کے گھر جا کر اسے پریشان نہیں کرنا چاہئے۔

خلاصہ

تعلیم کے لئے تیاری، جوانی کی فرصت سے استفادہ، غیر ضروری فکری مصروفیات سے پرہیز، اچھے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست، بلند ہمتی، اعلیٰ مقصد پر نظر، تعلیم کا شوق، مطالعہ کے صحیح طریقہ کا انتخاب، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کی جانب طالب علم کو تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے دھیان دینا چاہئے۔

بہترین استاد کا انتخاب، استاد کے پدرانہ نقوش پر توجہ، اس کے سامنے تواضع و انکساری اور اس کا شکریہ ادا کرنا بھی استاد کے بارے میں شاگردوں کے اہم فرائض ہیں۔

سوالات

۱۔علم حاصل کرنے کی تیاری کس طرح کی جائے؟

۲۔تعلیم کے لئے سب سے زیادہ مناسب وقت کونسا ہے؟

۳۔تعلیم کے دوران کن باتوں سے پرہیز ضروری ہے؟

۴۔استاد کا انتخاب کرتے وقت کن خصوصیات کا خیال رکھنا چاہئے؟

۵۔شاگرد کے اوپر استاد کے کیا حقوق ہیں؟

۶۔استاد کے بارے میں شاگرد کے اخلاقی فرائض کیا ہیں؟

باب۔۴۰

طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں ۲

۳۔کلاس میں طلاب کے فرائض اور ذمہ داریاں

۱۔علماء اسلام کی جانب سے طلاب کیلئے سب سے پہلی نصیحت یہ ہے کہ قرائت وحفظ قرآن کی راہ میں سے زیادہ زیادہ سعی وکوشش کریں کیونکہ قرآن مجید تمام اسلامی علوم ومعارف کا سرچشمہ ہے لہٰذا اس سے واقفیت کے بغیر ہر علم ابتر اور ناقص ہے۔دوسرے یہ کہ حفظ وقرائت قرآن مجید ہر اعتبار سے بابرکت ہے اور اس سے انسان کے قلب وروح کے اندر شادابی پیدا ہوجاتی ہے جس سے تعلیم میں آسانیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

۲۔طالب علم اپنی صلاحیتوں کو اچھی طرح پرکھ لے اور اپنے ذہن اور حافظہ پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے البتہ یہ واضح رہے کہ جب انسان تعلیم کی راہ میں آگے قدم اٹھاتا ہے تو اس کے سامنے علم کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور اس کی توانائیوں اور صلاحیتوں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۳۔مطالعہ کرنے یا سبق یاد کرنے کا صحیح طریقہ اپنائے اور کسی چیز کو ذہن اور حافظہ کے سپرد کرنے سے پہلے اس کی صحت یا ضعف کے بارے میں اطمینان پیدا کرلے کیونکہ جو بات ذہن میں غلط طریقہ سے بیٹھ جاتی ہے اس کی اصلاح نہایت دشوار بلکہ بسا اوقات ناممکن ہوجاتی ہے۔

۴۔طالب علم کا ایک نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) ہونا ضروری ہے جس کے مطابق وہ پورے دن پابندی کے ساتھ اپنے تمام تعلیمی امور انجام دے سکے اور وقت کو اس طرح تقسیم کرے کہ اس میں کسی قسم کی افراط یا تفریط نہ ہو اور ایسا بھی نہ ہو

کہ ایک دم کسی کام کے پیچھے پڑ جائے اور دوسرے کام کو بالکل نظر انداز کر دے بلکہ تمام چیزوں کو مناسب مقدار میں انجام دیتا رہے۔

۵۔تعلیم کے لئے صبح سویرے کا وقت منتخب کرے کیونکہ یہی وقت تعلیم کے لئے سب سے بہتر ہوتا ہے جس میں انسان جسمانی اور ذہنی اعتبار سے تر و تازہ اور شاداب رہتا ہے اور اس وقت کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا بھی دلنشین ہوتی ہے۔

۶۔درس کی مکمل تیاری کے ساتھ کلاس میں جائے جسمانی اور ذہنی مختصر ورزش ،جسم اور لباس کی صفائی اور وضو کرنے سے انسان کے اندر تازگی پیدا ہوتی ہے اسی طرح درسی ضروریات کی چیزیں جیسے کتاب ،قلم ،کاپی وغیرہ بھی ساتھ رکھے نیز درس سے پہلے اس درس کا مطالعہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

۷۔درس شروع ہونے کے بعد استاد کے بیانات کو بغور سنے اور ہر مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرے اور اگر کہیں کوئی قابل اعتراض بات نظر آئے تو استاد سے دریافت کر لے اور یہ خیال نہ کرے کہ غور سے سن لینا ہی کافی ہے بلکہ سننے کے ساتھ اس کا خلاصہ لکھنا اور دہراتے رہنا بھی نہایت ضروری ہے۔

۸۔کسی اہم عذر کے بغیر غیر حاضر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بعض علمی مسائل ایسے ہوتے ہیں جو مسلسل کئی دن تک بیان ہوتے ہیں لہٰذا اگر اس دوران کسی ایک دن درس سے غائب ہو جائے تو آئندہ درس سمجھنا بہت مشکل ہے اور اسی طرح وہ پورا موضوع ہی اس کے لئے ناقص رہ جائے گا۔

۹۔درجہ میں داخل ہونے سے پہلے سب کو سلام کرے اور اگر استاد درجہ میں موجود ہو تو اس کے احترام کی بناء پر اسے خاص طور سے الگ سے سلام کرے اور اگر استاد بعد میں کلاس کے اندر آئے تو سب اس کے احترام میں کھڑے ہوں، اسے سلام کریں اور اس کے بیٹھنے کے بعد یا اس کی اجازت سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھیں۔

۱۰۔کلاس میں کسی بہتر جگہ پر نہ بیٹھے مگر یہ کہ وہاں بیٹھنے کیلئے مجبور ہو بلکہ جو جگہ تواضع اور انکساری کے مطابق نیز درس سننے کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہو وہاں بیٹھے اور کلاس کے گوشے یا کونے میں یا ستون کے پیچھے نہ بیٹھے کیونکہ ان امور کی وجہ سے درس اور استاد کی طرف سے بے توجہی پیدا ہوتی ہے۔

۱۱۔آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنا چاہئے لہٰذا جن باتوں سے دوسروں کو پریشانی ہوتی ہے جیسے استاد یا تختہ سیاہ کو دیکھنے میں زحمت ہوتی ہے تو ان سے پرہیز کیا جائے اور اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ جن بچوں کا قد زیادہ ہے وہ کلاس کے پیچھے والی صف میں بیٹھیں تاکہ چھوٹے قد والے بآسانی تختہ سیاہ کو دیکھ سکیں یا اسی طرح جن کی نگاہ کمزور ہے انہیں بھی آگے بیٹھنا چاہئے اور جب کوئی طالب علم سوال کرے تو دوسرے طلاب کو اس کی باری کا خیال رکھنا چاہئے اور کسی کو بھی دوسرے کا وقت نہیں لینا چاہئے۔

۱۲۔ اپنے درمیان ایک دوسرے کے آدب کا خیال رکھنا چاہئے اور کسی کی توہین یا استہزانہ کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے کی بات کاٹنا، ایک دوسرے پر جملے کسنا، کسی کا نیا نام (جس میں اس کی کسرشان ہو) رکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کسی کے بیٹھنے کے لئے جگہ تنگ نہ کریں، درسیات میں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہئے یعنی جو بچے ذہین ہیں وہ کمزور بچوں کی مدد کریں۔

دارالاقامہ (ہوسٹل) میں رہنے کے آداب

اسی سبق کے آغاز میں ہم نے یہ اشارہ کیا تھا کہ جو طالب علم کسی دارالاقامہ (ہوسٹل) میں رہتے ہیں ان کی ذمہ داریاں کچھ اور زیادہ ہیں جن میں سے بعض اہم ذمہ داریوں کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱۔ ہر اسکول یا مدرسہ کسی خاص مقصد کے تحت قائم کیا جاتا ہے اور اسی مقصد کے مطابق اس میں تعلیم دی جاتی ہے چنانچہ بانی اور منتظمین کی نیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں کچھ لوگ واقعاً ایسے دردمند ہوتے ہیں جو اپنے یہاں اچھے اور متدین علماء کی تربیت کرنا چاہتے ہیں جبکہ بعض اسکولوں میں بچوں کو گمراہ اور منحرف کرنے کے لئے اور انہیں غلط راستے پر لگانے کی تعلیم دی جاتی ہے لہٰذا ہر اسکول یا مدرسہ میں داخلہ لینے سے پہلے وہاں کے حالات کا باقاعدہ جائزہ لے لیا جائے تاکہ بعد میں کف افسوس نہ مل سکے۔

دوسرے یہ کہ بعض مخیر حضرات حصول برکت یا ایصال ثواب کے لئے اسکول یا مدرسہ تعمیر کراتے ہیں اور وہ طلاب کی دعائے خیر کے منتظر رہتے ہیں لہٰذا انہیں بھی ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

۲۔ دارالاقامہ کے قواعد وضوابط کی مکمل پابندی کرنا چاہئے اگرچہ یہ قوانین بسا اوقات بعض طلاب کے مزاج اور خواہش کے مطابق نہیں ہوتے لیکن اگر یہی طے ہوجائے کہ ہر طالب علم اپنی من مانی کرے گا اور اپنے کو قوانین کا پابند نہ بنائے گا تو پھر کسی کے لئے بھی وہاں رہنا ممکن نہ رہ جائے گا۔

۳۔ مدرسہ اور دارالاقامہ کی صفائی کا خیال رکھنا اور اس کے قوانین کی پابندی تمام طلاب کا فریضہ ہے لہٰذا اس قسم کے ماحول میں تساہلی یا بے اعتنائی کی بناء پر اپنی بعض ذمہ داریاں کو ادا کرنے سے لاپرواہی نہ کریں اور انہیں ایک دوسرے کے اوپر ٹالنے کی کوشش نہ کریں اسی طرح جو کام سب مل کر انجام دیتے ہیں (جیسے پورے ہوسٹل کی صفائی) ان میں بھی سب کو مشترکہ طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔

۴۔ ہوسٹل کے اندر موجود ہر طالب علم کا ایک حق ہے اس حق کا احترام ضروری ہے اس کی پڑھائی، مطالعہ یا آرام وغیرہ کے دوران کسی کو دخل اندازی کا حق نہیں ہے لہٰذا ہر ایک کو دوسرے کا حق کا خیال رکھنا چاہئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ

،بالکل سگے بھائیوں کی طرح رہنا چاہئے۔

۵۔ ہر طالب علم کو دوسروں کے لئے نمونہ عمل ہونا چاہئے لہٰذا جولڑکے اخلاقی یا تعلیمی لحاظ سے کمزور ہوں یا دوسرے کی پڑھائی وغیرہ میں خلل انداز ہوتے ہوں ان سے حتی الامکان دور رہنا چاہئے نیز ان آداب کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے جن کا تذکرہ ہم ''دوستوں کے انتخاب'' کے تحت پہلے ہی کر چکے ہیں۔

۶۔ ہوسٹل کے طلاب کو آپس میں گھل مل کر رہنا چاہئے اور ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہنا چاہئے اور وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کے کمرے میں جا کر اپنے دوستوں کی مزاج پرسی کرتے رہیں تا کہ اگر کوئی غیر حاضر ہو تو اس کی وجہ معلوم ہو سکے اور اگر اسے کوئی پریشانی یا زحمت میں مبتلا ہے تو بروقت اس کی مدد ہو سکے۔ البتہ یہ دھیان رہے کہ آرام یا پڑھائی کے اوقات میں کسی کے پاس جانے یا وہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے سے پرہیز بھی ضروری ہے۔

۷۔ ممکن ہے ایک ہوسٹل کے اندر مختلف علاقوں، ملکوں، رنگ ونسل یا متعدد مزاج کے افراد رہتے ہوں لہٰذا بہت ممکن ہے کہ ان کے عادات و اطوار تہذیب وتمدن ایک دوسرے سے میل نہ کھاتے ہوں لہٰذا ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے حد سے زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرنا چاہئے اور ایسے مسائل کو سرسری طور سے درگزر کرنا چاہئے کیونکہ عفو وچشم پوشی ہی انسان کی شرافت وبلندی کی دلیل ہے البتہ اگر کوئی شخص کسی گناہ یا غلطی کا مرتکب ہو رہا ہو تو اسے محبت کے ساتھ سمجھا دینا چاہئے۔

۸۔ ہوسٹل سے باہر جانے اور واپس آنے نیز سونے اور جاگنے کے اوقات کی پابندی کے علاوہ یہ خیال بھی رکھنا چاہئے کہ ہوسٹل کے نظام الاوقات میں خلل نہ پڑنے پائے اسی طرح راستوں یا زینہ پر سامان وغیرہ نہ رکھیں جس سے دوسروں کو زحمت کا سامنا کرنا پڑے۔

خلاصہ

ہر طالب علم کو اپنی تعلیم کے دوران ایک منظم پروگرام کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اپنے ٹائم ٹیبل کو اس طرح منظم کرنا چاہئے کہ وہ اپنے وقت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکے۔

کلاس میں ایسی جگہ بیٹھے جس سے استاد کی بے احترامی نہ ہو اور دوسرے طلاب کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

ہوسٹل کے قوانین کی پابندی، صفائی کا خیال رکھنا دوسروں کے حقوق کی رعایت کرنا اور ان کی تعلیم یا آرام میں خلل اندازی نہ کرنا ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر رہنا بھی ہوسٹل کے آداب میں شامل ہیں۔

سوالات

۱۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اسے حفظ کرنے سے طالب علم کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟
۲۔ کلاس اور مطالعہ کے وقت طالب علم کو کن آداب کا خیال رکھنا چاہئے؟
۳۔ درس پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا سب سے اچھا وقت کونسا ہے؟
۴۔ کلاس میں داخل ہوتے وقت طالب علم کے لئے کن آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے؟
۵۔ اپنی تعلیم کے لئے کس اسکول یا مدرسہ کا انتخاب کرنا چاہئے؟

باب۔ ۴۱

شادی

شادی بیاہ کر کے اپنا گھر بسانا ہر قوم اور قبیلے میں زمانۂ قدیم سے ہی رائج ہے اور یہ کسی خاص قوم یا ملک وملت کا شیوہ نہیں ہے بلکہ یہ وہ سنت ہے جو تاریخ بشریت کے قدم بہ قدم آرہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق انسان کی فطرت اور خواہشات سے ہے البتہ اس مقام پر اہم مسئلہ یہ ہے کہ دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان اس کی کیا اہمیت ہے؟ اور وہ اسے کس زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے یہاں اس سلسلہ میں کیا کیا رسم ورواج پائے جاتے ہیں؟

گھر خاندان، شوہر اور بیوی یا والدین اور اولاد کے ایک دوسرے پر حقوق سے متعلق جو نظام اور قانون بنایا گیا ہے اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے آئندہ اسباق میں آپ شادی بیاہ کی اہمیت اور قدر و قیمت نیز زوجہ شوہر کے حقوق وغیرہ کے بارے میں اسلامی نکتۂ نظر سے واقفیت حاصل ہے۔

شادی کی اہمیت:

اسلام میں شادی کو ایک منفرد اہمیت حاصل ہے اور شادی کو انسانی ترقی اور اس کے رشد وکمال کا ایک اہم سبب قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ اسلامی اعتبار سے یہ ایک مستحب موکدہ ہے مگر اس کے بارے میں جو تاکیدات کی گئیں ہیں ان کی بنا پر شادی کے بارے میں واجب کا گمان ہوتا ہے۔ مزید وضاحت کیلئے آپ مندرجہ ذیل آیات اور روایات ملاحظہ فرمائیں:

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ۔ [۱]

---

[۱] سورہ روم: آیت ۲۱

اوراس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تا کہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہواور پھر تمہارے درمیان محبت قرار دی ہے کہ اس میں صاحبان فکر کے لئے بہت ہی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ.[1]

اور اپنے غیر شادی شدہ آزاد افراد اور اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے باصلاحیت افراد کے نکاح کا اہتمام کرو۔

۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

النِّكَاحُ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.[2]

نکاح میری سنت ہے لہٰذا جس نے میری سنت سے روگردانی اختیار کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي وَإِنَّ مِنْ سُنَّتِي النِّكَاحَ فَمَنْ اَحَبَّنِي فَلْيَتَسَنَّنْ بِسُنَّتِي.[3]

میری سنت سے روگردانی اختیار کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے اور میری ایک سنت نکاح بھی ہے لہٰذا جو شخص بھی مجھ سے محبت رکھتا ہے اسے میری سنت اختیار کرنا چاہئے۔

مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعَيْلَةِ فَلَيْسَ مِنَّا.[4]

جو گھر کے اخراجات اور غربت کے خوف سے شادی نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعَيْلَةِ فَقَدْ أَسَاءَ بِاللهِ الظَّنَّ.[5]

جو غربت کے خوف سے شادی نہ کرے وہ خداوند عالم سے بدظن ہے۔

خِيَارُ أُمَّتِي الْمُتَأَهِّلُونَ وَشِرَارُ أُمَّتِي الْعُزَّابُ.[6]

میری امت کے بہترین افراد شادی شدہ حضرات ہیں اور بدترین افراد غیر شادی شدہ۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:

---

[1] سورہ نور: آیات ۳۲

[2] بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۲۲۰

[3] صحیح بخاری

[4] صحیح بخاری

[5] اصول کافی: ج ۵ ص ۳۳۰

[6] بحار الانوار: ج ۱۰۳، المستدرک: ج ۱۴، ص ۱۵۶

شِرَارُكُمْ عُزَّابُكُمْ رَكْعَتَانِ مِنْ مُتَأَهِّلٍ خَيْرٌ مِنْ سَبْعِينَ رَكْعَةً مِنْ غَيْرِ مُتَأَهِّلٍ.[۱]

تمہارے سب سے بدتر لوگ غیر شادی شدہ افراد ہیں اور شادی شدہ کی دو رکعت نماز غیر شادی شدہ کی ۷۰ رکعتوں سے بہتر ہیں۔

شِرَارُ مَوْتَاكُمُ الْعُزَّابُ.[۲]

تمہارے سب سے برے مردے بغیر شادی کئے مرنے والے ہیں۔

الْمُتَزَوِّجُ النَّائِمُ أَفْضَلُ عِنْدَ اللهِ مِنَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْعَزَبِ.[۳]

کوئی شادی شدہ سو رہا ہو تو وہ خداوند عالم کی نظر میں غیر شادی شدہ شب زندہ دار اور روزہ دار سے بہتر ہے۔

مَا بُنِيَ فِي الْإِسْلَامِ بِنَاءٌ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَعَزُّ مِنَ التَّزْوِيجِ.[۴]

اسلام میں ایسی کوئی عمارت تعمیر نہیں کی گئی جو خداوند عالم کی نظر میں شادی سے زیادہ محبوب اور عزیز ہو۔

مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ أَحْرَزَ نِصْفَ دِينِهِ فَلْيَتَّقِ اللهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي.[۵]

جو رشتہ ازدواج سے منسلک ہوجائے اس نے اپنا نصف دین محفوظ کرلیا ہے لہٰذا اپنے بقیہ دین کے بارے میں خداوند عالم سے ڈرتا رہے۔

أَيُّمَا شَابٍّ تَزَوَّجَ فِي حَدَاثَةِ سِنِّهِ إِلَّا عَجَّ شَيْطَانُهُ يَا وَيْلَهُ عَصَمَ مِنِّي دِينَهُ.[۶]

جوان اگر آغاز جوانی میں ہی شادی کرلے تو شیطان چیخ مار کر کہتا ہے کہ ہائے افسوس! اس نے اپنے دین کو مجھ سے محفوظ کرلیا ہے۔

مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ أُعْطِيَ نِصْفَ الْعِبَادَةِ.[۷]

جس نے شادی کرلی ہے اسے آدھی عبادت عطا کردی گئی۔

---

[۱] کنز العمال: حدیث ۴۴۴۴۸

[۲] بحار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۲۲۰

[۳] بحار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۲۲۱، باب ۱

[۴] المستدرک: ج ۱۴، ص ۱۵۲۔

[۵] (بحار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۲۱۹، باب ۱

[۶] کنز العمال: خ ۴۴۴۴۱

[۷] بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۲۲۰، باب ۱

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَلْقَى اللهَ طَاهِراً مُطَهَّراً فَلْيَلْقِهِ بِزَوْجَةٍ.[1]

جوشخص یہ چاہتا ہے کہ خداوندعالم سے پاک و پاکیزہ صورت میں ملاقات کرے تواپنی بیوی کے ساتھ اس سے ملاقات کرے۔

شادی کےفوائد

آیات وروایات کی روشنی میں شادی کی اہمیت جاننے کے بعدہم اب اس کے مفیداثرات اورنتائج بیان کررہے ہیں

علمائے کرام نے آیات وروایات سے استفادہ کرکے اس کے کچھ فوائدذکرکئے ہیں جن کی تفصیل بیان کی جارہی ہے:

ا۔شادی کاسب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ اسی کی وجہ سےنسل انسانی باقی ہےاوربشریت کاسلسلہ جاری وساری ہے کیونکہ خداوندعالم نے ہرمرداورہرعورت کے اندرجنسی خواہش ضروررکھی ہے تاکہ وہ اس کاجائزاستعمال کرکے اپنی نسل کوآگے بڑھاسکیں۔چنانچہ ہرانسان (مردوعورت) کی یہ آرزوضرورہوتی ہے کہ ان کی گودبھی دولت اولادسے آبادرہےجس سے ان کی آنکھوں کوٹھنڈک اوردل کوسکون حاصل ہوسکے۔جیساکہ قرآن مجیدمیں یہ دعاموجودہے:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ.[2]

اوروہ لوگ برابریہ دعاکرتے رہتے ہیں کہ ''خدایاہمیں ہماری ازواج اوراولادکی طرف سےخنکئ چشم عطافرما۔

اسی طرح شادی کے بعدانسان کے اندراولادکی رغبت اوراپنی نسل کی حفاظت کی خواہش اورزیادہ ہوجاتی ہےجیسا کہ قرآن مجیدنے جناب زکریاؑ کی تمناکوان الفاظ میں بیان کیاہے:

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَى.[3]

اورزکریاکویادکروکہ جب انہوں نے اپنے رب کوپکاراکہ پروردگارمجھے اکیلانہ چھوڑدیناکہ توتمام وارثوں سے بہتر وارث ہےتوہم نے ان کی دعاقبول بھی کرلی اورانہیں یحییٰ جیسافرزندعطاکردیا۔

---

[1] بحارالانوار:ج۱۰۰،ص۲۲۱،باب۱

[2] سورہ فرقان:آیت ۷۴

[3] سورہ انبیاء:آیت ۸۹/۹۰

اس تمنا اور آرزو کی تفصیل سورۂ مریم میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا.[1]

کہا کہ پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی آگ سے بھڑک اٹھا ہے اور میں تجھے پکارنے سے کبھی محروم نہیں رہا ہوں اور مجھے اپنے بعد اپنے خاندان والوں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اب مجھے ایک والی اور وارث عطا فرمادے۔

اور پروردگار عالم نے جناب زکریا کو جناب یحیٰی علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی تا کہ ان کی نسل کے ساتھ ساتھ رسالت الٰہیہ کا سلسلہ بھی ہمیشہ باقی رہے۔

۲۔ شادی سے انسان کے اندر حیاء اور عفت اور تقویٰ کا پہلو مستحکم ہوجاتا ہے اور وہ آسانی سے شیطان کے وسوسوں سے نجات پاجاتا ہے، کیونکہ روایات کے مطابق شیطان کے دو اہم راستے ہیں جن سے شیطان ہر انسان کو بہ آسانی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے:

۱۔ غصہ ۲۔ شہوت۔

حضرت علی علیہ السلام نے اسی سلسلہ میں فرمایا ہے:

لَيْسَ لِإِبْلِيسَ وَهَقٌ أَعْظَمُ مِنَ الْغَضَبِ وَ النِّسَاءِ.[2]

شیطان کے پاس غصہ اور عورت سے مضبوط کوئی اور رسی نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَيْسَ لِإِبْلِيسَ جُنْدٌ أَشَدُّ مِنَ النِّسَاءِ وَ الْغَضَب.[3]

ابلیس کے پاس عورت اور غصہ سے زیادہ طاقتور کوئی لشکر نہیں ہے۔

اگر ہم ان دونوں طاقتوں یعنی غصہ اور شہوت کا موازنہ کریں تو وہاں بھی شہوت کی طاقت زیادہ دکھائی دے گی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ شہوت اور جنسی خواہش ہر انسان کے اندر کسی نہ کسی مقدار میں ضرور پائی جاتی ہے اور اس کی تسکین کے ذرائع

[1] سورہ مریم: آیت ۲/ ۵۔
[2] غرار الحکم: ص ۴۰۸
[3] بحار الانوار: ج ۷۵: ص ۲۴۶، باب ۲۳

بھی موجود ہیں۔

لیکن غصہ کا اظہار ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہو پاتا ہے۔ نہ جانے کتنے لوگ ہیں جنہیں کبھی غصہ نہیں آتا مگر ان کے یہاں جنسی شہوت پائی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شہوت ہی شیطان کا سب سے بڑا ہتھکنڈہ ہے جس سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے کسی مرد کو نامحرم عورت کے ساتھ تنہا رہنے سے منع کیا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ان کے ساتھ شیطان شریک ہوجاتا ہے۔

مختصر یہ کہ شادی کے بعد ہر انسان شیطانی خیالات اور وسوسوں سے کسی حد تک محفوظ ہوجاتا ہے کیونکہ جائز طریقہ سے اس کی جنسی خواہشات کی تسکین ہوجاتی ہے اور اس طرح اس پر شیطانی ہتھکنڈے زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوتے جیسا کہ روایات میں ہے کہ

مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ أَحْرَزَ نِصْفَ دِينِه

جس نے شادی کرلی اس نے اپنا آدھا دین محفوظ کرلیا ہے۔

۳۔ زندگی میں سکون واطمینان بھی شادی کا ایک فائدہ ہے۔ کیونکہ انسان تنہا رہ کر ملول اور افسردہ رہتا ہے افسردگی دور کرنے کے لئے کسی ہم نشین اور ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر وقت اس کا غم خوار بن سکے اور شادی کے ذریعہ اس کی یہ ضرورت بآسانی پوری ہوجاتی ہے اور انسانی دردِ تنہائی اور احساس غربت جیسی مشکلات پر قابو پالیتا ہے کیونکہ چاہے مرد ہو یا عورت ان میں سے ہر ایک کو ایسا شریک حیات مل جاتا ہے جو اس کے حزن وملال اور خوشیوں میں شریک ہو کر اس کی زندگی کا بوجھ ہلکا کردیتا ہے اور جیسا کہ ہم نے درس کے شروع میں یہ آیہ کریمہ کا تذکرہ کیا ہے جس میں شادی کو خدا کی نشانی قرار دیا گیا ہے کیونکہ شادی کے ساتھ ساتھ شوہر اور بیوی کے درمیان بے پناہ قربت ومحبت پیدا ہوجاتی ہے۔

۴۔ زندگی کے مختلف مراحل میں ہر انسان کو دوسروں کی امداد کی ضرورت پڑتی ہے جس کا ایک آسان راستہ شادی ہے کیونکہ کوئی بھی انسان تن تنہا ہر مرحلہ حل نہیں کرسکتا ہے لہٰذا شادی کے ذریعہ میاں، بیوی کے درمیان تعاون اور اشتراک کے راستے کھل جاتے ہیں اور ان کے درمیان زندگی کے مختلف امور کی تقسیم ہوجاتی ہے۔ مثلاً مرد صبح سے لیکر شام تک دوڑ دھوپ کرکے اپنے گھر لوٹتا ہے تو گھر کو سرسبز وشاداب لہلہاتے ہوئے سبزے کی طرح پاتا ہے زوجہ گرم جوشی سے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرتی ہے اور اس کے سامنے اس کے من پسند کھانے پیش کرتی ہے اور بستر وغیرہ بچھا کر اس کے آرام کا انتظام کرتی ہے اور ان سب سے آگے بڑھ کر اسے ایک ایسا مونس ویاور مل جاتا ہے جس سے وہ مختلف قسم کی باتیں کرسکتا ہے اپنے رنج وغم کو اس سے بیان کرکے اپنا بوجھ ہلکا کرسکتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ مل کر اپنے خوابوں کی تعبیر کرسکتا ہے۔

آدمی کو اس سے بھی سبق حاصل کرنا چاہئے کہ خدا نے شادی کرنے والوں کو غنی بنانے کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ جانے کتنے فقیر اور پریشان حال لوگ تھے شادی کے بعد جن کے لئے برکتوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

۵۔ انسانی تکامل منزل کمال تک پہنچنے کیلئے شادی ایک اہم زینہ ہے کیونکہ اخلاقی بلندیاں حاصل کرنے کے لئے انسان جو بھی ارادہ کرتا ہے اس میں شادی کے بعد ہی پختگی اور استحکام حاصل ہوتا ہے کیونکہ از دواجی زندگی کے بعد انسان کے اوپر بے شمار ذمہ داریوں کے ساتھ سینکڑوں قسم کی مشکلات بھی سامنے آئی ہیں جس سے اس کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں اور وہ محنت ومشقت اور صبر وتحمل کا عادی بن جاتا ہے جیسا کہ حدیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے:

الْكَادُّ عَلَى عِيَالِهِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ الله.[1]

اپنے اہل وعیال کیلئے محنت ومشقت کرنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہے۔

علماء اخلاق فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم نے نہ مرد کو کامل بنا کر پیدا کیا ہے اور نہ ہی عورت کو! بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا آدھا حصہ ہے جس سے اس کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ تکمیل شادی اور شادی کے بعد کامیاب گھریلو تعلقات اور زندگی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

---

[1] اصول کافی: ج۵۔

خلاصہ

اسلام نے شادی خانہ آبادی کو ایک فطری راستہ قرار دیا ہے جو سکون واطمینان، انس ومحبت اور طہارت نفس کا ذریعہ بھی ہے جس کی ضرورت کا احساس ہر مرد اور ہر عورت کے اندر ضرور پایا جاتا ہے۔ شادی کر لینے سے انسان کا آدھا دین محفوظ ہو جاتا ہے۔

سوالات

۱۔ قرآن کریم نے شادی کو خداوند عالم کی نشانی کیوں قرار دیا ہے؟

۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر شادی شدہ لوگوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۳۔ مختصر طور پر شادی کے فوائد بیان کیجئے؟

۴۔ شیطان کا کونسا ہتھکنڈا سب سے زیادہ خطرناک ہے؟ حضرت علی علیہ السلام کی حدیث کی روشنی میں بیان کیجئے؟

۵۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث بیان فرمائیے جس میں اہل وعیال کیلئے محنت کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہو؟

باب۔ ۴۲

شوہر اور زوجہ کے حقوق

زوجہ اور شوہر پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق واجب ہیں جنہیں جاننے کے بعد ان کی ادائیگی دونوں پر ضروری ہے جس کے بعد ان کی زندگی سکون و اطمینان، اپنائیت اور انس و محبت کے ساتھ بسر ہو سکتی ہے۔

بیوی کے اوپر شوہر کے حقوق

ا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک عورت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپ سے یہ سوال کیا کہ عورت کے اوپر اس کے شوہر کے کیا حقوق ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَنْ تُطِيعَهُ وَلَا تَعْصِيَهُ وَلَا تَصَدَّقَ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَصُومَ تَطَوُّعاً إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَمْنَعَهُ نَفْسَهَا وَإِنْ كَانَتْ عَلَى ظَهْرِ قَتَبٍ وَلَا تَخْرُجَ مِنْ بَيْتِهَا. [1]

اس کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز باہر نہ بھیجے (صدقہ نہ دے) اس کی اجازت کے بغیر مستحبی روزہ نہ رکھے اور اسے اپنے سے دور نہ کرے چاہے وہ اونٹ کی پیٹھ پر ہی کیوں نہ سوار ہو اور بغیر اجازت گھر سے باہر نہ نکلے۔

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مرد کے اوپر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟

فرمایا: ”والدہ“، اس کے والدین کا حق۔

پھر سوال کیا: اور عورت کی گردن پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟

---

[1] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۴۔

آپؑ نے فرمایا: ''زوجھا''اس کے شوہر کا حق ہے۔

۲۔ بیوی کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ بالکل گھل مل جائے اور دو باتوں میں اس کا بالکل ساتھ نبھائے:

الف: اخلاقیات کے اعتبار سے: اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر شوہر اور بیوی کی تربیت دو مختلف ماحولوں میں ہوئی ہو اور ان کے اخلاقیات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوں اور دونوں اپنے پرانے کردار پر باقی رہیں تو ان کے درمیان کسی قسم کا سمجھوتا ناممکن ہے۔

لہٰذا عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے کو شوہر کے عادات و اطوار کے مطابق ڈھال دے اور اس کی بری عادتوں اور بد اخلاقیوں پر صبر کرے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ صَبَرَتْ عَلَى سُوءِ خُلُقِ زَوْجِهَا أَعْطَاهَا اللهُ مِثْلَ ثَوَابِ آسِيَةَ بِنْتِ مُزَاحِمٍ. [۱]

جو عورت اپنے شوہر کی بد اخلاقیوں پر صبر کرے گی تو خداوند عالم اسے آسیہ بنت مزاحم کے برابر ثواب عطا کرے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ كَتَبَ عَلَى الرِّجَالِ الْجِهَادَ وَ عَلَى النِّسَاءِ الْجِهَادَ فَجِهَادُ الرَّجُلِ أَنْ يَبْذُلَ مَالَهُ وَ دَمَهُ حَتَّى يُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ جِهَادُ الْمَرْأَةِ أَنْ تَصْبِرَ عَلَى مَا تَرَى مِنْ أَذَى زَوْجِهَا وَ غَيْرَتِه. [۲]

پروردگار عالم نے مردوں کے اوپر بھی جہاد واجب کیا ہے اور عورتوں پر بھی جہاد لکھ دیا ہے، چنانچہ مرد کا جہاد یہ ہے کہ راہ خدا میں اپنے مال اور خون کی اس طرح بازی لگا دے کہ اسی راہ میں قتل ہو جائے اور عورت کا جہاد یہ ہے کہ شوہر کی وجہ سے اسے جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کے اوپر صبر کرے۔

آپؑ ہی سے یہ بھی روایت ہے:

جِهَادُ الْمَرْأَةِ حُسْنُ التَّبَعُّلِ. [۳]

عورت کا جہاد اچھی شوہر داری کرنا ہے۔

ب: شوہر کا ہاتھ بٹانا اور ہر مشکل مرحلے میں اس کا ساتھ دینا نہ یہ کہ وہ اس کے لئے دردسر بن جائے اور ہر ہر قدم پر

---

[۱] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۳

[۲] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۵

[۳] (۱/۲/۳) مکارم الاخلاق: ص ۲۱۵

اس کے مسائل میں مزید اضافہ کردے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ لَمْ تَرْفُقْ بِزَوْجِهَا وَ حَمَلَتْهُ عَلَى مَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ وَ مَا لَا يُطِيقُ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ مِنْهَا حَسَنَةً وَ تَلْقَى اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ هُوَ عَلَيْهَا غَضْبَان.[۱]

جو عورت بھی اپنے شوہر کے ساتھ نرم رویہ نہ رکھے اور اس سے ایسے مطالبات کرے جو اس کی قدرت و طاقت سے باہر ہوں تو اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی اور جب وہ خدا کی بارگاہ میں پہنچے گی تو وہ اس سے ناراض رہے گا۔

آنحضرتؐ ہی سے یہ بھی مروی ہے:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ آذَتْ زَوْجَهَا بِلِسَانِهَا لَمْ يَقْبَلِ اللهُ مِنْهَا صَرْفاً وَ لَا عَدْلًا وَ لَا حَسَنَةً مِنْ عَمَلِهَا حَتَّى تُرْضِيَهُ وَ إِنْ صَامَتْ نَهَارَهَا وَ قَامَتْ لَيْلَهَا وَ أَعْتَقَتِ الرِّقَابَ وَ حَمَلَتْ عَلَى جِيَادِ الْخَيْلِ فِي سَبِيلِ اللهِ فَكَانَتْ أَوَّلَ مَنْ يَرِدُ النَّارَ.[۲]

جو عورت بھی اپنی زبان سے اپنے شوہر کو ستائے خداوند عالم اس کا کوئی کار خیر قبول نہیں کرے گا جب تک وہ اپنے شوہر کو راضی نہ کرلے۔ چاہے وہ مسلسل دنوں میں روزے رکھے اور راتوں کو نمازیں پڑھتی رہے غلاموں کو آزاد کرتی رہے اور راہ خدا میں جہاد کے لئے لشکر پہ لشکر بھیجتی رہے تب بھی سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوگی۔

۳۔ زوجہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شوہر کے لئے زینت و آرائش کرے اور عطر لگائے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.[۳]

اور اپنی زینت کو اپنے شوہر، باپ، دادا، شوہر کے باپ دادا، اپنی اولاد اور اپنے شوہر کی اولاد اپنے بھائی اور بھائیوں کی اولاد اور بہنوں کی اولاد اور اپنی عورتوں اور اپنے غلام اور کنیزوں اور ایسے تابع افراد جن میں عورت کی طرف سے کوئی خواہش نہیں رہ گئی ہے اور وہ بچّے جو عورتوں کے پردہ کی بات سے کوئی سروکار نہیں رکھتے ہیں ان سب کے علاوہ کسی پر

[۱] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۵

[۲] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۵

[۳] سورہ نور: آیت ۳۱

ظاہر نہ کریں اور خبردار اپنے پاؤں پٹک کر نہ چلیں کہ جس زینت کو چھپائے ہوئے ہیں اس کا اظہار ہو جائے اور صاحبانِ ایمان تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہو کہ شاید اسی طرح تمہیں فلاح اور نجات حاصل ہو جائے۔

آیۂ کریمہ میں نامحرموں کے سامنے زینت کے اظہار سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے اور آیت میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے ان کے سامنے اگرچہ زینت کا اظہار جائز ہے مگر شوہر کے لئے زینت کرنا واجب ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِغَيْرِ زَوْجِهَا لَمْ تُقْبَلْ مِنْهَا صَلَاةٌ حَتَّى تَغْتَسِلَ مِنْ طِيبِهَا كَغُسْلِهَا مِنْ جَنَابَتِهَا.[۱]

جو عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے خوشبو استعمال کرے اس کی نماز اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک وہ غسل کر کے اس خوشبو کو اسی طرح نہ دھوڈالے جس طرح وہ غسل جنابت کرتی ہے۔

۴۔ زوجہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے جیسا کہ حدیث نبوی میں آیا ہے

أَيُّمَا امْرَأَةٍ خَرَجَتْ مِنْ بَيْتِهَا بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتَّى تَرْجِعَ.[۲]

جو عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جائے تو جب تک وہ گھر میں واپس نہ آجائے نفقہ کی حقدار نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

أَيُّمَا امْرَأَةٍ وَضَعَتْ ثَوْبَهَا فِي غَيْرِ مَنْزِلِ زَوْجِهَا وَبِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ تَزَلْ فِي لَعْنَةِ اللهِ إِلَى أَنْ تَرْجِعَ إِلَى بَيْتِهَا.[۳]

جو عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر کے علاوہ کسی دوسرے کے گھر میں اپنے کپڑے (مقنع برقع) اتارے تو جب تک وہ شوہر کے گھر واپس نہ آجائے مسلسل لعنت الٰہی میں گرفتار رہے گی۔

شوہر کی گردن پر زوجہ حقوق:

اسلام نے مرد کے اوپر بھی زوجہ کے کچھ حقوق واجب قرار دیئے ہیں جن میں سے کچھ مادی حقوق ہیں اور کچھ روحانی اور اخلاقی۔

---

[۱] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۵

[۲] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۵

[۳] مکارم الاخلاق: ۲۱۵

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَوْصَانِي جِبْرِيلُ علیہ السلام بِالْمَرْأَةِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي طَلَاقُهَا إِلَّا مِنْ فَاحِشَةٍ بَيِّنَة.[1]

مجھے جبرئیل نے عورتوں کے بارے میں اتنی تاکید کی تھی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ جب تک وہ کھلے عام بدکاری نہ کرنے لگیں انہیں طلاق نہیں دی جاسکتی ہے۔

مرد پر مندرجہ ذیل امور لازم ہیں:

۱۔عورت کا نفقہ: یعنی زندگی کے تمام اخراجات ادا کرنا ضروری ہیں اسی سلسلہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے:

يُشْبِعُ بَطْنَهَا وَيَكْسُو جُثَّتَهَا وَإِنْ جَهِلَتْ غَفَرَ لَهَا.[2]

اسے شکم سیر کرے اس کے لئے لباس مہیا کرے اور اگر اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اسے معاف کردے۔

۲۔حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

وأَمَّا حَقُّ الزَّوجَةِ: فأَنْ تعلَمَ أَنَّ اللهَ عز و جل جَعَلَها لَكَ سَكَناً وأُنساً، فَتعلَمُ أَنَّ ذلِكَ نِعمَةٌ مِنَ اللهِ عَلَيكَ، فَتُكرِمُها وَتَرفَقُ بِها، وإِنْ كانَ حَقُّكَ عَلَيها أوجَبَ، فَإِنَّ لَها عَلَيكَ أَنْ ترحَمَها، لأَنَّها أسيرُكَ، وَتُطعِمَها وَتكسوها، وإذا جَهِلَت عَفوتَ عَنها.[3]

تمہاری زوجہ کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ تمہیں یہ احساس رہے کہ خداوند عالم نے اس کو تمہارے لئے وجہ سکون اور انس کا ذریعہ قرار دیا ہے لہٰذا یہ دھیان رہے کہ وہ تمہارے پاس خداوند عالم کی ایک نعمت ہے چنانچہ اس کا احترام کرو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اگر چہ تمہارا حق اس کی گردن پر واجب تر ہے لیکن تمہارے اوپر بھی اس کا حق ہے کہ اس کے ساتھ مہر ومحبت سے پیش آؤ کیونکہ وہ تمہاری اسیر ہے اور اس کے لئے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرو اور اگر نادانستہ اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اسے معاف کردینا۔

۳۔ ہمیشہ مہر ومحبت اور شفقت کے ساتھ پیش آئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

قَوْلُ الرَّجُلِ لِلْمَرْأَةِ: إِنِّي أُحِبُّكِ، لَا يَذْهَبُ مِنْ قَلْبِهَا أَبَداً.[4]

---

[1] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۶

[2] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۶

[3] بحار الانوار: ج ۷۱ باب ا ص ۴

[4] وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۲۳، باب ۳

شوہر کا اپنی زوجہ سے صرف یہ کہنا کہ مجھے تم سے محبت ہے کبھی بھی اس کے دل سے نہیں مٹ سکتا ہے۔

اسی طرح آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے:

مَنْ صَبَرَ عَلَى سُوءِ خُلُقِ امْرَأَتِهِ أَعْطَاهُ اللهُ مِنَ الْأَجْرِ مَا أَعْطَى أَيُّوبَ ع عَلَى بَلَائِهِ.[1]

جو شخص بیوی کی بداخلاقی پر صبر کرے خداوند عالم اس کو اتنا ہی اجر عطا کرے گا جتنا جناب ایوبؑ کے امتحان پر ان کو عطا فرمایا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

إِنَّ الْمَرْءَ يَحْتَاجُ فِي مَنْزِلِهِ وَ عِيَالِهِ إِلَى ثَلَاثِ خِلَالٍ يَتَكَلَّفُهَا وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي طَبْعِهِ ذَلِكَ مُعَاشَرَةٌ جَمِيلَةٌ وَ سَعَةٌ بِتَقْدِيرٍ وَ غَيْرَةٌ بِتَحَصُّنٍ.[2]

ہر انسان کو اپنے گھر اور اہل خاندان کے درمیان تین خصلتوں کی ضرورت ہوتی ہے چاہے وہ اس کے مزاج کے مطابق نہ ہوں نیک اور حسین ہم نشین، بقدر ضرورت آسائش زندگی اور غیرت کے ساتھ عفت۔

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

لَا غِنَى بِالزَّوْجِ عَنْ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ فِيمَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ زَوْجَتِهِ وَ هِيَ الْمُوَافَقَةُ لِيَجْتَلِبَ بِهَا مُوَافَقَتَهَا وَ مَحَبَّتَهَا وَ هَوَاهَا وَ حُسْنُ خُلُقِهِ مَعَهَا وَ اسْتِعْمَالُهُ اسْتِمَالَةَ قَلْبِهَا بِالْهَيْئَةِ الْحَسَنَةِ فِي عَيْنِهَا وَ تَوْسِعَتُهُ عَلَيْهَا.[3]

ہر شوہر کے اپنی زوجہ کے ساتھ حسن معاشرت کے لئے تین چیزیں درکار ہوتی ہیں:

۱۔ اس کی موافقت تا کہ اس طرح سے اس کی محبت اور آرزوؤں کو اپنی طرف موڑ سکے،

۲۔ دوسرے حسن اخلاق اور زوجہ کے سامنے اچھے شکل وصورت اور انداز سے پیش آنا،

۳۔ زندگی میں سہولت وآسانیاں فراہم کرنا،

۴۔ زوجہ پر ظلم وتشدد اور سختی سے پرہیز کرے۔

جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

خَيْرُ الرِّجَالِ مِنْ أُمَّتِي الَّذِينَ لَا يَتَطَاوَلُونَ عَلَى أَهْلِيهِمْ وَ يَحِنُّونَ عَلَيْهِمْ وَ لَا يَظْلِمُونَهُمْ ثُمَّ

---

[1] مکارم الاخلاق: ۲۱۳

[2] بحار الانوار: ج ۷۵ ص ۲۳۵ باب ۲۳

[3] تحف العقول: ص ۳۲۲

قَرَءَ: الرِّجالُ قَوّامُونَ عَلَى النِّساءِ بِما فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلى بَعْض

میری امت کے سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے گھر والوں پر سختی نہیں کرتے ہیں اور لطف و محبت سے پیش آتے ہیں اور نہ ان پر ظلم کرتے ہیں پھر آپ نے اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

الرِّجالُ قَوّامُونَ عَلَى النِّساءِ بِما فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلى بَعْض.[۱]

مرد عورتوں کے حاکم اور نگراں ہیں ان فضیلتوں کی بنا پر جو خدا نے بعض کو بعض پر دی ہے۔

اسی طرح حدیث نبویؐ میں ہے کہ اگر شوہر اپنی زوجہ کے اوپر ظلم کرے گا تو اس کا کوئی کار خیر قبول نہ ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ الرَّجُلُ إِذَا كَانَ لَهَا ظَالِمًا.[۲]

اور یہی حال مرد کا بھی ہے (اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا) جبکہ وہ زوجہ پر ظلم کرے۔

---

[۱] مکارم الاخلاق: ص ۲۱۷

[۲] من لایحضرہ لافقیہ: ص ۱۵

خلاصہ

اسلامی حقوق کے نظام میں شوہراور زوجہ کے حقوق بھی ایک دوسرے پر بالکل واضح اور معین ہیں۔

زوجہ شوہران حقوق کی رعایت کریں اوراپنے کاموں کوتقسیم کرلیں تو بآسانی پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں اوراس ثواب واجر کے بھی مستحق ہوسکتے ہیں جس کی طرف قرآن کریم یاروایات معصومینؑ میں ارشاد کیا گیا ہے۔

سوالات

۱۔عورت کے ذمہ شوہر کے کیا حقوق ہیں؟

۲۔پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں کن عورتوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے؟

۳۔روایات کی روشنی میں عورت کا جہاد کیا ہے؟

۴۔پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کن لوگوں کواپنی امت کا سب سے بہترین آدمی قرار دیا ہے؟

باب۔۴۳

محنت ومشقت کی قدر و قیمت

شریعت اسلامیہ میں کام کاج کے بھی کچھ آداب معین ہیں لیکن ان آداب کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو سے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے کہ اسلام کی نگاہ میں کام کی کوئی قدر و قیمت ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواب مثبت ہے تو پھر اس کے حدود کیا ہیں؟ اس سبق میں اسی سوال کا جواب پیش کیا جائے گا اور اس کے بعد آئندہ سبق میں کام کے آداب تفصیل کے ساتھ بیان کئے جائیں گے۔

محنت ومشقت سے متعلق ہمیں دو قسم کی آیات وروایات نظر آتی ہیں:

بعض آیات وروایات کے مطابق کسب معاش اور رزق حلال کیلئے جدو جہد لائق تحسین ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا.[۱]

اوردن کووقت معاش قرار دیا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ.[۲]

اورتمہارے لئے اس میں سامان زندگی قرار دیئے ہیں مگر تم بہت کم شکرادا کرتے ہو۔

مذکورہ دونوں آیات کریمہ میں پروردگار عالم نے بندوں پر اپنے اس احسان اور کرم کا تذکرہ کیا ہے کہ اس نے ہمارے لئے کام کاج اور طلب معاش کی خاطر دونوں کوروشن بنایا اور اس کے علاوہ ہمیں زمین کا مالک ومختار بھی بنادیا ہے تاکہ

---

[۱] سورہ نباء آیت ۱۱

[۲] سورہ اعراف: آیت ۱۰

بآسانی اپنے لئے رزق فراہم کرسکیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مِنَ الذُّنُوبِ ذُنُوبٌ لایُکَفِّرُهَا إِلَّا الْهَمَ فِي طَلَبِ الْمَعِيشَةِ [1]

کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ، کام کاج کی زحمت اور پریشانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں بن سکتی ہے۔

آپ ہی کا ارشاد ہے:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الصِّدِّيقِينَ وَ الشُّهَداء. [2]

سچا تاجر روز قیامت صدیقین اور شہداء کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔

آپ ہی کا ارشاد ہے۔

مَنْ طَلَبَ حَلاَلاً اسْتِعْفَافاً عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَ سَعْياً عَلَى عِيَالِهِ وَ تَعَطُّفاً عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللهَ وَ وَجْهُهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ. [3]

جو شخص کسی کے سامنے دست سوال پھیلانے سے پرہیز، اہل وعیال کے راحت وآرام اور اپنے پڑوسیوں پر رحم و کرم کے لئے حلال روزی کمائے تو پروردگار عالم سے اس عالم میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا ہوگا۔

اسی بارے میں آپ نے یہ فرمایا ہے:

اَلْأَسْوَاقُ مَوَائِدُ اللهِ تَعَالَى فَمَنْ أَتَاهَا أَصَابَ مِنْهَا. [4]

بازار خداوند عالم کے (نعمتوں سے بھرے) دسترخوان ہیں لہٰذا جو وہاں جائے گا وہ ان سے مستفید ہوگا۔

روایت میں ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ایک مقام سے گذرے تو دیکھا کہ ایک تندرست وتوانا جوان بڑی جفاکشی کے ساتھ کام میں مشغول ہے تو اصحاب نے کہا

افسوس کاش یہ اپنی طاقت کو راہ خدا میں استعمال کرتا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

لَاتَقُولُوا هٰذَا فَإِنَّهُ كَانَ يَسْعٰى عَلَى نَفْسِهِ لِيَكُفَّهَا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَ يُغْنِيَهَا عَنِ النَّاسِ فَهُوَ فِي

---

[1] احیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب معاش

[2] سنن ترمذی: ج ۵

[3] اصول کافی: ج ۵ 'مستدرک: ج ۱۳ ص ۵۵

[4] حیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب ومعاش

سَبِيْلِ اللهِ وَ اِنْ كَانَ يَسْعٰى عَلٰى اَبَوَيْنِ ضِعْفَيْنِ اَوْ ذُرِّيَةٍ ضِعَافٍ لِيُغْنِيْهِمْ وَ يُكْفِيْهِمْ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَاِنْ كَانَ يَسْعٰى تَفَاخُرًا وَ تَكَاثُرًا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ الشَّيْطَانِ.[۱]

ایسا مت کہو! کیونکہ اگر وہ اس لئے کام کر رہا ہے تا کہ اسے کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے اور لوگوں سے بے نیاز رہے تو یہ راہ خدا میں سعی کر رہا ہے اور اگر وہ اپنے ناتواں بوڑھے ماں باپ اور معصوم بچوں کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے یہ کام کر رہا ہے تو یہ بھی راہ خدا کے لئے ہے ہاں لیکن اگر یہ فخر و مباہات اور مالدار ہونے کی نیت رکھتا ہے تو پھر یہ شیطان کے راستہ پر چل رہا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ ارشاد فرمایا:

أَلَا إِنَّ الرُّوحَ الْأَمِينَ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّهُ لَا تَمُوتُ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ أَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ وَ لَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ شَيْءٍ مِنَ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِشَيْءٍ مِنْ مَعْصِيَةِ اللهِ فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى قَسَمَ الْأَرْزَاقَ بَيْنَ خَلْقِهِ حَلَالًا وَ لَمْ يَقْسِمْهَا حَرَاماً فَمَنِ اتَّقَى اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ صَبَرَ أَتَاهُ اللهُ بِرِزْقِهِ مِنْ حِلِّهِ وَ مَنْ هَتَكَ حِجَابَ السِّتْرِ وَ عَجَّلَ فَأَخَذَهُ مِنْ غَيْرِ حِلِّهِ قُصَّ بِهِ مِنْ رِزْقِهِ الْحَلَالِ وَ حُوسِبَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[۲]

یاد رکھنا کہ جبرئیل امین نے مجھے یہ الہام کیا ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک موت نہ آئیگی جب تک اس کا رزق مکمل نہ ہو جائے۔ لہٰذا تقویٰ اختیار کرو اور روزی کی تلاش کے معاملہ میں اعتدال سے کام لو اور کسی مقام پر بھی روزی پہنچنے میں دیر کا یہ انجام نہ ہونے پائے کہ تم خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہو جاؤ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے درمیان رزق کو حلال طریقوں سے تقسیم فرمایا ہے نہ کہ حرام راستوں سے لہٰذا جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اور صبر سے کام لے گا خداوند عالم اسے حلال روزی عطا کرے گا اور جو شخص پردوں کو چاک کرکے، اور جلد بازی سے کام لیکر حرام ذرائع میں پڑ جائے تو خداوند عالم اسی مقدار میں اس کا حلال رزق کم کر دے گا اور روز قیامت اس سے حساب بھی لے گا۔

محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ ایک روز میں مدینہ کے اطراف میں نکلا، دوپہر کا وقت تھا اور گرمی بہت زیادہ تھی میں نے دیکھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام اپنے کھیت میں کام کر رہے ہیں میں نے دل میں سوچا آج ان کو اچھی طرح نصیحت کروں گا لہٰذا ان کے پاس گیا اور کہا کہ خدا آپ کا بھلا کرے قریش کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ (اور سن رسیدہ) شخص اس برستی ہوئی آگ میں بھی فکر دنیا میں پڑا ہوا ہے؟ کیا آپ کو خوف خدا نہیں ہے کہ اگر اسی حالت میں آپ کو موت آجائے تو کیا ہوگا؟

---

[۱] حیاء علوم الدین: کتاب آداب کسب ومعاش

[۲] اصول کافی: ج ۵ ص ۸۰

امام علیہ السلام نے اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے فرمایا:

لَوْ جَاءَنِي وَ اللهِ الْمَوْتُ وَ أَنَا فِي هَذِهِ الْحَالِ جَاءَنِي وَ أَنَا فِي طَاعَةٍ مِنْ طَاعَاتِ اللهِ تَعَالَى أَكُفُّ بِهَا نَفْسِي عَنْكَ وَ عَنِ النَّاسِ وَ إِنَّمَا كُنْتُ أَخَافُ الْمَوْتَ لَوْ جَاءَنِي وَ أَنَا عَلَى مَعْصِيَةٍ مِنْ مَعَاصِي اللهِ.[۱]

خدا کی قسم! اگر مجھے اس وقت موت آجائے تو مجھے اطاعت خدا کے دوران موت آئے گی کیونکہ اس کام کے ذریعہ میں تم سے اور دوسرے تمام لوگوں سے خود کو بے نیاز کر رہا ہوں بلکہ مجھے تو موت کا خوف تب ہوگا کہ جب گناہ کے عالم میں مجھے موت آئے۔

تو ابن منکدر نے سر ہلا کر کہا: خدا آپ پر رحمت نازل کرے اے ابو جعفر (علیہ السلام) میں نے سوچا تھا کہ میں آپ کو نصیحت کروں آپ نے مجھے ہی نصیحت فرما دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

إِذَا كَانَ الرَّجُلُ مُعْسِراً فَعَمِلَ بِقَدْرِ مَا يَقُوتُ نَفْسَهُ وَ أَهْلَهُ لَا يَطْلُبُ حَرَاماً فَهُوَ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ.[۲]

اگر کوئی شخص تنگدستی میں مبتلا ہو اور وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ضروریات پورا کرنے کیلئے کوئی کام کاج کرے اور حرام راستوں سے نہ کمائے تو وہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہے۔

اسی طرح آپؑ نے فرمایا ہے:

الْكَادُّ عَلَى عِيَالِهِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ.[۳]

اپنے گھر والوں کے لئے محنت ومشقت کرنے والا، مجاہد راہ خدا کی مانند ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَلْعُونٌ مَنْ أَلْقَى كَلَّهُ عَلَى النَّاسِ.[۴]

وہ شخص ملعون ہے جو اپنا بوجھ دوسروں کے اوپر ڈال دے۔

ان آیات وروایات کے برخلاف بعض دیگر روایات میں کسب معاش کے لئے جدوجہد کو غیر مستحسن قرار دیا گیا

---

[۱] بحار الانوار (ط-بیروت)، ج۴۶،ص:۲۸۷

[۲] الوافي، ج۱۷،ص:۹۷

[۳] اصول کافی: ج۵ ص۸۸

[۴] اصول کافی: ج:۵: ص۷۲

ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَا أُوحِيَ إِلَيَّ أَنِ اجْمَعِ الْمَالَ وَ كُنْ مِنَ التَّاجِرِينَ وَلَكِنْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ.[1]

مجھ پر یہ وحی نہیں کی گئی ہے کہ مال و دولت جمع کروں اور تاجر بن جاؤں بلکہ مجھ پر تو یہ وحی ہوئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح کرو اور سجدہ گزاروں میں رہنا اور جب تک منزل یقین تک نہ پہنچ جانا اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہنا۔

اس بارے میں آپؐ کے یہ ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

أَكْثِرُوا الِاسْتِغْفَارَ فَإِنَّهُ يَجْلِبُ الرِّزْقَ.[2]

زیادہ سے زیادہ استغفار کرو کیونکہ اس سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ أَوْحَى إِلَى دَاوُدَ مَنِ انْقَطَعَ إِلَيَّ كَفَيْتُهُ.[3]

خداوند عالم نے جناب داؤد کی طرف یہ وحی فرمائی کہ جو ہر ایک سے الگ ہو کر میرا ہو جائے گا میں اسے بے نیاز کر دوں گا۔

إِنَّ اللهَ يُعْطِي الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ وَلَا يُعْطِي الْآخِرَةَ بِعَمَلِ الدُّنْيَا.[4]

اگر آخرت کے لئے عمل کیا جائے تو خداوند عالم اس کے بدلے دنیا دیتا ہے مگر دنیاوی عمل کے بدلے آخرت نہیں دیتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

الرِّزْقُ رِزْقَانِ طَالِبٌ وَ مَطْلُوبٌ فَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا طَلَبَهُ الْمَوْتُ حَتَّى يُخْرِجَ عَنْهَا وَ مَنْ طَلَبَ الْآخِرَةَ طَلَبَتْهُ الدُّنْيَا حَتَّى يَسْتَوْفِيَ رِزْقَهُ مِنْهَا.[5]

رزق کی دو قسمیں ہیں ایک تلاش کرنے والا اور دوسرا جسے تلاش کیا جائے لہٰذا جو شخص دنیا کا طالب ہے موت اس کی

---

[1] بحار الانوار: ج ۶۹ ص ۷۴ باب ۹۴
[2] بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۲۱ باب ۲
[3] بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۲۲ باب ۲
[4] بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۲۵ باب ۲۔
[5] بحار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۳۸ باب ۲۔

طالب ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے باہر نکل جائے اور جو شخص آخرت کا خواہشمند ہے اسے دنیا روکے رکھے گی یہاں تک کہ وہ اپنا پورا رزق حاصل کر لے۔

ان روایات سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ جب استغفار اور توبہ سے روزی میں اضافہ ہوتا ہے تو پھر کام کاج اور محنت و مشقت کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا کاروبار دنیا اور تجارت کو خیر باد کہہ کر صرف دعا اور عبادت میں ہی مشغول رہنا چاہئے یا جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے:

إِنَّ اللهَ يُعْطِي الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ

خداوند عالم آخرت کے عمل کے بدلے دنیا عطا کر دیتا ہے تو پھر ہم عبادت ہی کیوں نہ کرتے رہیں؟ رزق کی ذمہ داری تو خداوند عالم نے لے ہی رکھی ہے۔

جبکہ ہم اگر گزشتہ آیات و روایات کو دیکھتے ہیں تو ان سے یہ بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اسلام نے اپنے اور گھر والوں کے اخراجات کے لئے کام کاج اور محنت و مشقت کرنے کی بے حد ستائش کی ہے البتہ اگر کوئی شخص قضاوت یا اسی جیسا کوئی کام کرے تو وہ اپنے اخراجات بیت المال سے لے سکتا ہے مگر اس کے باوجود بھی بہتر یہی ہے کہ وہاں بھی اپنے ذاتی کاروبار سے استفادہ کرے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مولائے کائنات ؑ سے نقل فرمایا ہے۔

أَوْحَى اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَى دَاوُدَ ع أَنَّكَ نِعْمَ الْعَبْدُ لَوْ لَا أَنَّكَ تَأْكُلُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَ لَا تَعْمَلُ بِيَدِكَ شَيْئاً قَالَ فَبَكَى دَاوُدُ ع أَرْبَعِينَ صَبَاحاً فَأَوْحَى اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَى الْحَدِيدِ أَنْ لِنْ لِعَبْدِي دَاوُدَ فَأَلَانَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ الْحَدِيدَ فَكَانَ يَعْمَلُ كُلَّ يَوْمٍ دِرْعاً فَيَبِيعُهَا بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَعَمِلَ ثَلَاثَمِائَةٍ وَ سِتِّينَ دِرْعاً فَبَاعَهَا بِثَلَاثِمِائَةٍ وَ سِتِّينَ أَلْفاً وَ اسْتَغْنَى عَنْ بَيْتِ الْمَالِ.[1]

خداوند عالم نے جناب داؤد ؑ کو یہ وحی فرمائی کہ تم میرے سب سے اچھے بندے ہو مگر یہ کہ تم بیت المال سے اپنا خرچ چلاتے ہو اور اپنے ہاتھوں کی کمائی نہیں کھاتے ہو جناب داؤد چالیس دن تک روتے رہے تو خداوند عالم نے لوہے کی طرف یہ وحی فرمائی کہ میرے بندے کے لئے نرم ہوجا، چنانچہ جب خداوند عالم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تو وہ روزانہ اس سے ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اسے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیتے تھے چنانچہ انہوں نے ۳۶۰ زرہیں بنائیں اور انہیں تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم میں فروخت کیا اور بیت المال سے بے نیاز ہو گئے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین ؑ اپنی دینی اور سماجی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ

---

[1] اصول کافی: ج ۵ ص ۷۴۔

باغات اور کھیتوں میں کام بھی کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کام کاج اور محنت ومشقت کرنا کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اسلام کی نظر میں یہ بات قابل مذمت ہے کہ:

۱۔انسان مال ودولت کا حد سے زیادہ دلدادہ ہوجائے اور حد اعتدال کو خیر باد کہہ دے،اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ''مال ودولت طلب کرنے میں اعتدال کا خیال رکھو'' آپ نے اس بارے میں مزید یہ بھی فرمایا ہے:

إِنَّ أَفْضَلَ النَّاسِ عَبْدٌ أَخَذَ فِي الدُّنْيَا الْكَفَافَ.[1]

سب سے بہترین انسان وہ ہے جو دنیا سے صرف بقدر ضرورت مال لے۔

۲۔مال ودولت اور ذخیرہ اندوزی کا اتنا دلدادہ نہ ہوجائے کہ اس کی تمام فکر اسی طرف رہے اور آخرت کا خیال بھی نہ پیدا ہو جیسا کہ قرآن مجید بندگان خدا کی یہ صفت بیان کرتا ہے

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ.[2]

وہ مرد جنہیں کاروبار، یادیگر خرید وفروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کرسکتی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا:

كَانُوا أَصْحَابَ تِجَارَةٍ فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ تَرَكُوا التِّجَارَةَ وَ انْطَلَقُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَ هُمْ أَعْظَمُ أَجراً مِمَّنْ لَمْ يَتَّجِرْ.[3]

اس سے مراد وہ تاجر حضرات ہیں جو نماز کا وقت ہوتے ہی کاروبار چھوڑ کر نماز کیلئے چلے جاتے ہیں اور ان کا اجر ان لوگوں سے بھی زیادہ ہے جو تجارت نہیں کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ''[4] (اور جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کردیتا ہے) نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے اپنے دروازے بند کرلئے اور عبادت میں مشغول گئے اور یہ کہنے لگے کہ خداوند عالم نے ہمارے رزق کی ذمہ داری لے لی ہے لہٰذا ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

[1] بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۷ ۲ باب ۲۔

[2] سورہ نور: آیت ۳۷

[3] اصول کافی: ج ۵' بحار الانوار: ج ۶۴ ص ۲۷۴

[4] سورۂ طلاق: آیت ۲

جب اس کی اطلاع پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے ان سے کہلوایا:

مَا حَمَلَكُمْ عَلَى مَا صَنَعْتُم

یہ تم لوگوں نے کیا شروع کر دیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خداوند عالم نے ہمارے رزق کی ذمہ داری لے لی ہے لہٰذا ہم بھی اس کی عبادت کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

إِنَّهُ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ لَمْ يَسْتَجِبِ اللهُ لَهُ عَلَيْكُمْ بِالطَّلَب.[1]

جو شخص بھی ایسا کرے گا اس کی دعا قبول نہ ہوگی، جاؤ (کام کاج) کر کے اپنی روزی کماؤ۔

---

[1] اصول کافی: ج ۵ ص ۸۴۔

خلاصہ

اسلام نے کسب معاش، کام کاج اور محنت ومشقت کرنے کی نہ صرف یہ کہ تعریف کی ہے بلکہ اس کے لئے بے حد تاکید بھی کی ہے اور اس محنت ومشقت کو راہ خدا میں جہاد کے برابر قرار دیا ہے چنانچہ جو لوگ اپنے اہل وعیال کے لئے محنت مشقت کرتے ہیں انہیں روز قیامت بہترین ثواب ملے گا۔

سوالات

۱۔ اسلام میں کسب معاش کی کیا قدر و قیمت ہے؟

۲۔ حجۃ الوداع میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خطبہ دیا تھا اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

۳۔ روزی کمانے میں اعتدال اختیار کرنے کے معنی کیا ہیں؟ مختصر وضاحت کیجئے؟

۴۔ روزی کے سلسلہ میں تقویٰ کا کردار کیا ہے؟

باب۔ ۴۴

کسب معاش اور تجارت کے آداب

ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام محنت ومشقت اور کام کرنے والے کی مدح وثنا کرتا ہے اور اس نے کام کاج کو راہ خدا میں جہاد کرنے کے برابر قرار دیا ہے لہٰذا مناسب اور بہتر ہے کہ اس کے آداب اور بنیادی اصولوں سے بھی واقفیت حاصل کر لی جائے کیونکہ جب ہم کام کے آداب اور صحیح طور طریقوں سے آگاہ ہو جائیں گے تو پھر کسی حرام کام یا گناہ میں مبتلا نہ ہوں گے اور اسی طرح ہمیں خود بخود رزق حلال کے راستے معلوم ہو جائیں گے اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ خداوند عالم ہم سے اس بارے میں کیا چاہتا ہے اب آپ مختصر آداب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔مسائل تجارت سے واقفیت

سب سے پہلے تجارت کے شرعی احکام سے واقفیت ضروری ہے کیونکہ بعض چیزوں کی خرید وفروخت اور کچھ کاروباری معاملات ایسے ہیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور خریدار بیچنے والے کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنِ اتَّجَرَ بِغَيْرِ فِقْهٍ فَقَدِ ارْتَطَمَ فِي الرِّبَا. [1]

جو شخص مسائل فقہ کا علم حاصل کئے بغیر تجارت کرے گا وہ سود میں مبتلا ہو جائے گا۔

آپؑ سے یہ بھی منقول ہے:

---

[1] بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۹۳ باب ۱

مَنِ اتَّجَرَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ارْتَطَمَ فِي الرِّبَا ثُمَّ ارْتَطَمَ فَلَا يَقْعُدَنَّ فِي السُّوقِ إِلَّا مَنْ يَعْقِلُ الشِّرَاءَ وَ الْبَيْعَ.[1]

جو شخص علم حاصل کئے بغیر تجارت کرے گا وہ سود کے دلدل میں پھنس کر رہ جائے گا لہٰذا بازار میں اس کے علاوہ اور کوئی ہرگز نہ بیٹھے جو خرید و فروخت کی باریکیوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔

جناب اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ میں نے مولائے کائنات علیہ السلام کو منبر سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے:

يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ الْفِقْهَ ثُمَّ الْمَتْجَرَ الْفِقْهَ ثُمَّ الْمَتْجَرَ الْفِقْهَ ثُمَّ الْمَتْجَرَ وَ اللهِ لَلرِّبَا فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا شُوبُوا أَيْمَانَكُمْ بِالصِّدْقِ التَّاجِرُ فَاجِرٌ وَ الْفَاجِرُ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ أَخَذَ الْحَقَّ وَ أَعْطَى الْحَقَّ.

اے تجارت پیشہ لوگو! پہلے علم فقہ پھر تجارت پہلے علم فقہ پھر تجارت۔ خدا کی قسم اس امت میں ربا کے امکانات اتنے مخفی ہیں جیسے پتھر پر چیونٹی چلتی ہے۔ اپنے اموال کو صدقہ کے ذریعہ محفوظ رکھو، تاجر؛ فاجر ہے اور فاجر کا انجام جہنم ہے سوائے ان افراد کے جو صرف اپنا حق وصول کریں اور حق ہی کے مطابق ادا کریں۔

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہی کتابوں میں کاروبار اور تجارت کے جو مسائل ہیں بازار میں داخل ہونے سے پہلے ان کے مسائل سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔

۲۔ ذخیرہ اندوزی سے پرہیز

تاجروں کی ایک بری اور خطرناک عادت یہ ہے کہ وہ روزمرہ کی ضروریات کا سامان کافی مقدار میں خرید کر اسے ذخیرہ (اسٹاک) کر لیتے ہیں اور جب بھاؤ بہت چڑھ جاتا ہے اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسے کئی گنا مہنگا فروخت کرتے ہیں تا کہ خوب نفع حاصل کر سکیں۔ یہ ذخیرہ اندوزی عوام الناس پر ظلم اور ان کے ساتھ زیادتی ہے اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شدت کے ساتھ ذخیرہ اندوزی کی مذمت کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

من احتكر الطعام اربعين يوما فقد برى من الله و برى الله منه.[2]

جو شخص چالیس دن تک اشیاء خورد و نوش کا احتکار (ذخیرہ) کئے رہے اور فروخت نہ کرے وہ اللہ سے دور ہے اور اللہ

[1] اصول کافی: ج ۵ ص ۱۵۴

[2] سنن ابن ماج ※، ج ۲، ص ۷۲۸

اس سے بری اور دور ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا:

من احتكر الطعام أربعين يوماً قسا قلبه. [۱]

جو شخص چالیس دن تک مال ذخیرہ کر کے رکھے (اور فروخت نہ کرے) تو وہ قسی القلب ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود مال کو لوگوں کی ضرورت کے وقت بازار کی قیمت پر فروخت کر دے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی:

من جلب طعاماً فباعه بسعر يومه فكانّما تصدق به. [۲]

اگر کسی کے پاس کچھ اشیائے خورد و نوش موجود ہوں (اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو) اور وہ اسے بازار کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دے تو گویا اس نے صدقہ دے دیا ہے۔

لہٰذا تمام صاحبان ایمان تاجروں کیلئے ضروری ہے کہ ذخیرہ اندوزی سے پرہیز کریں۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ نقل ہوا کہ بصرہ میں کسی تاجر کا ایک نمائندہ رہتا تھا جس کے پاس وہ تاجر اپنا مال بھیج دیتا تھا اور وہ اسے منڈی میں فروخت کر دیتا تھا ایک دن اس نے ایک کشتی بھر کر اناج بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ جس دن مال ملے اسی دن موجودہ بھاؤ میں فروخت کر دینا۔ جب وہ مال وہاں پہنچا تو اس کے نمائندہ کے بعض دوستوں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ چند دن کے لئے یہ مال روک لو تو تمہارا دو گنا فائدہ ہو جائے گا۔ اس ایجنٹ کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی اور اس نے مال بیچنے میں ایک دن کی تاخیر کر دی جس سے اسے کئی گنا فائدہ ہوا اور اس نے پوری تفصیل سے اصل تاجر کو باخبر کیا تو اس تاجر کو اپنے ایجنٹ کی اس حرکت پر بے حد افسوس ہوا اور اس نے اس کو لکھا کہ میرے لئے معمولی فائدہ ہی کافی تھا اور اس سے میرا دین بھی صحیح و سالم رہتا۔ بھلا ایسے نفع سے کیا فائدہ جس سے انسان کا دین تباہ و برباد ہو جائے؟ تم نے اپنی اس حرکت سے میرے اور خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے لہٰذا خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور تمہارے پاس جو کچھ مال ہے وہ سب بصرہ کے فقیروں اور پریشان حال لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو شاید پروردگار عالم اس طرح ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔ [۳]

---

[۱] امام غزالی در کتاب الاحیاء جلد ۲ صفحہ ۷۲ - دار المعرف - چاپ بیروت

[۲] احیاء علوم الدین کتاب آداب کسب و معاشرت

[۳] احیاء علوم الدین کتاب آداب کسب و معاشرت

۳۔ دعا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومینؑ کی نصیحتوں میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام یا بازار کا ارادہ کرے تو خداوند عالم کو یاد رکھے یعنی اپنے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرے اور ہمیشہ اللہ کی مرضی پر نظر رکھے اور کسی معاملہ میں خدا سے غافل نہ ہو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ ذَكَرَ اللهَ فِي السُّوقِ مُخْلِصاً عِنْدَ غَفْلَةِ النَّاسِ- وَ شُغُلِهِمْ بِمَا [هُمْ] فِيهِ كَتَبَ اللهُ لَهُ أَلْفَ حَسَنَةٍ وَ يَغْفِرُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْفِرَةً لَمْ تَخْطُرْ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ.[۱]

جو شخص بازار میں پروردگار عالم کو خلوص کے ساتھ اس وقت یاد کرے جب دوسرے لوگ خدا سے غافل ہوں تو خداوند عالم اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھ دیتا ہے اور روز قیامت اسے ایسی مغفرت عطا فرمائے گا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی دعاؤں میں ہے کہ بازار کا ارادہ کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَ خَيْرِ أَهْلِهَا.[۲]

اور جب کاروبار کے لئے بیٹھ جائے تو یہ دعا پڑھے:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ حَلَالًا طَيِّباً وَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ وَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ صَفْقَةٍ خَاسِرَةٍ وَ يَمِينٍ كَاذِبَةٍ.[۳]

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ بار الٰہا میں تیرے فضل و کرم کے سہارے حلال اور پاکیزہ روزی کا سوال کرتا ہوں اور تیری ذات کی اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں کسی کے اوپر ظلم کروں یا میرے اوپر ظلم کیا جائے اور میں ہر قسم کے گھاٹے اور جھوٹی قسم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ایک مومن تاجر کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ دنیاوی معاملات اور کاروبار وغیرہ اسے اس کی واجبات اور

---

[۱] بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۱۰۲ باب ۱

[۲] اصول کافی: ج ۵ ص ۱۵۵

[۳] اصول کافی: ج ۵ ص ۱۵۵

یاد الٰہی سے غافل نہ کریں جیسا کہ ہم نے گزشتہ درس میں بھی اشارہ کیا ہے کہ جولوگ کاروبار اور معاملات کے باوجود یاد خدا سے غافل نہیں ہوتے پروردگار ان کے رزق میں برکت عطا فرما دیتا ہے۔

۴۔قسم سے پرہیز

اسلام کی نگاہ میں صرف خرید وفروخت کرتے وقت اپنے سامنے والے کو مطمئن کرنے کے لئے قسم کھانا ہی قابل مذمت نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام مراحل اور معاملات میں شریعت نے قسم کھانے سے حتی الامکان پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے اور صرف بہت ہی اہم مواقع پر اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ.[۱]

خبردار! خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔

اسی بنا پر دنیاوی معاملات خاص طور سے خرید وفروخت جیسی معمولی چیزوں کیلئے قسم کھانے کی مذمت کی گئی ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ بَاعَ أَوِ اشْتَرَى فَلْيَحْفَظْ خَمْسَ خِصَالٍ وَإِلَّا فَلَا يَبِيعُ وَلَا يَشْتَرِي الرِّبَا وَالْحَلْفَ وَكِتْمَانَ الْعَيْبِ وَالْمَدْحَ إِذَا بَاعَ وَالذَّمَّ إِذَا اشْتَرَى.[۲]

جو شخص خرید فروخت کرنا چاہے وہ اپنے کو پانچ چیزوں سے بچا کر رکھے ورنہ خرید وفروخت ہی نہ کرے، سود، قسم، عیب، چھپانا، بیچتے وقت چیز کی تعریف اور خریدتے وقت اس کی مذمت۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ تَعَالَى إِلَيْهِمْ - يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَدُهُمْ رَجُلٌ اتَّخَذَ اللّٰهَ بِضَاعَةً لَا يَشْتَرِي إِلَّا بِيَمِينٍ وَلَا يَبِيعُ إِلَّا بِيَمِينٍ.[۳]

تین افراد کی طرف خداوند عالم روز قیامت نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا ان میں سے ایک وہ ہے جس نے خداوند عالم کو اپنا سرمایہ سمجھ لیا ہے کہ نہ قسم کھائے بغیر کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور نہ کوئی چیز قسم کے بغیر خریدتا ہے۔

گزشتہ روایات میں جس قسم کی مذمت کی گئی ہے وہ سچی قسم ہے لیکن اگر قسم جھوٹی ہو تو وہ تو گناہ کبیرہ ہے جس سے

---

[۱] سورہ بقرہ: آیت ۲۲۴

[۲] بحار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۹۵ باب ۱

[۳] اصول کافی: ج ۵ ص ۱۶۲

اسلام نے اور شدت سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی آپ نے ملاحظہ فرمایا جس میں آپ نے جنس کی تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۵۔ برائیوں کا تذکرہ

تجارت کے آداب میں یہ بھی ہے کہ انسان جس چیز کو فروخت کرنا چاہتا ہے اس کے عیوب نہ چھپائے اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ فریب دہی کا ذمہ دار ہوگا جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور اس پر سخت مواخذہ کیا جائے گا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں نقل ہوا ہے کہ ایک شخص بازار میں گندم بیچ رہا تھا آپ وہاں سے گذرے تو وہ آپ کو اچھا محسوس ہوا جب آپ نے اسے ہاتھ لگا کر دیکھا تو اس میں نمی پائی آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا آسمان کی وجہ سے (بارش کی نمی) ہے تو آپؐ نے فرمایا: کہ ان کو قریب کیوں نہیں رکھا تا کہ لوگ اچھی طرح دیکھ سکیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا.[1]

جو ہمارے ساتھ ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

۶۔ انصاف

خرید و فروخت کرتے وقت انصاف سے کام لینا بھی آداب تجارت میں شامل ہے انصاف کا مطلب یہ ہے کہ عدالت سے کام لے یعنی اگر خریدار کو اس جنس کی ضرورت ہو تو اپنے فائدے کی خاطر اسے اس کی صحیح قیمت سے زیادہ پر فروخت نہ کرے اسی طرح اگر خریدار یہ دیکھے کہ بیچنے والا اس وقت بیچنے کیلئے مجبور ہے تو اس کو بہت کم قیمت ادا نہ کرے مختصر یہ کہ خریدار یا بیچنے والوں میں سے اگر کوئی بھی دوسرے کی چیز کم قیمت میں خریدے گا یا زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا تو یہ اس پر ظلم ہے اور اسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

تاریخ میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک دن اپنے غلام مصادف کو ایک ہزار دینار دیئے اور فرمایا اس سے کچھ سامان خرید کر مصر لے جاؤ (کیونکہ میرے اہل و عیال میں اضافہ ہوگیا ہے) اس نے حسب حکم سامان خریدا اور دوسرے تاجروں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا جب یہ لوگ مصر کے قریب پہنچے تو وہاں سے واپس آنے والے ایک قافلہ سے

---

[1] صحیح مسلم: ج ۱

ملاقات ہوئی اوران سے وہاں کے بازار کا حال پوچھا تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس وقت مصر میں وہ مال موجود نہیں ہے جو ہم لیکر آئے ہیں لہٰذا انہوں نے مل کر یہ قسم کھائی کہ سب لوگ اپنا مال دوگنی قیمت پر بیچیں گے۔ چنانچہ انہیں دوگنا فائدہ ہوا اور پھر جب وہ سب مدینہ واپس آئے تو مصادف امامؑ کی خدمت میں آئے اور دو تھیلیوں میں بھرے ہوئے دو ہزار دینا امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کردیئے اور عرض کی میری جان آپ پر قربان اس میں سے آدھا اصل مال ہے اور آدھا فائدہ آپ نے فرمایا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے تو مصادف نے پورا قصہ بیان کردیا یہ ماجرا سننے کے بعد آپ نے فرمایا:

سُبۡحَانَ اللّٰهِ تَحۡلِفُونَ عَلَىٰ قَوۡمٍ مُسۡلِمِينَ أَلَّا تَبِيعُوهُمۡ إِلَّا رِبۡحَ الدِّينَارِ دِينَار.[1]

کیا کہنا کہ تم نے مسلمانوں کے خلاف یہ قسم کھائی کی انہیں اپنا مال دوگنے سے کم پر نہ بیچیں گے۔ اس کے بعد آپ نے اس میں سے ایک تھیلی اٹھالی اور کہا یہ میرا اصل مال ہے اور مجھے فائدہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے پھر آپ نے فرمایا:

يَا مُصَادِفُ مُجَادَلَةُ السُّيُوفِ أَهۡوَنُ مِنۡ طَلَبِ الۡحَلَالِ.[2]

اے مصادف! تلواروں کے زخم کھانا حلال رزق کمانے سے کہیں آسان ہے۔

اس طرح امامؑ نے تجارت کا ایک مکمل اخلاقی اصول معین فرمادیا۔

۷۔ غرباء کے ساتھ نرم رویہ

اسلام نے تاجروں کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ مول بھاؤ کرتے وقت غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ نرم رویہ رکھیں اور ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت سختی نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بالکل خالی ہاتھ، مایوس اور دل شکستہ اپنے گھر لوٹ جائیں لہٰذا جتنا بھی ممکن ہو ان کے ساتھ نرم رویہ رکھا جائے اور ان پر کسی قسم کا احسان جتائے بغیر قیمت کو کم کردے یا ادھار دے دے یا قرض ادا کرنے کی مہلت دے دے ایسے شخص کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے۔

بَارَكَ اللّٰهُ عَلَىٰ سَهۡلِ الۡبَيۡعِ سَهۡلِ الشِّرَاءِ سَهۡلِ الۡقَضَاءِ سَهۡلِ الۡاِقۡتِضَاءِ.[3]

خداوند عالم اس شخص کے اوپر رحم کرے جو خرید و فروخت، فیصلہ اور اپنے مطالبات وصول کرنے میں نرم رویہ رکھے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:

---

[1] الکافي (ط-الاسلامیة)، ج۵، ص:۱۶۱

[2] الکافي (ط-الاسلامیة)، ج۵، ص:۱۶۱

[3] وسائل الشیعة، ج۱۷، ص:۴۵۱، ح۲۲۹۶۸

مَنْ انْظَرَ مُعْسِراً أَوْ تَرَكَ حِسَابُهُ اللهُ حِسَاباً يَسِيْراً.[1]

جوشخص کسی پریشان حال کوادائیگی قرض کی مہلت دے دے یا اسے چھوڑ دے (قرض نہ لے) تو خداوند عالم بھی اس کا بہت آسان حساب لے گا۔

۸۔ملاوٹ سے پرہیز

ملاوٹی سامان یا خراب مال یانقلی نوٹ اور سکے دینا (جبکہ اس کے خراب یانقلی ہونے کا علم ہو) ایک قسم کی خیانت اور چوری ہے لہٰذا اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

دیندار اور ایماندار تاجروں کے یہاں یہ عام بات ہے کہ جب کوئی چیز خراب ہوجاتی ہے یا مثلاً گھی تیل وغیرہ نجس ہوجاتا ہے تو وہ اسے پھینک دیتے ہیں اور خود گھاٹا برداشت کر لیتے ہیں مگر خریدار کو خراب مال نہیں دیتے ہیں۔

[1] وسائل الشیعہ: ج۱۷ص۴۵۰/۴۲

خلاصہ

اسلام میں خرید وفروخت (تجارت) کے کچھ آداب اور قوانین معین ہیں جن پر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے اور یہ اصول اور قوانین کیونکہ شریعت نے بنائے ہیں لہٰذا بیچنے والے اور خریدار دونوں کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اچھی طرح ان کا علم حاصل کرلیں تاکہ دوسروں کے حقوق کو بخوبی ادا کرسکیں اور شرعی واخلاقی ہر اعتبار سے معاملہ درست ہے۔

سوالات

١۔ائمہ اطہار علیہم السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ ''پہلے فقہ پھر تجارت''؟

٢۔اسلام میں احتکار وذخیرہ اندوزی کیوں حرام اور قابل مذمت ہے؟

٣۔کیا خرید وفروخت کے وقت قسم کھانا جائز ہے؟

٤۔بیچنے والے کے فرائض بطور مختصر بیان کیجئے؟

باب۔ ۴۵

نظافت و آرائش ①

صفائی بھی اسلام کے اہم آداب میں سے ایک ہے اور اسلام نے بدن، لباس اور گھر وغیرہ کی صفائی کی خاص تاکید کی ہے جس طرح اس نے مسواک اور کنگھی کرنے، بال اور ناخن کٹوانے اور ماحول کو صاف ستھرا رکھنے پر زور دیا ہے۔

کوئی مسلمان اس وقت تک واقعی مسلمان نہیں بن سکتا جب تک وہ ان آداب کا خیال نہ رکھے اسی طرح اس کے لئے اپنی ذاتی صفائی میں ڈھیل اور سستی صحیح نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ اللهَ تَعَالَى طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النِّظَافَةَ.[1]

بیشک خداوند عالم خود بھی طیب ہے اور طیب (پاک و پاکیزہ اشیاء) کو محبوب رکھتا ہے وہ خود بھی پاک وصاف ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے۔

اَلطَّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ.[2]

طہارت ایمان کا جز ہے۔

اَوَّلُ مَا يُحَاسِبُ بِهِ الْعَبْدُ الطَّهُوْرِ.

بندے سے قیامت کے دن سب سے پہلے طہارت کے بارے میں سوال ہوگا۔

تَنَظَّفُوا بِكُلِّ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّ اللهَ بَنَى الإِسْلامَ عَلَى النَّظَافَةِ، وَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ إِلا كُلُّ

[1] سنن ترمذی ج ۱۰

[2] کنز العمال خ ۲۵۹۹۸

نَظِيفٍ.[۱]

تمہارے لئے جتنا بھی ممکن ہو صفائی اور ستھرائی کا خیال رکھو کیونکہ خداوند عالم نے صفائی پر اسلام کی بنیاد رکھی ہے اور جنت میں صرف اور صرف صاف ستھرے لوگ ہی جائیں گے۔

الإِسْلامُ نَظِيفٌ فَتَنَظَّفُوا، فَإِنَّهُ لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلا نَظِيفٌ.[۲]

اسلام صاف ستھرا مذہب ہے لہٰذا صاف ستھرے رہا کرو بیشک جنت میں صاف ستھرے لوگوں کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں ہوسکتا ہے۔

اِنَّ اللهَ يُحِبُّ النّاسِكَ النَّظِيفَ..[۳]

خداوند عالم صاف ستھرے عبادت گذار سے محبت کرتا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے:

مِنْ أَخْلَاقِ الْأَنْبِيَاءِ التَّنَظُّفُ.[۴]

صفائی وستھرائی انبیاء کی سیرت ہے۔

صفائی سے متعلق کچھ چیزیں تو ہر مسلمان پر شرعی اعتبار سے واجب ہیں جیسے وضو غسل وتیمم وغیرہ جن کی تفصیل توضیح المسائل ودیگر فقہی کتب میں موجود ہے لیکن ان کے علاوہ کچھ اور بھی آداب ہیں جو مستحب ہیں جنہیں اس سبق کے علاوہ آئندہ دو اسباق میں ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ بدن کی صفائی

فرمانِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

طَهِّرُوْا هٰذِهِ الْاَجْسَادِ طَهَّرَكُمُ اللهُ، فَإِنَّهُ لَيْسَ عَبْدٌ يُبِيْتُ طَاهِرًا اِلَّا بَاتَ مَعَهُ مَلَكٌ فِيْ شِعَارِهِ وَلَا يَتَقَلَّبُ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ اِلَّا قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فَاِنَّهُ بَاتَ طَاهِرًا.[۵]

---

[۱] کنز العمال: ح ۲۶۰۰۱
[۲] کنز العمال: ح ۲۶۰۰۲
[۳] کنز العمال: ح ۲۶۰۰
[۴] بحار الانوار: ج ۷۵، ص ۳۳۵، باب ۲۶
[۵] کنز العمال: ح ۲۶۰۰۳

اپنے بدن کو پاک وصاف رکھا کرو خدا تمہیں صاف ستھرا رکھے گا، کیونکہ بندہ جب رات کو پاک وصاف سوتا ہے تو ایک فرشتہ رات بھر اس کے ساتھ رہتا ہے اور رات میں جب بھی وہ کروٹ بدلتا ہے تو وہ فرشتہ یہ دعا کرتا ہے بارالٰہا تو اپنے اس بندے کو معاف کردے کہ اس نے طہارت کی حالت میں رات گزاری ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

تَنَظَّفُوا بِالْمَاءِ مِنَ الْمُنْتِنِ الرِّيحِ الَّذِي يُتَأَذَّى بِهِ تَعَهَّدُوا أَنْفُسَكُمْ فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ يُبْغِضُ مِنْ عِبَادِهِ الْقَاذُورَةَ الَّذِي يَتَأَنَّفُ بِهِ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ.[۱]

پانی کے ذریعہ اپنی وہ بدبو دھوڈالو جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے اور (اپنے جسم اور لباس) کا خیال رکھو کیونکہ خداوند عالم اس گندے اور کثیف انسان سے نفرت کرتا ہے جس کی بدبو کی بناء پر اس کے پاس بیٹھنے والوں کو زحمت ہوتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

بِئْسَ الْعَبْدُ الْقَاذُورَةُ.[۲]

سب سے برا انسان گندہ اور آلودہ انسان ہے۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے

هَلَكَ الْمُتَقَذِّرُونَ.[۳]

گندے اور میلے کچیلے رہنے والے لوگ ہلاک ہوگئے۔

۲۔ حمام کے آداب

حمام کی اہمیت کے بارے میں مولائے کائنات نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

نِعْمَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ تُذَكِّرُ فِيهِ النَّارُ وَ يَذْهَبُ بِالدَّرَنِ.[۴]

بہترین گھر حمام غسل خانہ ہے جس (کی گرمی) میں انسان کو جہنم کی آگ یاد آجاتی ہے اور گندگی دور ہوجاتی ہے۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے:

---

[۱] بحار الانوار: ج۱۰، ص ۹۸، باب ۷
[۲] اصول کافی: ج۶، ص ۴۳۹
[۳] کنز العمال: خ ۲۲۴۷
[۴] مکارم الاخلاق: ص ۵۳ (واضح رہے کہ عربی ممالک کے حمام ہمارے یہاں کے غسل خانوں سے الگ طرح کے ہوتے ہیں۔ مترجم)

بِئْسَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ يَهْتِكُ السِّتْرَ وَيَذْهَبُ بِالْحَيَاءِ.[1]

سب سے برا گھر حمام ہے جہاں لباس اتر جاتا ہے اور حیاء کا پردہ چاک ہوجاتا ہے۔

یہ حدیث اگرچہ گذشتہ حدیث کے بالکل برعکس ہے لہٰذا اگر حمام میں معقول دیواریں اور چھت وغیرہ ہوں تو بے پردگی اور بے حیائی کا امکان باقی نہ رہ جائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت میں حمام کے آداب کا تذکرہ پایا جاتا ہے چنانچہ حمام میں داخل ہونے سے پہلے یہ کہے:

اللهُمَّ أَذْهِبْ عَنِّي الرِّجْسَ النِّجْسَ وَطَهِّرْ جَسَدِي وَقَلْبِي-[2]

بارالہا مجھ سے نجاست اور گندگی کو دور فرما اور میرے جسم اور دل کو پاک و پاکیزہ بنادے۔

جس وقت بدن کے اوپر گرم پانی ڈالے تو یہ کہے:

نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ وَنَسْأَلُهُ الْجَنَّةَ

پروردگار کی پناہ چاہتے ہیں آگ سے اور اس سے جنت کا سوال کرتے ہیں اور جب نہا کر فارغ ہوجائے تو کپڑے پہننے سے پہلے یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ أَلْبِسْنِي التَّقْوَى وَجَنِّبْنِي الرَّدَى.[3]

بارالہا مجھے لباس تقویٰ پہنادے اور پستیوں سے محفوظ رکھنا۔

حمام میں داخل ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اچھی طرح شرم گاہوں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا يَدْخُلَنَّ أَحَدُكُمُ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ.[4]

کوئی بھی شخص حمام میں بغیر لنگی کے داخل نہ ہو۔

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

مِنَ الْأَدَبِ أَنْ لَا يُدْخِلَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ مَعَهُ الْحَمَّامَ فَيَنْظُرَ إِلَى عَوْرَتِهِ.[5]

---

[1] مکارم الاخلاق: ص ۵۳

[2] گذشتہ حوالہ

[3] مکارم الاخلاق: ص ۵۲

[4] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۶۹، باب ۳

[5] مکارم الاخلاق: ص ۵۳

حمام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ حمام کے اندر نہ لیکر جائے تا کہ اس کی نظریں اس کی شرمگاہ پر نہ پڑنے پائیں۔

آپ ہی کا ارشاد بھی ہے:

مَنْ دَخَلَ الْحَمَّامَ بِمِئْزَرٍ سَتَرَهُ اللهُ بِسِتْرِهِ.[1]

جو شخص لنگی پہن کر حمام میں داخل ہوگا خداوند عالم اپنے پردوں کے ذریعہ اسے چھپا کر رکھے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ .... دُخُولَ الْأَنْهَارِ إِلَّا بِمِئْزَرٍ.[2]

اے لوگو! (امت مسلمہ) خداوند عالم کو یہ پسند نہیں ہے...... کہ تم بغیر لنگی کے نہر میں داخل ہو جاؤ۔

نہانا صرف حمام ہی میں ضروری نہیں ہے البتہ اپنی شرمگاہ کو چھپانا ہر جگہ اور ہر ایک کے لئے ضروری ہے بلکہ دوسروں کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ دَخَلَ الْحَمَّامَ فَغَضَّ طَرْفَهُ عَنِ النَّظَرِ إِلَى عَوْرَةِ أَخِيهِ آمَنَهُ اللهُ مِنَ الْحَمِيمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[3]

جو شخص حمام میں داخل ہو اور اپنے کسی برادر مومن کی شرمگاہ کو نہ دیکھے تو خداوند عالم اسے قیامت کی جلا دینے والی گرمی سے محفوظ رکھے گا۔

کسی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ کیا امیر المومنین علیہ السلام نے حمام میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

لَا إِنَّمَا نَهَى أَنْ يَقْرَأَ الرَّجُلُ وَهُوَ عُرْيَانٌ فَأَمَّا إِذَا كَانَ عَلَيْهِ إِزَارٌ فَلَا بَأْسَ.[4]

نہیں بلکہ امیر المومنینؑ نے بالکل برہنہ ہو کر قرآن پڑھنے سے منع کیا ہے لیکن اگر وہ لنگی وغیرہ پہنے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] بہارالانوار: ج ۷۳: ص ۷۴، باب ۳
[2] بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۶۹، باب ۳
[3] بحارالانوار: ج ۷۳ ص ۷۴، باب ۳
[4] مکارم الاخلاق: ص ۵۲

یہ بھی سنت ہے کہ بدن کے فالتو بال مثلاً بغل زیر ناف بالوں کو پندرہ دن یا تین ہفتوں میں یا چالیس دن سے پہلے ایک بار ضرور تراش لے اور اگر چالیس دن گذر جائیں تو پھر کوئی فضیلت نہ رہ جائے گی۔[1]

۳۔لباس کی صفائی

اسلام نے لباس کے رنگ اور اس کی جنس یا شکل وصورت سے پہلے اس کی صفائی اور ستھرائی پر زور دیا ہے روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو گندے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو آپؐ نے فرمایا:

اَمَّا کَانَ ھٰذَا یَجِدُ مَاءً بِہٖ ثَوْبَہٗ؟[2]

کیا اسے اتنا پانی نہیں ملا جس سے یہ اپنے کپڑے دھولیتا۔

اسی طرح آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:

مِنَ الدِّیْنِ الْمُتْعَۃُ، وَاِظْھَارُ النِّعْمَۃِ.[3]

نعمت سے استفادہ اور نعمت کا اظہار کرنا دین کا جز ہے۔

اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنِ اتَّخَذَ ثَوْباً فَلْیُنَظِّفْہُ.[4]

جو شخص کوئی کپڑا پہنے تو اسے صاف ستھرا بھی رکھنا چاہیے۔

آپ نے حضرت عائشہ سے خطاب کر کے فرمایا:

یَا عَائِشَۃ! اِغْسِلِي ھٰذَیْنِ الثَّوْبَیْنِ اَما عَلِمْتِ اَنَّ الثَّوْبَ یُسَبِّحُ، فَاِذَا اتَّسَخَ اِنْقَطَعَ تبسِحُہُ.[5]

اے عائشہ! ان دونوں کپڑوں کو دھوڈالو کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ کپڑا بھی تسبیح خدا کرتا ہے مگر جب وہ کپڑا گندہ ہوجاتا ہے تو اس کی تسبیح کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۶ باب ۶۔
[2] سنن ادبی داؤد: ج ۴
[3] اصول کافی: ج ۶، ص ۴۳۹
[4] اصول کافی: ج ۶، ص ۴۴۱
[5] کنز العمال: خ ۲۶۰۰۹

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:

النَّظِيفُ مِنَ الثِّيَابِ يُذْهِبُ الْهَمَّ وَ الْحَزَنَ، وَهُوَ طَهُورٌ لِلصَّلَاةِ.[1]

صاف ستھرے کپڑوں سے رنج وغم دور ہوتا ہے اور یہ نماز کی طہارت و پاکیزگی کا ذریعہ ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

الثَّوْبُ النَّقِيُّ يَكْبِتُ الْعَدُوَّ.[2]

صاف ستھرا لباس دشمن کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے آیہ شریفہ " وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ "[3] (اور اپنے لباس کو پاکیزہ رکھو) کی یہ وضاحت فرمائی ہے۔ ''فشمر'' ''یعنی اس کو چھوٹا کرلو۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے:

اَیْ فَارْفَعْهَا وَلَا تَجُرُّهَا.

یعنی اسے اوپر اٹھائے رکھو اور زمین پر نہ گھسیٹو کیونکہ اگر کپڑا زمین پر لگتا ہے تو وہ گندہ ہوجاتا ہے۔

احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معصومین علیہم السلام کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے افضل و بہتر سفید کپڑا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات سفید رنگ کا لباس پہنتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔

الْبَسُوا الْبَيَاضَ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ وَ أَطْهَرُ وَ كَفِّنُوا فِيهِ مَوْتَاكُمْ.[4]

سفید کپڑے پہنو کیونکہ یہ زیادہ صاف ستھرا اور پاک و پاکیزہ ہوتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

اسی طرح آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

إِنَّ أَحْسَنَ مَا زُرْتُمُ اللهَ بِهِ فِي قُبُورِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمُ الْبَيَاضُ.[5]

تمہارے لئے اپنی قبروں اور مسجدوں میں زیارت خدا کرنے کیلئے سب سے بہترین رنگ سفید ہے۔

---

[1] اصول کافی: ج۶، ص ۴۴۴

[2] مکارام الاخلاق: ص ۱۰۳

[3] مکارم الاخلاق: ص ۱۰۳

[4] کنز العمال: خ ۴۱۱۰۱، کافی: ج۶، ص ۴۴۵

[5] میزان الحکمہ: باب ۳۵۴۸

آپؐ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے:

مَنْ اَحبَّ ثِيَابَكُمْ اِلَى اللهِ الْبَيَاضُ فَصَلُّوْا فِيْهَا وَ كَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ.[1]

خداوند عالم کو تمہارا سفید لباس سب سے زیادہ پسند ہے لہٰذا اسی میں نماز پڑھو اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

کپڑے کی قسموں کے بارے میں روایات میں سوتی کپڑوں کی تاکید وارد ہوئی ہے جبکہ مردوں کے لئے ریشمی کپڑے حرام ہیں البتہ عورتیں ریشمی کپڑے پہن سکتی ہیں جیسا کہ مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:

اَلْبَسُوا ثِيَابَ الْقُطْنِ، فَإِنَّهَا لِبَاسُ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه و آله، وَ هُوَ لِبَاسُنَا.[2]

سوتی کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس ہے اور یہی ہمارا الباس بھی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مُشِيراً إِلَى الذَّهَبِ وَ الْحَرِيرِ هَذَانِ مُحَرَّمَانِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي دُونَ إِنَاثِهِم.[3]

میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونے کا لباس حرام ہے اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔

کپڑے کا اصل مقصد بدن کو ڈھانپنا ہے شان وشوکت کے اظہار اور فخر ومباہات کے لئے کپڑے پہننا شریعت کی نگاہ میں معیوب ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

وَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا يُبَاهِي بِهِ لِيَرَاهُ النَّاسُ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ اِلَيْهِ حَتّٰى يَنْزَعَهُ.[4]

جو شخص لوگوں کو دکھانے اور فخر ومباہات کرنے کے لئے کوئی کپڑا پہنتا ہے تو جب تک وہ اسے نہیں اتار دیتا خداوند عالم اس کی طرف نظر کرم نہیں کرتا۔

---

[1] کنز العمال: ح ۴۱۱۱۷

[2] اصول کافی: ج ۶ ص ۴۴۵

[3] کنز العمال: ح ۱۲۱۰

[4] کنز العمال: ح ۴۱۲۰۳

خلاصہ

اسلام کا اعلان ہے کہ ”صفائی ایمان کا جزء ہے“ لہٰذا مسلمان کا حلیہ اچھا ہونا چاہئے جیسے بال مناسب ہوں اور کپڑے گندے نہ ہوں۔

نہانا، بدن اور لباس کو صاف ستھرا رکھنا بھی اسلامی آداب کا جزء ہے جن پر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے۔

سوالات

۱۔حدیث نبوی کے مطابق اسلام میں صفائی کی اہمیت کیا ہے؟

۲۔خداوند عالم کس بندے سے نفرت کرتا ہے، ایک حدیث بیان کیجئے؟

۳۔مختصر طور پر حمام کے آداب بیان کیجئے؟

۴۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید کپڑے پہننے کی کیوں تاکید فرمائی ہے؟

۵۔اسلام نے کس لباس کو حرام قرار دیا ہے؟

باب۔۴۶

نظافت وآرائش ۲

۴۔مسواک

مسواک کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا زَالَ جَبْرَئِيلُ يُوصِينِي بِالسِّوَاكِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيَجْعَلُهُ فَرِيضَةً.[۱]

جبرئیلؑ نے مجھ سے مسواک کی اتنی تاکید کی ہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ یہ اسے واجب قرار دے دیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

مِنْ أَخْلَاقِ الْأَنْبِيَاءِ السِّوَاكُ.[۲]

مسواک کرنا انبیاء کی سیرت ہے۔

نیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ اقوال بھی قابل توجہ ہیں:

لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ وُضُوءِ كُلِّ صَلَاةٍ.[۳]

اگر میری امت کے لئے دشوار (اور مشکل) نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے لئے وضو کرنے سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

---

[۱] بحارالانوار: ج ۷۳ ص ۱۲۶ باب ۱۸

[۲] بحارالانوار: ج ۷۳ ص ۱۳۱ باب ۱۸

[۳] سنن ابن ماجہ حدیث ۲۸۷، بحار ج ۷۳ ص ۱۳۷، باب ۱۸۔

صَلَاةٌ عَلَى أَثَرِ السِّوَاكِ خَيْرٌ مِنْ خَمْسٍ وَسَبْعِينَ صَلَاةً بِغَيْرِ سِوَاكٍ.[1]

مسواک کے ساتھ ایک نماز پڑھنا بغیر مسواک کئے پچھتر نمازوں سے بہتر ہے۔

آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت فرمائی:

عَلَيْكَ بِالسِّوَاكِ لِكُلِّ وُضُوءٍ[2]

ہر نماز سے پہلے مسواک ضرور کیا کرو۔

☆ اَلسِّوَاكُ شَطْرُ الْوُضُوءِ وَالْوُضُوءُ شَطْرُ الْإِيمَانِ[3]

مسواک وضو کا ایک جز ہے اور وضو ایمان کا جزء ہے۔

☆ إِنَّ أَفْوَاهُكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَيِّبُوهَا بِالسِّوَاكِ.[4]

تمہارا منہ قرآن مجید کی گذرگاہ ہے لہٰذا سے مسواک کے ذریعہ صاف ستھرا رکھو۔

☆ طَهِّرُوا أَفْوَاهَكُمْ، فَإِنَّهَا طُرُقُ الْقُرْآنِ.[5]

اپنے منہ کو صاف ستھرا رکھو کیونکہ یہ قرآن مجید کا راستہ ہیں۔

☆ نَظِّفُوا طَرِيقَ الْقُرْآنِ.[6]

قرآن مجید کی راہوں کو صاف ستھرا رکھو۔

عرض کیا گیا: یہ قرآن کی راہیں کونسی ہیں؟

فرمایا: افواهكم تمہارے منہ۔

کسی نے پوچھا: انہیں کس طرح صاف رکھا جائے؟

فرمایا: ''بالسواك'' مسواک کے ذریعہ۔

أَفْوَاهُكُمْ طَرِيقٌ مِنْ طُرُقِ رَبِّكُمْ فَأَحَبُّهَا إِلَى اللهِ أَطْيَبُهَا رِيحاً فَطَيِّبُوهَا بِمَا قَدَرْتُمْ عَلَيْهِ.

---

[1] بحاالانوار: ج ۷۷ ص ۳۴۴' باب ۷

[2] بحاالانوار: ج ۷۳ ص ۱۳۲' باب ۱۸۔

[3] بحارالانوار: ج ۷۳ ص ۱۳۰' باب ۱۸۔

[4] بحارالانوار: ج ۷۳ ص ۱۳۰' باب ۱۸۔

[5] بحارالانوار: ج ۷۳ ص ۱۳۰' باب ۱۸۔

[6] بحارالانوار: ج ۷۳ ص ۱۳۰' باب ۱۸۔

[1]

تمہارے منہ تمہارے رب کے راستے ہیں چنانچہ ان میں سے خدا کو سب سے زیادہ پسندیدہ منہ وہ ہے جو زیادہ خوشبودار ہو لہٰذا جتنا ممکن ہو انہیں صاف ستھرا رکھا کرو۔

مَا لِي أَرَاكُمْ تَدْخُلُونَ عَلَيَّ قُلْحاً مُرْغاً مَا لَكُمْ لَا تَسْتَاكُونَ.[2]

جب تم میرے پاس آتے ہو تو تمہارے دانت پیلے کیوں رہتے ہیں لہٰذا آپ لوگ مسواک کیوں نہیں کرتے ہیں۔

مسواک کے فائدے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولائے کائنات سے فرمایا:

فِي السِّوَاكِ اثْنَتَا عَشْرَةَ خَصْلَةً هُوَ مِنَ السُّنَّةِ وَ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَ مَجْلَاةٌ لِلْبَصَرِ وَ يُرْضِي الرَّبَّ وَ يُبَيِّضُ الْأَسْنَانَ وَ يَذْهَبُ بِالْحَفَرِ وَ يَشُدُّ اللِّثَةَ وَ يُشَهِّي الطَّعَامَ وَ يَذْهَبُ بِالْبَلْغَمِ وَ يَزِيدُ فِي الْحِفْظِ وَ يُضَاعِفُ الْحَسَنَاتِ وَ تَفْرَحُ بِهِ الْمَلَائِكَةُ.[3]

اے علیؑ! مسواک میں بارہ خاصیتیں ہیں: یہ سنت ہے اور منہ کو صاف ستھرا، بینائی کو زیادہ، خدائے رحمان کو راضی، دانتوں کو سفید، اور ان کی گندگی کو دور، جڑوں کو مضبوط کھانے کی اشتہا میں زیادتی، بلغم کو دور، حافظہ کو قوی، حسنات کو دوگنا اور ملائکہ کو خوشحال کرتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

السِّوَاكُ مِنْ مَرْضَاةِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ سُنَّةُ النَّبِيِّ ﷺ وَ مَطْيَبَةٌ لِلْفَمِ.[4]

مسواک کرنے میں خدا کی رضا ہے اور یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل ہے اور اس سے منھ صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔

آپؑ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

[1] بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۱، باب ۱۸
[2] اصول کافی ج ۶، بحار ج ۷۳، ۳۲، ۱۱باب ۱۸۔
[3] بحارالانوار: ج ۷۷، ص ۳۴۶، باب ۷
[4] بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۱۲۹، باب ۱۸

اَلسِّوَاكُ يُجَلِّي الْبَصَرَ.[۱]

مسواک کرنے سے آنکھوں کی بینائی میں اضافہ ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ فَإِنَّهُ يُذْهِبُ وَسْوَسَةَ الصَّدْرِ.[۲]

مسواک کیا کرو کیونکہ اس سے سینے کے وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے:

السِّوَاكُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَيَذْهَبُ بِالدَّمْعَة.[۳]

مسواک سے آنکھیں تیز ہوتی ہیں بال اگتے ہیں اور آنکھوں سے پانی گرنا بند ہو جاتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک کا ایک فائدہ یہ بھی بیان فرمایا ہے:

السِّوَاكُ يَزِيدُ الرَّجُلَ فَصَاحَة.[۴]

مسواک سے انسان کی فصاحت میں اضافہ ہوتا ہے۔

مسواک کا طریقہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اسْتَاكُوا عَرْضاً وَلَا تَسْتَاكُوا طُولا.[۵]

عرض (چوڑائی) میں مسواک کیا کرو طول (لمبائی) کی طرف مسواک نہ کیا کرو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

إِذَا صُمْتُمْ فَاسْتَاكُوا بِالْغَدَاةِ وَلَا تَسْتَاكُوا بِالْعَشِيِّ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ صَائِمٍ تَيْبَسُ شَفَتَاهُ بِالْعَشِيِّ إِلَّا كَانَ نُوراً بَيْنَ عَيْنَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَة.[۶]

---

[۱] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۲۴، باب ۱۸

[۲] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۹، باب ۱۸

[۳] بارانوار: ج:۷۳، ص ۱۳۷، باب ۱۸

[۴] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۵، باب ۱۸

[۵] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۳۹، باب ۱۸۔

[۶] بحار الانوار ج ۷۳، ص ۱۳۹، باب ۱۸

جب تم روزہ رکھو تو صبح سویرے (اذان سے پہلے) مسواک کیا کرو اور شام کو (مغرب سے پہلے) مسواک نہ کیا کرو کیونکہ ہر روزہ دار کے دونوں ہونٹ شام تک خشک ہو جاتے ہیں اور یہ کیفیت روز قیامت اس کی آنکھوں کے سامنے ایک نور کی طرح نمودار ہوگی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

فَإِنَّ السِّوَاكَ فِي السَّحَرِ قَبلَ الوُضُوءِ مِنَ السُّنَّة.[۱]

سحر میں وضو سے پہلے مسواک کرنا سنت ہے۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے:

لَا تَدَعهُ فِي كُلِّ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَو أَن تُمِرَّهُ مَرَّةً وَاحِدَة.[۲]

تین دن میں ایک بار مسواک ضرور کرلیا کرو چاہے اسے ایک بار ہی دانتوں پر پھیر لو۔

۵۔ بال کٹوانا

سر کے بال اور مونچھیں چھوٹی کرنا اور داڑھی نہ مونڈنا بھی اسلام کے آداب میں شامل ہے جن کی پابندی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لِيَأْخُذْ أَحَدُكُمْ مِنْ شَارِبِهِ، وَ الشَّعْرَ الَّذِي فِي أَنْفِهِ، وَ لْيَتَعَاهَدْ نَفْسَهُ، فَإِنَّ ذَلِكَ يَزِيدُ فِي جَمَالِه.[۳]

تم میں سے ہر ایک اپنی مونچھیں اور ناک کے اندر اگنے والے بال ضرور کاٹتا رہے اور اپنی شکل وصورت کا خیال رکھے اس سے حسن وجمال میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

أَخذُ الشَّعرِ مِنَ الأَنفِ يُحَسِّنُ الوَجه.[۴]

---

[۱] وسائل الشیعہ، ج ۱

[۲] اصول کافی، ج ۳، بحار الانوار ج ۷۳، ص ۱۳۷، باب ۱۸

[۳] بحار الانوار، ج ۷۳، ص ۱۰۹، باب ۱۲

[۴] بحار الانوار: ص ۱۰۹، باب ۱۲

ناک کے بال کاٹنے سے چہرہ حسین معلوم ہوتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا يُطَوِّلَنَّ أَحَدُكُمْ شَارِبَهُ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَتَّخِذُهُ مَخْبَأً يَسْتَتِرُ بِهِ.[۱]

لمبی موچھیں نہ رکھو کیونکہ شیطان اسے اپنی پناہ گاہ بنا کر اسی میں چھپ جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ لَمْ يَأْخُذْ شَارِبَهُ فَلَيْسَ مِنَّا.

جو شخص اپنی موچھیں نہ کترواۓ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى وَلَا تَتَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.[۲]

موچھیں چھوٹی رکھو، اور داڑھی لمبی اور اپنے کو یہودیوں کی شبیہ نہ بناؤ۔

جناب علی بن جعفرؑ نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے داڑھی کا حکم معلوم کیا تو آپ نے فرمایا:

أَمَّا مِنْ عَارِضَيْهِ فَلَا بَأْسَ وَأَمَّا مِنْ مُقَدَّمِهَا فَلَا يَأْخُذْ.[۳]

رخسار کے اوپر سے تراشنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ سامنے کی طرف سے صاف نہ کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے داڑھی کی حدود کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

تَقْبِضُ بِيَدِكَ عَلَى اللِّحْيَةِ وَتَجُزُّ مَا فَضَلَ.[۴]

اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر دیکھو چنانچہ جتنی مٹھی سے زیادہ ہوا سے کاٹ دو۔

آپؑ ہی سے منقول ہے:

مَا زَادَ مِنَ اللِّحْيَةِ عَنِ الْقَبْضَةِ فَفِي النَّارِ.[۵]

ایک مٹھی سے اضافی داڑھی جہنم کا حصہ ہے۔

---

[۱] بحارالانوار: ص ۱۱۲، باب ۱۳

[۲] مکارم الاخلاق طبرسی

[۳] بحارالانوار: ص ۶۷ باب ۱۳، مکارم الاخلاق ص ۶۸

[۴] بحارالانوار: ج ۷۳، باب ۱۳، ص ۱۱۲

[۵] بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۱۲۹، باب ۱۳

بالوں کی خوبصورتی کے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

الشَّعْرُ الْحَسَنُ مِنْ كِسْوَةِ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى فَأَكْرِمُوهُ.[1]

اچھے بال، خدائی پوشاک ہیں لہٰذا ان کی عزت واحترام کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے:

الْمَشْطُ يَنْفِي الْفَقْرَ وَ يُذْهِبُ الدَّاءِ.[2]

کنگھی کرنے سے فقر اور مرض دور ہوتا ہے۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے:

إِمْرَارُ الْمُشْطِ عَلَى صَدْرِكَ يُذْهِبُ بِالْهَم.[3]

سینہ کے اوپر کنگھی پھیرنے سے رنج وغم دور ہوتا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ "خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"[4] (ہر نماز کے وقت بن سنور کے نکھر جایا کرو) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

مِنْ ذٰلِكَ التَّمَشُّطُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ.[5]

انہیں زینتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر نماز سے پہلے بالوں میں کنگھی کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا طَالَ طَالَ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ.[6]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال زیادہ سے زیادہ کانوں کی لووں تک لمبے رہتے تھے۔

ناخن کاٹنا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناخن کاٹنے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۱۱۶، باب ۱۴۔

[2] بحارالانوار: ص ۱۱۳، ۱۴

[3] بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۱۱۴، باب ۱۵

[4] سورہ اعراف آیت ۳۱

[5] مکارم الاخلاق: ص ۶۹۔

[6] مکارم الاخلاق، ص ۷۰۔

مَنْ قَلَّمَ أَظْفَارَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَخْرَجَ اللهُ مِنْ أَنَامِلِهِ دَاءً وَ أَدْخَلَ فِيهَا شِفَاءً.[۱]

جو شخص جمعہ کے دن اپنے ناخن کاٹے خداوند عالم اس کی انگلیوں سے بیماری باہر نکال کر ان میں شفا داخل کر دے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آپ کے ایک صحابی نے یہ عرض کی کہ مجھے ایسی دعا تعلیم فرمائیں جس سے میرے رزق میں اضافہ ہو جائے تو آپ نے فرمایا:

خُذْ مِنْ شَارِبِكَ وَ أَظْفَارِكَ وَ لْيَكُنْ ذَلِكَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ.[۲]

اپنی مونچھیں اور ناخن کاٹو اور یہ کام روز جمعہ کیا کرو۔

آپؑ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ يُؤْمِنُ الْجُذَامَ وَ الْبَرَصَ.[۳]

روز جمعہ ناخن کاٹنے سے جذام، برص اور نابینائی سے نجات مل جاتی ہے۔

آپؑ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے:

مَنْ قَلَّمَ أَظْفَارَهُ وَ قَصَّ شَارِبَهُ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللهِ وَ عَلَى سُنَّةِ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ أُعْطِيَ بِكُلِّ قُلَامَةٍ وَ جُزَازَةٍ عِتْقَ رَقَبَةٍ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيلَ.[۴]

جو شخص ہر جمعہ کو اپنے ناخن اور مونچھیں کاٹے اور پھر یہ کہے: "بِسْمِ اللهِ وَ عَلَى سُنَّةِ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ" تو اسے ہر ناخن کاٹنے کے بدلے اولاد جناب اسماعیلؑ میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

روز جمعہ کی تاکید اس لئے ہے تاکہ کم از کم ہر ہفتہ ہمیں صفائی کی عادت رہے ورنہ صفائی کا خیال رکھنا ہمیشہ اور ہر وقت ضروری ہے لہٰذا ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اگر ناخن بڑے ہو جائیں تو جمعہ کا انتظار کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ناخن اور مونچھیں صرف جمعہ کے دن ہی کاٹنا ضروری ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

---

[۱] مکارم الاخلاق: ص ۶۴۔

[۲] بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۱۰، باب ۱۳۔

[۳] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۱۰، باب ۱۳

[۴] بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۱۰، باب ۱۳۔

سُبْحَانَ اللهِ خُذْهَا إِنْ شِئْتَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَإِنْ شِئْتَ فِي سَائِرِ الْأَيَّامِ.[1]

تمہارا دل چاہے تو جمعہ کے دن کاٹ لو اور اس کے علاوہ بھی جس دن چاہو کاٹ سکتے ہو۔

یعنی اگر وقت نہ مل سکے تو کبھی بھی کاٹ سکتا ہے البتہ جمعہ کے دن کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ روز جمعہ یہ سارے کام مستحب ہیں چنانچہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا یہ ثواب بیان فرمایا:

لَا يَزَالُ مُطَهَّراً إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى.[2]

وہ آئندہ جمعہ تک پاکیزہ رہے گا۔

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت ہے:

مَنْ قَلَّمَ أَظْفَارَهُ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ وَأَخَذَ مِنْ شَارِبِهِ عُوفِيَ مِنْ وَجَعِ الْأَضْرَاسِ وَ وَجَعِ الْعَيْنِ.[3]

جو شخص ہفتہ اور جمعرات کو اپنے ناخن اور مونچھیں کاٹے گا وہ دانتوں اور آنکھوں کے درد سے محفوظ رہے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ناخن کاٹنے کا یہ طریقہ بیان فرمایا ہے۔

إِنَّ مَنْ يُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ يَبْدَأُ بِخِنْصِرِهِ مِنْ يَدِهِ الْيُسْرَى وَ يَخْتِمُ بِخِنْصِرِهِ مِنْ يَدِهِ الْيُمْنَى.[4]

جو شخص روز جمعہ اپنے ناخن کاٹے وہ بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔

---

[1] مکارم الاخلاق: ص ۶۴

[2] بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۱۰، باب ۱۳۔

[3] مکارم الاخلاق: ص ۶۵۔

[4] مکارم الاخلاق ص ۶۶

خلاصہ

اسلام نے صفائی اور حفظان صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے۔
اسی لئے مومنین کرام کو ہر روز مسواک کرنے اور ہر ہفتہ بال اور ناخن کاٹنے کی بھی بہت تاکید کی ہے۔

سوالات

۱۔مسواک کرنے کے بعد نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے اس بارے میں ایک حدیث نبوی بیان کیجئے؟
۲۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک کرنے کے کیا فوائد بیان فرمائے ہیں؟
۳۔مسواک کرنے کے بہترین اوقات اور اس کا طریقہ کیا ہے؟
۴۔سر کے بال اور داڑھی، مونچھیں کیسی ہونا چاہئیں؟ حدیث کی روشنی میں بتایئے۔
۵۔کنگھا کرنے کی کیا اہمیت ہے؟ ایک حدیث ذکر کریں۔
۶۔ناخن کاٹنے کا صحیح طریقہ اور اس کا مناسب وقت کیا ہے؟

باب۔۴۷

نظافت و آرائش ③

۷۔عطریات اور خوشبو کا استعمال

روایات اور احادیث معصومین علیہم السلام میں عطر اور خوشبو استعمال کرنے کی کافی تاکید موجود ہے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

الطِّيبُ يَشُدُّ الْقَلْبَ.[1]

خوشبو سے دل مضبوط ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

الْعِطْرُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ.[2]

عطر مرسلین کی سنت ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے:

الطِّيبُ مِنْ أَخْلَاقِ الْأَنْبِيَاءِ.[3]

خوشبو انبیاء کے اخلاق کا جز ہے۔

---

[1] اصول کافی، ج ٦ ص ٥١٠

[2] اصول کافی، ج ٦ ص ٥١٠

[3] مکارم الاخلاق، ص ۴٠۔

آپؑ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

مِنْ أَخْلَاقِ الْأَنْبِيَاءِ ع التَّطَيُّب.[۱]

اخلاق انبیاء میں خوشبو کا استعمال کرنا بھی شامل ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعَالَى يُحِبُّ الْجَمَالَ وَ التَّجَمُّلَ وَيَكْرَهُ الْبُؤْسَ وَ التَّبَؤُّسَ وَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا أَنْعَمَ عَلَى عَبْدٍ نِعْمَةً أَحَبَّ أَنْ يَرَى عَلَيْهِ أَثَرَهَا قِيلَ وَ كَيْفَ ذَلِكَ قَالَ يُنَظِّفُ ثَوْبَهُ وَ يُطَيِّبُ رِيحَهُ وَ يُجَصِّصُ دَارَهُ وَيَكْنُسُ أَفْنِيَتَهُ حَتَّى إِنَّ السِّرَاجَ قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ يَنْفِي الْفَقْرَ وَيَزِيدُ فِي الرِّزْقِ.[۲]

خداوند عالم حسن و جمال اور زینت کرنے کو پسند کرتا ہے نیز بدصورت اور گندہ بنے رہنے سے کراہیت رکھتا ہے خداوند عالم اپنے کسی بندے پر جب کوئی نعمت نازل کرتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے اندر اس کا اثر بھی نمایاں ہو۔

عرض کیا گیا: وہ کس طرح؟

فرمایا: اس طرح کہ اپنے کپڑے صاف ستھرے رکھے، خوشبو لگائے، گھر کی صفائی کرے، جھاڑو لگائے حتیٰ کہ سورج ڈوبنے سے پہلے چراغ روشن کرنے سے فقر دور ہوتا ہے اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمُ النِّسَاءُ وَ الطِّيبُ وَ جُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ.[۳]

تمہاری دنیا میں سے عورتوں اور خوشبو کو میرے لئے پسندیدہ بنایا گیا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اسی طرح آپؐ نے فرمایا ہے:

أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْعِطْرُ وَ النِّسَاءُ وَ السِّوَاكُ وَ الْحِنَّاءُ.[۴]

چار چیزیں انبیاء کی سنت ہیں، عطر، عورتیں، مسواک، مہندی۔

ایک اور روایت میں آپ سے نقل کیا گیا ہے:

---

[۱] مکارم الاخلاق، ص ۴۰۔
[۲] مکارم الاخلاق: ص ۴۱
[۳] بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۴۲ باب ۱۹
[۴] بحار الانوار: ج ۷۳ ص ۱۴۲ باب ۱۹

لَاتَدَعِ الطِّيبَ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَسْتَنْشِقُ رِيحَ الطِّيبِ مِنَ الْمُؤْمِنِ، فَلَا تَدَعِ الطِّيبَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ. [۱]

خوشبو کے استعمال کو ترک نہ کرنا کیونکہ ملائکہ مومن کی خوشبو کو سونگھتے ہیں لہٰذا جمعہ کے دن خوشبو کے استعمال کو ترک نہ کرنا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

مَنْ تَطَيَّبَ أَوَّلَ النَّهَارِ، لَمْ يَزَلْ عَقْلُهُ مَعَهُ إِلَى اللَّيْلِ. [۲]

'جو شخص دن کے آغاز میں خوشبو استعمال کرے گا تو رات تک اس کی عقل اس کے ساتھ رہے گی۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يَدَعَ الطِّيبَ فِي كُلِّ يَوْمٍ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ فَيَوْمٌ وَ يَوْمٌ لَا فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ وَلَا يَدَعْ. [۳]

انسان کو کسی بھی دن خوشبو ترک نہیں کرنا چاہئے اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایک دن چھوڑ کر لگائے اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو سکے تو پھر ہر جمعہ کو لگائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَا أَنْفَقْتَ فِي الطِّيبِ فَلَيْسَ بِسَرَفٍ. [۴]

خوشبو کے لئے جتنا خرچ کیا جائے اسراف نہیں ہے۔

آپؑ سے یہ بھی منقول ہے:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنْفِقُ فِي الطِّيبِ أَكْثَرَ مِمَّا يُنْفِقُ فِي الطَّعَامِ. [۵]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو کیلئے اپنے کھانے سے زیادہ خرچ کیا کرتے تھے۔

مولائے کائنات علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:

---

[۱] اصول کافی: ج ۶ ص ۵۱۱

[۲] اصول کافی: ج ۶، ص ۵۱۰۔

[۳] اصول کافی: ج ۶، ص ۵۱۰۔

[۴] مکارم الاخلاق: ص ۴۱۔

[۵] وسائل الشیعہ: ج ۲ ص ۱۴۶۔

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ و آلہ کَانَ لَایَرُدُّ الطِّیبَ وَ الْحَلْوَاء. [1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو اور حلوے سے کبھی منع نہیں کرتے تھے۔

انس بن مالک کا بیان ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب کبھی بھی عطر پیش کیا جاتا تھا تو آپ اسے واپس نہیں کرتے تھے۔ [2]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آپ کے کسی صحابی نے یہ سوال کیا کہ جسے ہدیہ میں عطر دیا جائے اور وہ اسے واپس کر دے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

لَا یَنْبَغِی لَهُ أَنْ یَرُدَّ الْکَرَامَة. [3]

اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کریمانہ کار خیر کو رد کر دے۔

۸۔ گھر اور اس کے اطراف کی صفائی

اسلام نے جس طرح بدن اور لباس کی صفائی کی تاکید کی ہے اور اس کے لئے خاص آداب وضع کئے ہیں اسی طرح اس نے گھر اور گلی کوچوں بلکہ انسان سے متعلق تمام چیزوں کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے مختصر یہ کہ اسلام ہر چیز کو صاف ستھرا اور جاذب نظر دیکھنا چاہتا ہے تاکہ مسلمان کو صرف اپنے اخلاق اور معنویات ہی نہیں بلکہ اپنے عادات و اطوار اور صفائی، ستھرائی، خوش نما ظاہر اور صاف ستھرے معاشرے اور ماحول کی بنا پر غیروں کے لئے نمونہ عمل ہونا چاہئے۔ مذہب اسلام اور ہادیان دین کو اسلامی معاشرہ میں ثقافت و گندگی، نحوست کسی بھی سطح پر گوارہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مختلف قسم کی بیماریوں اور وباؤں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔۔ اسی لئے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ بعض روایات میں ''شیطان'' سے مراد جراثیم اور بیماری کے وائرس ہیں مثال کے طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

لَا یُطَوِّلَنَّ أَحَدُکُمْ شَارِبَهُ، فَإِنَّ الشَّیْطَانَ یَتَّخِذُهُ مَخْبَأً یَسْتَتِرُ بِهِ. [4]

کوئی بھی مونچھیں نہ بڑھائے کیونکہ شیطان اس میں گھونسلا بنا لیتا ہے اور اس میں چھپا رہتا ہے۔

---

[1] اصول کافی: ج ۶ ص ۵۱۳

[2] سنن ابن ماجہ: ج ۸۔

[3] وسائل الشیعہ: ج ۲ ص ۱۴۷۔

[4] اصول کافی: ج ۶ ص ۴۸۸۔

چنانچہ اگر ہم سب پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی ان تعلیمات پر باقاعدہ عمل کریں تو ہماری زندگی بالکل صاف و شفاف ہوجائے گی اور ہمارا ماحول بھی ہر طرح کی آلودگی، گندگی، بیماری، اور وبا سے محفوظ رہے گا۔

اس بارے میں دو طرح کی احادیث پائی جاتی ہیں کچھ احادیث میں ماحول کی صفائی پر زور دیا گیا ہے جبکہ کچھ احادیث میں اس کے آداب اور طریقے بتائے گئے ہیں۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ ہم جس حد تک اپنے گھر کی صفائی کا خیال رکھیں گے اتنا ہی ہمیں ماحول اور اپنے گھر کے اطراف کی صفائی کا خیال بھی رہے گا کیونکہ گھر سے باہر کی صفائی کا دارومدار بھی دراصل گھر کی صفائی پر ہے کیونکہ جو شخص اپنے گھر میں صاف ستھرا رہنے کا عادی ہو وہ گھر سے باہر بھی صاف ستھرا رہنے کی کوشش کرے گا اور گلی کوچوں اور سڑکوں کو گندہ کر کے دوسروں کے حقوق ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

كَنْسُ الْبُيُوتِ يَنْفِي الْفَقْرَ.[۱]

گھر میں جھاڑو لگانے سے فقر دور ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

غَسْلُ الْإِنَاءِ وَ كَسْحُ الْفِنَاءِ مَجْلَبَةٌ لِلرِّزْقِ.[۲]

برتن دھونے اور گھر میں جھاڑو لگانے سے رزق بڑھتا ہے۔

حدیث نبویؐ میں ہے کہ:

لَا تُؤْوُوا مِنْدِيلَ اللَّحْمِ فِي الْبَيْتِ فَإِنَّهُ مَرْبِضُ الشَّيْطَانِ وَ لَا تُؤْوُوا التُّرَابَ خَلْفَ الْبَابِ فَإِنَّهُ مَأْوَى الشَّيَاطِينِ.[۳]

گوشت کے کپڑے کو گھر میں نہ چھوڑو کیونکہ وہ شیطان کا ٹھکانہ ہے اور اسی طرح کوڑا کرکٹ دروازے کے پیچھے نہ چھوڑ دو کیونکہ وہ شیطان کی پناہ گاہ ہے۔

اسی طرح آپ سے یہ بھی نقل ہوا ہے:

---

[۱] وسائل الشیعہ: ج۵ ص۳۱۷۔

[۲] وسائل الشیعہ ج۵ ص۳۱۷۔

[۳] بحار انوار؛ ج۷۳ ص۱۱۴، باب۳۶

لَا تُبَيِّتُوا الْقُمَامَةَ فِي بُيُوتِكُمْ وَ أَخْرِجُوهَا نَهَاراً فَإِنَّهَا مَقْعَدُ الشَّيْطَانِ.[1]

رات کو اپنے گھر میں کوڑا نہ رہنے دو بلکہ دن میں ہی اسے باہر پھینک دو کیونکہ وہ شیطان کا مسکن ہے۔

امیرالمومنینؑ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَذَرُوا مِنْدِيلَ الْغَمَرِ فِي الْبَيْتِ فَإِنَّهُ مَرْبِضٌ لِلشَّيْطَانِ.[2]

چربی لگے ہوئے کپڑے کو گھر میں نہ چھوڑا کرو کیونکہ وہ شیطان کا ٹھکانہ ہے۔

آپؑ سے یہ بھی منقول ہے:

بَيْتُ الشَّيَاطِينِ مِنْ بُيُوتِكُمْ بَيْتُ الْعَنْكَبُوت.[3]

تمہارے گھروں کے اندر شیطان کا گھر مکڑی کے جالے ہیں۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے:

نَظِّفُوا بُيُوتَكُمْ مِنْ حَوْكِ الْعَنْكَبُوتِ، فَإِنَّ تَرْكَهُ فِي الْبَيْتِ يُورِثُ الْفَقْرَ

گھر کو مکڑی کے جالوں سے صاف رکھو کیونکہ انہیں گھر میں چھوڑ دینے سے غربت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَنْ يَدْخُلَ بَيْتاً مُظْلِماً إِلَّا بِمِصْبَاحٍ.[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاریک گھر میں چراغ لئے بغیر داخل ہونے سے منع فرمایا۔

یا دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَرِهَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتاً مُظْلِماً إِلَّا بِسِرَاجٍ.

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریک گھر میں چراغ کے بغیر داخل ہونے سے کراہت کرتے تھے۔

آپؐ ہی سے یہ روایت بھی ہے:

السِّرَاجُ قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ يَنْفِي الْفَقْرَ وَيَزِيدُ فِي الرِّزْقِ.[5]

---

[1] وسائل الشیعہ: ج ۵، ص ۳۱۸
[2] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۷۶، باب ۳۶
[3] وسائل الشیعہ: ج ۵، ص ۳۲۲۔
[4] وسائل الشیعہ: ج ۵، ص ۳۲۲۔
[5] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۱۷۵، باب ۳۶

سورج ڈوبنے سے پہلے چراغ جلانے سے غربت دور ہوتی ہے اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِسْرَاجُ السِّرَاجِ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ يَنْفِي الْفَقْرَ.[1]

سورج ڈوبنے سے پہلے چراغ جلانے سے فقر دور ہوتا ہے۔

ماحولیاتی صفائی

روایات میں عام لوگوں کے استعمال میں آنے والے مقامات جیسے سڑک، گلی کوچے، پانی کے چشمے (ٹنکیاں) پھل دار درخت، سایہ دار درخت جن کے سائے میں لوگ بیٹھتے ہیں مسجد اور گھروں کے آس پاس یا جس جگہ بھی لوگوں کو پریشانی ہو وہاں پیشاب، پاخانہ کرنے اور ان جگھوں کو گندہ کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباء طاہرینؑ کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے

نَهَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ يُتَغَوَّطَ عَلَى شَفِيرِ بِئْرِ مَاءٍ يُسْتَعْذَبُ مِنْهَا أَوْ نَهْرٍ يُسْتَعْذَبُ أَوْ تَحْتَ شَجَرَةٍ فِيهَا ثَمَرَتُهَا.[2]

جس کنویں سے لوگ پینے کا پانی بھرتے ہیں اس کے دہانے پر یا پینے کے پانی کی نہر کے راستے پر یا پھل دار درخت کے نیچے پاخانہ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

آپؑ نے یہ روایت کی ہے کہ

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثَلَاثٌ مَلْعُونٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ الْمُتَغَوِّطُ فِي ظِلِّ النُّزَّالِ وَ الْمَانِعُ الْمَاءَ الْمُنْتَابَ وَ سَادُّ الطَّرِيقِ الْمَسْلُوكِ.[3]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”تین آدمی تین آدمی، تین آدمی، اپنی حرکتوں کی وجہ سے ملعون ہیں، سایہ دار جگہ پر (جہاں لوگ ٹھہرتے ہیں) پاخانہ کرنے والا، دوسروں کا پانی روکنے والا، عام راستوں کو بند کرنے والا۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:

---

[1] وسائل الشیعہ: ج ۳، ص ۵۷۳۔
[2] وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۲۵
[3] وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۲۵

نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَبُولَ أَحَدٌ تَحْتَ شَجَرَةٍ مُثْمِرَةٍ أَوْ عَلَى قَارِعَةِ الطَّرِيقِ.[1]

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھل دار درخت اور راستوں پر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین علیہم السلام کے واسطہ سے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت نقل کی ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ كَرِهَ لَكُمْ أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ أَرْبَعاً وَ عِشْرِينَ خَصْلَةً وَ نَهَاكُمْ عَنْهَا إِلَى أَنْ قَالَ وَ كَرِهَ الْبَوْلَ عَلَى شَطِّ نَهَرٍ جَارٍ وَ كَرِهَ أَنْ يُحْدِثَ الرَّجُلُ تَحْتَ شَجَرَةٍ مُثْمِرَةٍ قَدْ أَيْنَعَتْ أَوْ نَخْلَةٍ قَدْ أَيْنَعَتْ يَعْنِي أَثْمَرَتْ.[2]

اے میری امت کے لوگو! خداوند عالم کو تمہارے لئے چوبیس چیزیں پسند نہیں ہیں اسی لئے اس نے تمہیں ان سے منع کیا ہے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: کوئی جاری نہر کے ساحل پر پیشاب کرے یا کسی پھل دار درخت کے نیچے یا جس درخت پر کھجوریں لگی ہوں اس کے نیچے پاخانہ کرے یہ بھی اسے پسند نہیں ہے۔

کسی شخص نے امام زین العابدین علیہ السلام سے سوال کیا کہ پاخانہ کس جگہ کر سکتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

يَتَّقِي شُطُوطَ الْأَنْهَارِ وَ الطُّرُقَ النَّافِذَةَ وَ تَحْتَ الْأَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ وَ مَوَاضِعَ اللَّعْنِ فَقِيلَ لَهُ وَ أَيْنَ مَوَاضِعُ اللَّعْنِ قَالَ أَبْوَابُ الدُّورِ.[3]

نہروں کے ساحل، عام راستوں، پھل دار درختوں کے نیچے اور لعنت و ملامت کی جگہ سے دور، عرض کیا گیا کہ یہ لعنت و ملامت والی جگہیں کونسی ہیں تو فرمایا: گھروں کے دروازے۔

---

[1] وسائل الشعیہ: ج ۱ص ۳۲۵۔

[2] وسائل الشیعہ: ج ۱ص ۳۲۸

[3] وسائل الشیعہ: ج ۱، ص ۳۲۴۔

خلاصہ

عطر لگانے، گھر اور ماحول کو صاف رکھنے کیلئے بھی اسلام نے خاص تاکید کی ہے۔
اس سے اسلامی سماج اور معاشرہ صاف ستھرا رہتا ہے۔

سوالات

۱۔خوشبو اور عطر لگانے کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرمائیں؟
۲۔عطر کے اوپر مسلمان کو کتنے اخراجات کرنا چاہئیں؟
۳۔گھر کی صفائی کے بارے میں معصومین علیہم السلام نے کیا فرمایا ہے؟
۴۔کن جگہوں پر پیشاب، پاخانہ کرنا منع ہے؟

باب۔ ۴۸

بیت الخلاء کے آداب

بدن، لباس، گھر اور ماحول کی صفائی کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے کے بعد اس موضوع کی تکمیل کیلئے بیت الخلاء کے آداب کے بارے میں بھی اسلامی تاکیدات کی طرف ایک اشارہ کیا جا رہا ہے۔

ا۔ لوگوں کی نگاہ سے دور

ایسی جگہ قضائے حاجت کرے کہ جہاں لوگ اسے نہ دیکھ سکیں لہٰذا اگر بیت الخلاء بنا ہو تو وہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کی دیواریں بلند ہوں اور حتی الامکان چھت اور دروازہ بھی ہوتا کہ کسی کی نگاہ نہ پڑنے پائے اور اگر صحرا و بیابان میں ہو تو لوگوں کی نگاہوں سے دور چلا جائے یا کسی گہرائی میں یا ٹیلہ کے پیچھے بیٹھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

مَنۡ أَتَى الۡغَائِطَ فَلۡيَسۡتَتِرۡ [1]

جو آدمی پاخانہ کرنے جائے وہ اپنے کو (دوسروں کی نظروں سے) چھپائے۔

آپؑ ہی سے یہ روایت منقول ہے۔

قَالَ لُقۡمَانُ لِابۡنِهِ إِذَا سَافَرۡتَ مَعَ قَوۡمٍ فَأَكۡثِرِ اسۡتِشَارَتَهُمۡ. (إلى آن قال) وَ إِذَا أَرَدۡتَ قَضَاءَ حَاجَتِكَ فَأَبۡعِدِ الۡمَذۡهَبَ فِي الۡأَرۡضِ

جناب لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: جب تم کسی قوم و قبیلہ کے ساتھ سفر کرو تو ان سے زیادہ سے زیادہ مشورہ کرو

[1] وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۰۶۔

یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اور جب تمہیں بیت الخلاء کی حاجت ہو تو راستہ سے دور چلے جاؤ۔

آپؑ ہی سے یہ بھی روایت ہے:

مَا أُوتِيَ لُقْمَانُ الْحِكْمَةَ بِحَسَبٍ وَلَا مَالٍ- وَلَا أَهْلٍ وَلَا بَسْطٍ فِي جِسْمٍ وَلَا جَمَالٍ- وَلَكِنَّهُ كَانَ رَجُلًا قَوِيّاً فِي أَمْرِ اللهِ مُتَوَرِّعاً فِي اللهِ- سَاكِتاً سَكِيناً (الیٰ ان قالَ:) وَلَمْ يَرَهُ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ عَلَى بَوْلٍ- وَلَا غَائِطٍ وَلَا اغْتِسَالٍ لِشِدَّةِ تَسَتُّرِهِ- وَعُمْقِ نَظَرِهِ وَتَحَفُّظِهِ فِي أَمْرِهِ (الیٰ ان قالَ:) فَبِذَلِكَ أُوتِيَ الْحِكْمَةَ وَمُنِحَ الْعِصْمَةَ.[1]

جناب لقمان کو حسب ونسب اور مال ودولت یا جسمانی صحت یا حسن وجمال کی وجہ سے حکمت نہیں دی گئی تھی بلکہ وہ خدائی معاملات میں بہت مضبوط تھے اور خدا سے بہت زیادہ ڈرنے والے، صاحب ورع، پرسکون اور خاموش مزاج تھے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ وہ ستر کے اس قدر پابند تھے کہ ان کو کسی نے کبھی بھی پیشاب یا پاخانہ یا غسل کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اسی لئے انہیں حکمت اور دوسری صلاحیتیں عطا کی گئی تھی۔

۲۔ شرمگاہ چھپانا

ہر مسلمان کے اوپر دوسروں سے اپنے شرمگاہ کو چھپانا ہمیشہ واجب ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ''حدیث مناہی'' میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

إِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فِي فَضَاءٍ مِنَ الْأَرْضِ فَلْيُحَاذِرْ عَلَى عَوْرَتِهِ وَقَالَ لَا يَدْخُلَنَّ أَحَدُكُمُ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ وَ نَهَى أَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ وَ قَالَ مَنْ تَأَمَّلَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ- لَعَنَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ وَ نَهَى الْمَرْأَةَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَ قَالَ مَنْ نَظَرَ إِلَى عَوْرَةِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ أَوْ عَوْرَةِ غَيْرِ أَهْلِهِ مُتَعَمِّداً أَدْخَلَهُ اللهُ مَعَ الْمُنَافِقِينَ الَّذِينَ كَانُوا يَبْحَثُونَ عَنْ عَوْرَاتِ النَّاسِ وَلَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى يَفْضَحَهُ اللهُ إِلَّا أَنْ يَتُوبَ.[2]

اگر تم میں سے کوئی شخص کھلی جگہ پر نہائے تو اپنی شرمگاہ کو چھپائے رکھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ کوئی بھی حمام میں بغیر لنگی کے داخل نہ ہو اور کسی مسلمان کی شرمگاہ کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی شرمگاہ کو غور سے دیکھے اس کے اوپر ستر ہزار فرشتوں کی لعنت ہے۔ اسی طرح آپ نے عورتوں کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنے سے منع

---

[1] وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۰۵۔

[2] وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۲۹۹۔

فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے شریک زندگی کے علاوہ کسی مسلمان یا کسی اور کی شرمگاہ کو جان بوجھ کر دیکھے گا خداوند عالم اسے منافقین میں شامل کر دے گا جو لوگوں کی شرمگاہوں کی ٹوہ میں رہتے ہیں اور وہ شخص دنیا سے اس عالم میں جائے گا خداوند عالم اس کو رسوا اور ذلیل کر کے رکھ دے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے پروردگار عالم کے اس قول "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ "[1] کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا:

كُلُّ مَا كَانَ فِي كِتَابِ اللهِ تَعَالَى مِنْ ذِكْرِ حِفْظِ الْفَرْجِ فَهُوَ مِنَ الزِّنَا إِلَّا فِي هَذَا الْمَوْضِعِ فَإِنَّهُ لِلْحِفْظِ مِنْ أَنْ يُنْظَرَ إِلَيْهِ.[2]

قرآن مجید میں جس جگہ بھی شرمگاہ کی حفاظت کا تذکرہ ہے اس سے مراد ''زنا'' ہے مگر صرف اس آیت میں اسے دوسروں کی نظروں سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ قبلہ کی سمت سے بچنا

قبلہ کی طرف پیٹھ یا رخ کر کے پیشاب یا پاخانہ کیلئے کھڑے ہونا یا بیٹھنا حرام ہے اسے اسلام نے گناہ قرار دیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

إِذَا دَخَلْتُمُ الْغَائِطَ فَتَجَنَّبُوا الْقِبْلَةَ.[3]

جب بیت الخلاء میں داخل ہو تو قبلہ کی سمت نہ بیٹھو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

نَهَى عَنِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ بِبَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ.[4]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت روبقبلہ ہونے سے منع کیا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث نبویؐ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

[1] سورہ نور آیت ۳۰

[2] وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۰۰۔

[3] وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۰۲

[4] وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۰۰۔

إِذَا دَخَلْتَ الْمَخْرَجَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرْهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا.[1]

جب تم بیت الخلاء میں داخل ہوتو قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ کر کے نہ بیٹھو بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب مڑ جاؤ۔

(واضح رہے کہ اس حدیث میں مشرق یا مغرب کی طرف مڑ جانے سے مراد یہ ہے کہ قبلہ کی سمت نہ ہو لہٰذا کسی ملک کا قبلہ اگر مغرب یا مشرق میں ہو تو پھر شمال یا جنوب کی طرف مڑ جائے)

اس بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ ہوا کے رخ پر نہ بیٹھے جیسا کہ حضرت امام علی رضاؑ کا ارشاد ہے:

لَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرْهَا، وَلَا تَسْتَقْبِلِ الرِّيحَ وَلَا تَسْتَدْبِرْهَا ۔[2]

پیشاب پاخانہ کے لئے رو بقبلہ یا پشت بقبلہ نہ بیٹھے اور نہ ہی ہوا کے رخ پر اور نہ اس کی طرف پیٹھ کر کے۔

۴۔ خاموش رہنا

پاخانہ کرتے وقت بولنا یا تلاوت قرآن کرنا بھی صحیح نہیں ہے البتہ اگر اذان کی آواز سنائی دے رہی ہو تو ذکر الٰہی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ:

نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُجِيبَ الرَّجُلُ أَحَداً وَهُوَ عَلَى الْغَائِطِ أَوْ يُكَلِّمَهُ حَتَّى يَفْرُغَ.[3]

پاخانہ کرتے وقت کسی دوسرے کا جواب نہ دے اور جب تک فارغ نہ ہو جائے کوئی بات بھی نہ کرے۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:

قَالَ سَبْعَةٌ لَا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ الرَّاكِعُ وَ السَّاجِدُ وَ فِي الْكَنِيفِ وَ فِي الْحَمَّامِ وَ الْجُنُبُ وَ النُّفَسَاءُ وَ الْحَائِضُ.[4]

سات تلاوت قرآن نہ کریں، رکوع وسجود کرنے والا، بیت الخلاء اور حمام میں، مجنب، نفساء اور حائض۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

إِنْ سَمِعْتَ الْأَذَانَ وَأَنْتَ عَلَى الْخَلَاءِ فَقُلْ مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ وَلَا تَدَعْ ذِكْرَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

---

[1] وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۰۲۔

[2] بحار الانوار: ج ۷۷ ص ۱۸۲ باب ۲۔

[3] وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۰۹۔

[4] بحار الانوار: ج ۷۷ ص ۱۷۴، باب ۲۔

فِي تِلْكَ الْحَالِ لِأَنَّ ذِكْرَ اللهِ حَسَنٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ.[1]

جب اذان کی آواز سنو اور تم بیت الخلاء کے اندر ہو تو جو کچھ موذن کہے اسے دہراتے رہو اور اس وقت بھی ذکر الٰہی کو ترک نہ کرو کیونکہ ذکر الٰہی ہر حال میں بہتر ہے۔

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

لَا بَأْسَ بِذِكْرِ اللهِ وَ أَنْتَ تَبُولُ فَإِنَّ ذِكْرَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ حَسَنٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ فَلَا تَسْأَمْ مِنْ ذِكْرِ اللهِ.[2]

اگر تم پیشاب کر رہے ہو تب بھی ذکر الٰہی میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ذکر الٰہی ہر حالت میں بہتر اور حسن ہے اور ذکر الٰہی سے کبھی رنجیدہ خاطر مت ہونا۔

۵۔ بقیہ آداب

بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پیر رکھے اور باہر نکلتے وقت پہلے دایاں پیر باہر نکالے۔ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

الْبَوْلُ قَائِماً مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ مِنَ الْجَفَاءِ وَ الِاسْتِنْجَاءُ بِالْيَمِينِ مِنَ الْجَفَاءِ.[3]

بلاسبب کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ظلم و جفا ہے اور اسی طرح دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا بھی جفا ہے۔

سخت جگہ پر جیسے پتھر یا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین علیہم السلام کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ آپ کا ارشاد ہے

الْبَوْلُ فِي الْمَاءِ الْقَائِمِ مِنَ الْجَفَاءِ[4]

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا جفا ہے۔

اسی طرح آداب بیت الخلاء کے سلسلہ میں یہ بھی ہے جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ:

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۷، ص ۱۷۵، باب ۲

[2] بحارالانوار: ج ۷۷ ص ۱۹۰، باب ۲۔

[3] بحارالانوار: ج ۷۷ ص ۱۷۴، باب ۲

[4] بحارالانوار: ج ۷۷، ص ۱۸۸، باب ۲

نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُطَمِّحَ الرَّجُلُ بِبَوْلِهِ مِنَ السَّطْحِ فِي الْهَوَاءِ.[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلندی سے ہوا میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بیت الخلاء کے کچھ اور آداب ہیں جن میں سے کچھ تو آپ گذشتہ دو اسباق میں پڑھ چکے ہیں البتہ نجاسات سے اجتناب اور طہارت کرنے کا طریقہ کیا ہے اس کی وضاحت آئندہ سبق میں پیش کی جائے گی۔

---

[1] بحارالانوار: ج ۷۷، ص ۱۸۸، باب ۲۔

خلاصہ

اسلام نے بیت الخلاء کے مندرجہ ذیل آداب بتائے ہیں:

۱۔شرمگاہ کو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا،

۲۔قبلہ کی طرف رُخ یا پیٹھ نہ کرنا،

۳۔خاموش بیٹھنا البتہ اگر اذان کی آواز سنائی دے تو اس کو دہرا کر ذکر الٰہی کرتا رہے۔

سوالات

۱۔جناب لقمان کو کن اسباب کی بنا پر حکمت عطا کی گئی؟

۲۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کی شرمگاہ دیکھنے والے کے بارے کیا فرمایا ہے؟ ایک حدیث ذکر کریں؟

۳۔بیت الخلاء کے وقت کس رخ بیٹھنا حرام ہے؟

۴۔کیا رفع حاجت کے دوران بات کر سکتے ہیں؟

۵۔بیت الخلاء کے آداب مختصر طور سے بیان کیجئے؟

باب۔ ۴۹

کھانے پینے کے آداب (۱)

انسانی زندگی کی نشوونما اور اس کی بقاء کا دارومدار کھانے پینے پر ہے لہٰذا کھانا پینا فطری شے ہے اسی لئے اسلام نے اس کو خاص اہمیت دی ہے اور اس کے لئے مخصوص اخلاقی ،فقہی آداب اور احکام بیان کئے ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ اگر ان آداب پر اچھی طرح عمل کیا جائے تو نہ صرف ایک مسلمان بلکہ پورا اسلامی معاشرہ بڑے سکون کے ساتھ پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرسکتا ہے اور اسلامی نکتۂ نظر کے مطابق پاک و پاکیزہ زندگی اسی کو کہا جاتا ہے کہ جس میں انسان اپنی تمام مادی اور روحانی ضروریات حاصل کر سکے۔

انشاءاللہ ہم آئندہ اسباق میں آپ کو کھانے ، پینے کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں گے۔

۱۔حلال اور پاک غذا

کسی غذا کو استعمال کرنے سے پہلے ہر مسلمان کو چند بنیادی چیزوں پر توجہ رکھنا چاہئے۔

۱۔غذا حلال ہو: اسلام میں حرام چیزوں کا استعمال ممنوع ہے جیسے مردار، سور کا گوشت، یا شراب لہٰذا گوشت کھاتے وقت مسلمان کو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ کس جانور کا گوشت ہے اور دوسرے یہ کہ جانور اسلامی احکامات کے مطابق ذبح ہوا ہے یا نہیں؟

۲۔غذا پاک ہو: یعنی کھانا تیار کرتے وقت اس میں کوئی نجس یا حرام چیز نہ ملی ہو کیونکہ اگر کھانے میں کوئی حرام چیز موجود ہو تو اس سے دل کی نورانیت اور روح کی شفافیت ختم ہو جاتی ہے اور انسانی روحانی کمالات کی بلندیوں تک نہیں پہنچ پاتا یہی وجہ ہے کہ اسلامی کتب میں بازار کے بنے ہوئے کھانے سے پرہیز کرنے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ غذائی اشیاء بنانے

والے شرعی احکام کا مکمل خیال نہیں رکھتے البتہ یہ دھیان رہے کہ اگر چہ اسلامی ممالک میں بازار کے کھانے حلال اور پاک ہیں پھر بھی ان کی استعمال سے اس لئے منع کیا گیا ہے تاکہ انسان کے اخلاقیات پر برا اثر نہ پڑنے پائے یہ صرف ایک اخلاقی حکم ہے۔

۳۔ غذا حلال ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو ہمیشہ رزق حلال استعمال کرے اسلام میں حلال اور حرام کمائی کے طریقوں کی بخوبی وضاحت موجود ہے اسی طرح حلال طور پر حاصل ہونے کے بعد اس کو پاک و پاکیزہ رکھنا بھی ضروری ہے یعنی شریعت نے ہمارے اموال میں جو خمس یا زکات واجب کی ہے اسے بھی ضرور ادا کیا جائے لہٰذا ہر مسلمان کو یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ اس کی پوری کمائی بالکل حلال ہو اور اس کا کوئی کاروبار یا تجارت میں مال حرام شامل نہ ہو۔

۲۔ ہاتھ دھونا

صبح سے شام تک انسان نہ جانے کتنے کام کرتا ہے جن کی بنا پر اس کے ہاتھ گندے ہوجاتے ہیں لہٰذا کھانا شروع کرنے سے پہلے ہر مسلمان کو ہاتھ ضرور دھونا چاہئے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

الْوُضُوءُ قَبْلَ الطَّعَامِ يَنْفِي الْفَقْرَ وَبَعْدَهُ يَنْفِي الْهَمَّ وَ يُصَحِّحُ الْبَصَرَ.[۱]

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے غربت دور ہوتی ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے جنون دور ہوتا ہے اور آنکھوں کی بینائی درست رہتی ہے

آپؐ سے یہ بھی منقول ہے:

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكْثُرَ خَيْرُهُ فَلْيَتَوَضَّأْ عِنْدَ حُضُورِ طَعَامِهِ.[۲]

جسے اپنی بھلائی اور خیر کی زیادتی درکار ہے تو وہ کھانا کھانے سے پہلے وضو کرلیا کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

مَنْ غَسَلَ يَدَهُ قَبْلَ الطَّعَامِ وَ بَعْدَهُ بُورِكَ لَهُ فِي أَوَّلِهِ وَ آخِرِهِ وَ عَاشَ مَا عَاشَ فِي سَعَةٍ وَ عُوفِيَ مِنْ بَلْوَى فِي جَسَدِهِ[۳]

جو شخص کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے تو وہ کھانا شروع سے آخر تک اس کے لئے بابرکت

---

[۱] مکارم الاخلاق: ص ۱۳۹
[۲] مکارم الاخلاق ص ۱۳۹
[۳] مکارم الاخلاق ص ۱۳۹

ہوجائے گا اور جب تک زندہ رہے گا زندگی آسان رہے گی اور جسمانی بلاؤں (بیماریوں) سے محفوظ رہے گا۔

آپؑ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

مَنْ غَسَلَ يَدَهُ قَبْلَ الطَّعَامِ فَلَا يَمْسَحُهَا بِالْمِنْدِيلِ فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ الْبَرَكَةُ فِي الطَّعَامِ مَا دَامَ النَّدَاوَةُ فِي الْيَدِ.[۱]

کھانے سے پہلے ہاتھ دھوکر اسے رومال سے خشک نہ کرو کیونکہ جب تک ہاتھ میں تری باقی رہے گی کھانے میں بھی برکت رہے گی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جناب صفوان جمال بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امامؑ کی خدمت میں حاضر تھا چنانچہ جب دسترخوان بچھایا گیا تو ایک خادم نے برتن میں آپ کے ہاتھ دھلائے اور جب اس خادم نے آپ کی خدمت میں تولیہ پیش کیا تو آپؑ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْوُضُوءُ مِنْ هَذَا وَ أَمْثَالِهِ.[۲]

ہم ایسی ہی چیزوں کے لئے ہاتھ دھوتے ہیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک صحابی نے دیکھا کہ آپ نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے اور انہیں خشک نہیں کیا لیکن کھانے کے بعد ہاتھ دھوکر کپڑے سے خشک کرلیا۔

۳۔ دسترخوان پر بیٹھنے کا طریقہ

مسلمان کو دسترخوان پر اس طرح بیٹھنا چاہیئے جس سے خداوند عالم کے حضور زیادہ سے زیادہ تواضع و انکساری کا اظہار ہو اور اس طرح کھانا کھائے جس سے اس کی بندگی اور عبودیت نیز اس کے ساتھ ساتھ نعمت پر شکر اور حمد و ثنا جھلکتی ہو جیسا کہ انس بن مالک کی روایت ہے:

ما أكل رسول الله صلى الله عليه وآله على خوّان ولا في سكرجة، قيل له: فعلى ماذا كنتم تاكلون؟ قال: على السفرة

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی خوان (سینی) اور سکرجہ۔[۳] میں کھانا نہیں کھایا سوال کیا گیا تو تم کس طرح کھانا کھاتے

---

[۱] مکارم الاخلاق ص ۱۳۹

[۲] مکارم الاخلاق ص ۱۳۹

[۳] سکرجہ: چھوٹا برتن یا چھوٹی رکابی

ہو؟ جواب دیا گیا کہ دسترخوان پر بیٹھ کر۔[۱]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں:

انا لا اکل متّکئاً إنما انا عبدا اکل کما یاکل العبد و اجلس کما یجلس العبد.[۲]

میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا ہوں بلکہ میں خدا کا بندہ ہوں لہٰذا بندوں (غلاموں) کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے:

إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَلْيَجْلِسْ جِلْسَةَ الْعَبْدِ، وَ لَا يَضَعَنَّ أَحَدُكُمْ إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى، وَلَا يَتَرَبَّعْ، فَإِنَّهَا جِلْسَةٌ يُبْغِضُهَا اللهُ-عَزَّ وَ جَلَّ-وَ يَمْقُتُ صَاحِبَهَا.[۳]

جب تم کھانا کھانے بیٹھو تو غلاموں کی طرح بیٹھا کرو اور اپنے ایک پیر کو دوسرے پیر کے اوپر نہ رکھو (پالتی مار کر نہ بیٹھو) کیونکہ خداوند عالم کو بیٹھنے کا یہ انداز ہرگز پسند نہیں ہے اور وہ اس طرح بیٹھنے والے سے ناراض اور بیزار ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

مَا أَكَلَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ مُتَّكِئاً مُنْذُ بَعَثَهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَى أَنْ قَبَضَهُ وَ كَانَ يَأْكُلُ إِكْلَةَ الْعَبْدِ وَ يَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ قُلْتُ: وَ لِمَ ذٰلِكَ قَالَ تَوَاضُعاً لِلّٰهِ.[۴]

جب سے خداوند عالم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت سے آخر عمر تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا بلکہ آپ غلاموں کی طرح بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور انہی کی طرح بیٹھا کرتے تھے۔

عرض کیا گیا: اس کی وجہ کیا ہے؟

فرمایا: خداوند عالم کی بارگاہ میں تواضع کی وجہ سے۔

۴۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولائے کائنات علیہ السلام سے یہ فرمایا تھا:

---

[۱] احیاء العلوم الدین: کتاب آداب اکل

[۲] سنن ابن ماجہ: حدیث ۳۲۶۲۰۔

[۳] اصول کافی: ج۶ ص ۲۷۲۔

[۴] اصول کافی: ص ۲۷۰۔

يَا عَلِيُّ إِذَا أَكَلْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللهِ وَإِذَا فَرَغْتَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَإِنَّ حَافِظَيْكَ لَا يَسْتَرِيحَانِ مِنْ أَنْ يَكْتُبَا لَكَ الْحَسَنَاتِ۔[1]

اے علیؑ! جب کھانا شروع کرو تو پہلے بسم اللہ کہو اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو الحمد اللہ کہو تو تمہارے اوپر مقرر دونوں فرشتوں کو تمہارے حسنات لکھنے سے فرصت نہ ملے گی۔

حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے:

ضَمِنْتُ لِمَنْ يُسَمِّي عَلَى طَعَامِهِ أَنْ لَا يَشْتَكِيَ مِنْهُ۔[2]

جو شخص کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ کہے گا میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اس کھانے سے اسے کوئی شکایت (تکلیف) نہ ہوگی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے:

أَنَّ مَنْ نَسِيَ أَنْ يُسَمِّيَ عَلَى كُلِّ لَوْنٍ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ عَلَى أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ۔[3]

جو شخص غذا کی ہر قسم سے پہلے بسم اللہ کہنا بھول جائے تو وہ کھانے سے پہلے اور اس کے آخر میں ہی بسم اللہ کہہ لے۔

علمائے اخلاق کی تاکید یہ ہے کہ ہر لقمہ سے پہلے بسم اللہ کہے کیونکہ یہ بھی عبادت کا جز ہے۔

۵۔ نیت

کھانا کھاتے وقت ہر مسلمان کی یہ نیت ہونا چاہئے کہ اس سے بدن کو جو طاقت ملے گی اس طاقت کو وہ خداوند عالم کی راہ میں خرچ کرے گا نہ یہ کہ صرف زبان کے مزے اور چٹخارے یا اپنا پیٹ بھرنے کی فکر میں رہے کیونکہ صرف لطف اندوزی کیلئے کھانا کھانے سے انسان حیوانیت کی پستیوں میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا ہر مسلمان کی زندگی کا بنیادی مقصد خداوند عالم کی اطاعت میں زندگی بسر کرنا ہونا چاہئے نہ یہ کہ کھانے پینے کے لئے زندگی گذارنا ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کو یہ وصیت فرمائی تھی:

يَا بُنَيَّ لَا تَطْعَمَنَّ لُقْمَةً مِنْ حَارٍّ وَلَا بَارِدٍ وَلَا تَشْرَبَنَّ شَرْبَةً وَلَا جُرْعَةً إِلَّا وَأَنْتَ تَقُولُ قَبْلَ أَنْ

---

[1] مکارم الاخلاق: ص ۱۴۲۔

[2] اصول کافی ج۶ ص ۲۹۵۔

[3] مکارم الاخلاق: ص ۱۴۳۔

تَأْكُلَهُ وَ قَبْلَ أَنْ تَشْرَبَهُ اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِي أَكْلِي وَ شُرْبِي السَّلَامَةَ مِنْ وَعْكِهِ وَ الْقُوَّةَ بِهِ عَلَى طَاعَتِكَ وَ ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ فِيمَا بَقَّيْتَهُ فِي بَدَنِي وَ أَنْ تُشَجِّعَنِي بِقُوَّتِهِ عَلَى عِبَادَتِكَ وَ أَنْ تُلْهِمَنِي حُسْنَ التَّحَرُّزِ مِنْ مَعْصِيَتِكَ

اے بیٹا کوئی گرم یا ٹھنڈا لقمہ منہ میں رکھنے اور ایک گھونٹ بھی پانی پینے سے پہلے یہ ضرور کہہ لینا:

اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِي أَكْلِي وَ شُرْبِي.

بارالہا! میں اپنے کھانے پینے کے بارے تجھ سے میری یہ دعا ہے کہ اس کے ذریعے مجھے بیماری سے حفاظت اور اپنی اطاعت کی طاقت عطا فرما اور اس میں سے جو غذا میرے جسم میں باقی رہ جائے اس کے شکر کی توفیق عطا فرما اور اس کی طاقت کے ذریعہ مجھے اپنی عبادت کی توانائی عطا فرما اور اپنی معصیت سے پرہیز کرنے کے بہترین راستے کا الہام عطا فرما۔

٦۔کھانا شروع کرنے کا طریقہ

دسترخوان پر بیٹھنے اور بسم اللہ کہنے کے بعد مستحب ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے اور کھانے کا آغاز نمک سے کرے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کھانے کے آداب کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

لَا يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ وَلَا يَتَنَاوَلُ بِهَا شَيْئاً. [١]

بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ بائیں سے کوئی چیز پیئے اور نہ ہی اس سے کوئی چیز پکڑے۔

آپؑ ہی سے منقول ہے:

لَا تَأْكُلْ بِالْيُسْرَى وَ أَنْتَ تَسْتَطِيعُ. [٢]

جب تک تمہارے لئے ممکن ہو بائیں ہاتھ سے مت کھایا کرو۔

مولائے کائنات علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

ابْدَؤُوا بِالْمِلْحِ فِي أَوَّلِ طَعَامِكُمْ، فَلَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْمِلْحِ، لَاخْتَارُوهُ عَلَى التِّرْيَاقِ الْمُجَرَّبِ. [٣]

---

[١] وسائل الشیعہ: ج ۲۴ ص ۲۵۸۔
[٢] وسائل الشیعہ: ج ۲۴ ص ۲۵۹۔
[٣] مکارم الاخلاق: ص ۱۴۲

کھانے کی ابتداء نمک سے کیا کرو۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ نمک کے اندر کیا فوائد ہیں تو وہ اسے مجرب تریاق پر ترجیح دیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

إِنَّا نَبْدَأُ بِالْمِلْحِ وَنَخْتِمُ بِالْخَلِّ [1]

ہم نمک سے کھانے کا آغاز کرتے ہیں اور سرکہ پر کھانا تمام کرتے ہیں۔

[1] مکارم الاخلاق: ص ۱۴۲

خلاصہ

کھانا پینا بھی انسان کی ضروریات زندگی میں شامل ہے اوراس کے لئے بھی اسلام نے کچھ آداب اورقوانین معین کئے ہیں جن میں سے بعض واجب ہیں اور بعض اخلاقی اصول ہیں جن پر عمل کر کے انسان کمالات کے زینے طے کرسکتا ہے۔

پاک اور حلال کھانا، کھانے سے پہلے اوراس کے بعد دونوں ہاتھوں کو دھونا، دسترخوان پر انکساری کے ساتھ بیٹھنا، اور خدا کو یاد رکھنا اسلام نے کھانے کے آداب کا حصہ قرار دیا ہے۔

سوالات

۱۔کھانے پینے کے بارے میں ایک مسلمان کا سب سے اہم فریضہ کیا ہے؟

۲۔دسترخوان پر بیٹھنے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟

۳۔کھانے کی ابتدا کیسے کرنا چاہئے؟

۴۔کھانے کا مقصد اور نیت کیا ہونی چاہئے؟

باب۔۵۰

کھانے پینے کے آداب ۲

۷۔کھانے کا طریقہ

دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد جو کچھ سامنے رکھا ہو صرف وہی کھانا چاہئے اور دوسروں کے سامنے رکھے ہوئے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے۔

چھوٹا لقمہ لینا چاہئے کیونکہ اس کو چبانا اور ہضم کرنا آسان ہے اور یہ کہ بڑا لقمہ مسلمان کے شایان شان نہیں ہے اس کے علاوہ اسے چبانا، نگلنا اور اسے ہضم کرنا بھی مشکل ہے جس چیز میں کھانا رکھا ہو اس کے کنارے سے کھانا شروع کرے درمیان سے شروع نہ کرے اور جب تک پہلا لقمہ اچھی طرح نہ کھالے دوسرا لقمہ منہ میں نہ رکھے۔

جہاں تک ممکن ہو دوسرے کی طرف نہ دیکھے اور جلدی جلدی کھانا نہ کھائے بلکہ بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ کھائے اور تادیر دسترخوان پر بیٹھا رہے اور اگر کسی کے سامنے ایسا کھانا آجائے جو اسے بالکل پسند نہ ہو تو اپنی ناگواری کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی اس کھانے کی مذمت کرے جیسا کہ امام حسن علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

فِي الْمَائِدَةِ اثْنَتَا عَشْرَةَ خَصْلَةً يَجِبُ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَعْرِفَهَا أَرْبَعٌ مِنْهَا فَرْضٌ وَ أَرْبَعٌ مِنْهَا سُنَّةٌ وَ أَرْبَعٌ مِنْهَا تَأْدِيبٌ فَأَمَّا الْفَرْضُ فَالْمَعْرِفَةُ وَ الرِّضَا وَ التَّسْمِيَةُ وَ الشُّكْرُ وَ أَمَّا السُّنَّةُ فَالْوُضُوءُ قَبْلَ الطَّعَامِ وَ الْجُلُوسُ عَلَى الْجَانِبِ الْأَيْسَرِ وَ الْأَكْلُ بِثَلَاثِ أَصَابِعَ وَ لَعْقُ الْأَصَابِعِ وَ أَمَّا التَّأْدِيبُ فَالْأَكْلُ مِمَّا يَلِيكَ وَ تَصْغِيرُ اللُّقْمَةِ وَ الْمَضْغُ الشَّدِيدُ وَ قِلَّةُ النَّظَرِ فِي وُجُوهِ النَّاسِ

دسترخوان کے اندر بارہ (۱۲) خصوصیات پائی جاتی ہیں ہر مسلمان کے لئے ان کو جاننا ضروری ہے چار خصوصیات

فرض ہیں، چار سنت ہیں اور چار آداب میں شمار ہوتی ہیں۔

چار فرض چیزیں یہ ہیں:

۱۔معرفت ۲۔رضا

۳۔(بسم اللہ کہنا) نام خدا لینا۔ ۴۔شکر

چار سنتیں یہ ہیں:

۱۔کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا: ۲۔بائیں پہلو پر بیٹھنا

۳۔تین انگلیوں سے کھانا ۴۔انگلیوں کو چاٹنا۔

اور آداب یہ ہیں:

۱۔سامنے رکھا ہوا کھانا کھانا ۲۔چھوٹا لقمہ بنانا

۳۔اچھی طرح چبانا ۴۔لوگوں کی طرف کم سے کم دیکھنا۔[۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ مِمَّا يَلِيهِ.[۲]

جب تم کھانا کھاؤ تو جو تمہارے سامنے رکھا ہو وہی کھاؤ۔

یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ حَدّاً يَنْتَهِي إِلَيْهِ وَ مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَ لَهُ حَدٌّ فَأُتِيَ بِالْخِوَانِ فَقِيلَ مَا حَدُّهُ فَقَالَ حَدُّهُ إِذَا وَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ قَالَ بِسْمِ اللهِ وَإِذَا رَفَعَهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلهِ وَيَأْكُلُ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا يَتَنَاوَلُ مِنْ قُدَّامِ الْآخَرِ.[۳]

یعنی ہر چیز کے حدود ہوتے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی کوئی حد نہ ہو اسی دوران دسترخوان لایا گیا تو آپ سے پوچھا گیا کہ حدود کیا ہیں؟

آپؑ نے فرمایا کہ جب کھانا شروع کرے تو بسم اللہ کہے اور جب کھانے سے ہاتھ کھینچ لے تو الحمد اللہ کہے اور ہر انسان اپنے سامنے سے ہی کھائے اور دوسروں کے سامنے سے اٹھا کر نہ کھائے۔

---

[۱] مکارم الاخلاق: ص ۱۴۱۔
[۲] وسائل الشیعہ: ج ۲۴، ص ۳۶۹۔
[۳] وسائل الشیعہ: ج ۲۴، ص ۳۷۰۔

آپؑ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

أَطِيلُوا الْجُلُوسَ عَلَى الْمَوَائِدِ فَإِنَّهَا سَاعَةٌ لَا تُحْسَبُ مِنْ أَعْمَارِكُم [1]

دسترخوان پر تادیر بیٹھا کرو کیونکہ یہ مدت تمہاری عمر میں شمار نہیں کی جاتی ہے۔

آپؑ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے:

أَقِرُّوا الْحَارَّ حَتَّى يَبْرُدَ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ حَارٌّ فَقَالَ أَقِرُّوهُ حَتَّى يُمْكِنَ مَا كَانَ اللهُ لِيُطْعِمَنَا نَاراً وَ الْبَرَكَةُ فِي الْبَارِدِ. [2]

گرم کھانے کو ٹھنڈا ہونے تک رکھا رہنے دو کیونکہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گرم کھانا پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اسے اسی طرح رہنے دو یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو جائے خداوند عالم ہمیں آگ کھلانا نہیں چاہتا ہے اور ٹھنڈے کھانے میں برکت ہے۔

دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ نَهَى نَهَى أَنْ يُنْفَخَ فِي طَعَامٍ أَوْ شَرَابٍ. [3]

رسول اللہؐ نے کھانے یا پینے والی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔

۸۔ پرخوری سے پرہیز

کھانے پینے میں پرخوری سے پرہیز کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے انسان کے جسم وروح دونوں پر ہی خطرناک اثرات طاری ہوتے ہیں اسی لئے روایات معصومین علیہم السلام میں پرخوری سے پرہیز کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا تُمِيتُوا الْقُلُوبَ بِكَثْرَةِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ فَإِنَّ الْقَلْبَ يَمُوتُ كَالزَّرْعِ إِذَا كَثُرَ عَلَيْهِ الْمَاءُ. [4]

پرخوری (زیادہ کھانے پینے) کے ذریعہ اپنے دلوں کو مردہ نہ بناؤ کیونکہ جس طرح پانی کی زیادتی سے کھیتی خراب

---

[1] مکارم الاخلاق: ص ۱۴۱۔

[2] وسائل الشیعہ: ج ۲۴، ص ۳۹۹۔

[3] وسائل الشیعہ: ج ۲۴، ص ۴۰۱۔

[4] مکارم الاخلاق: ص ۱۴۹

ہو جاتی ہے اسی طرح دل بھی مردہ ہو جاتا ہے۔

آپؐ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

لَا یَدْخُلُ مَلَکُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَنْ مَلَأَ بَطْنَهُ.[1]

جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو وہ آسمان اور زمین کے ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے۔

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:

لَيْسَ شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَى اللّٰهِ مِنْ بَطْنٍ مَلْآنَ.[2]

خداوند عالم کے نزدیک بھرے ہوئے پیٹ سے زیادہ مبغوض کوئی چیز نہیں ہے۔

آپؐ ہی کا ارشاد ہے:

إِيَّاكُمْ وَ فُضُولَ الطَّعَامِ فَإِنَّهُ يَسُمُّ الْقَلْبَ بِالْقَسْوَةِ وَ يُبْطِئُ بِالْجَوَارِحِ عَنِ الطَّاعَةِ وَ يُصِمُّ الْهِمَمَ عَنْ سَمَاعِ الْمَوْعِظَةِ.[3]

فضول کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اعضا و جوارح اللہ کی اطاعت میں سست اور موعظہ سننے میں کمزور پڑ جاتے ہیں

حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ كَثْرَةُ الْأَكْلِ وَ النَّوْمِ يُفْسِدَانِ النَّفْسَ وَ يَجْلِبَانِ الْمَضَرَّةَ.[4]

کھانے اور نیند کی زیادتی نفس کے فساد اور نقصان کا باعث ہیں۔

☆ مَنْ كَثُرَ أَكْلُهُ قَلَّتْ صِحَّتُهُ وَ ثَقُلَتْ عَلَى نَفْسِهِ مَئُونَتُهُ.[5]

جس کی خوراک زیادہ ہو جائے اس کی صحت گھٹ جاتی ہے اور خود اپنے اوپر اس کے اخراجات زیادہ ہو جاتے ہیں۔

☆ إِيَّاكُمْ وَ الْبِطْنَةَ فَإِنَّهَا مَقْسَاةٌ لِلْقَلْبِ مَكْسَلَةٌ عَنِ الصَّلَاةِ وَ مَفْسَدَةٌ لِلْجَسَدِ.[6]

---

[1] میزان الحکمۃ: باب ۹۹

[2] میزان الحکمۃ: باب ۹۹

[3] بحار الانوار: ج ۷۷، ص ۱۸۴، باب ۷۔

[4] میزان الحکمۃ: باب ۹۹

[5] میزان الحکمۃ: باب ۹۹

[6] میزان الحکمۃ: باب ۹۹

پرخوری سے دور رہو اس سے دل سخت ہوجاتا ہے نماز (کے بارے) میں سستی چھائی رہتی ہے اور بدن بیکار ہوجاتا ہے۔

☆ لَا فِطْنَةَ مَعَ الْبِطْنَةِ.[1]

پرخوری کے ساتھ ذہانت جمع نہیں ہوسکتی۔

☆ الشِّبَعُ يُفْسِدُ الْوَرَعَ[2]

پرخوری ورع کو برباد کرکے رکھ دیتی ہے۔

☆ نِعْمَ عَوْنُ الْمَعَاصِي الشِّبَعُ.[3]

گناہوں کا بہترین مددگار پرخوری ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ:

مَنْ قَلَّ طَعَامُهُ صَحَّ بَدَنُهُ وَ صَفَا قَلْبُهُ وَمَنْ كَثُرَ طَعَامُهُ سَقُمَ بَدَنُهُ وَ قَسَا قَلْبُه.[4]

جس کی خوراک کم ہوتی ہے اس کا بدن تندرست اور دل صاف وشفاف ہوجاتا ہے اور جس کی خوراک زیادہ ہوتی ہے اس کا بدن بیمار اور دل سخت ہوجاتا ہے

آنحضرتؐ کا یہ بھی ارشاد ہے:

مَنْ قَلَّ أَكْلُهُ قَلَّ حِسَابُه.[5]

جس کی خوراک کم ہوتی ہے اس کا حساب بھی مختصر ہوتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

قِلَّةُ الْغِذَاءِ أَكْرَمُ لِلنَّفْسِ وَ أَدْوَمُ لِلصِّحَّة.[6]

مختصر خوراک کرامت نفس اور پائیدار صحت کی ضمانت ہے۔

آپؑ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے

---

[1] میزان الحکمۃ: باب ۹۹

[2] میزان الحکمۃ: باب ۹۹

[3] میزان الحکمۃ: باب ۹۹

[4] بحار الانوار: ج ۵۹، ص ۲۶۸، باب ۸۸

[5] بحار الانوار: ج ۵۹، ص ۲۹۲۔

[6] غرر الحکم: ص ۳۲۰۔

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ صَلَاحَ عَبْدٍ أَلْهَمَهُ قِلَّةَ الْكَلَامِ وَقِلَّةَ الطَّعَامِ وَقِلَّةَ الْمَنَامِ. [۱]

جب خداوند عالم اپنے کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے کم بولنے کم کھانے اور کم سونے کا الہام عطا کر دیتا ہے۔

آپؑ کا یہ ارشاد بھی ہے:

قِلَّةُ الْأَكْلِ مِنَ الْعَفَافِ وَكَثْرَتُهُ مِنَ الْإِسْرَافِ [۲]

کم کھانا عفت اور زیادہ کھانا اسراف میں شامل ہے۔

دسترخوان اور کھانے کے آداب میں صرف بھوک کے وقت کھانا بھی شامل ہے چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

كُلْ وَأَنْتَ تَشْتَهِي وَأَمْسِكْ وَأَنْتَ تَشْتَهِي. [۳]

جب بھوک لگے تو کھاؤ اور اشتہا (خواہش) ختم ہونے سے پہلے کھانا چھوڑ دو۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے اسی بارے میں یہ فرمایا ہے:

لَا تَرْفَعَنَّ يَدَكَ مِنَ الطَّعَامِ إِلَّا وَأَنْتَ تَشْتَهِيهِ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَأَنْتَ تَسْتَمْرِئُهُ. [۴]

جب تک تمہیں خواہش نہ ہو کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو تمہارے لئے کھانا خوشگوار رہے گا۔

۹۔ ایک ساتھ کھانا کھانا

اسلامی آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، تنہا کھانا نہ کھائے اور کم از کم اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی کھانے کو ہی اسلام نے بہتر قرار دیا ہے اور چند لوگوں کے ساتھ کھانے کی تاکید کی ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِجْتَمِعُوا عَلٰى طَعَامِكُمْ يُبَارِكْ لَكُمْ فِيهِ. [۵]

---

[۱] غرر الحکم: ص ۲۱۱

[۲] غرر الحکم: ص ۳۶۰۔

[۳] بحار الانوار: ج ۵۹، ص ۲۹۰، باب ۸۹۔

[۴] بحار الانوار: ج ۴۷، ص ۲۱۹

[۵] سنن ابن ماجہ: ح ۳۸۶۔

سب ایک ساتھ مل کر کھانا کھاؤ اس میں تمہارے لئے برکت رکھی گئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه و آله: الطَّعَامُ إِذَا جَمَعَ أَرْبَعَ خِصَالٍ فَقَدْ تَمَّ: إِذَا كَانَ مِنْ حَلَالٍ وَ كَثُرَتِ الْأَيْدِي وَ سُمِّيَ فِي أَوَّلِهِ وَ حُمِدَ اللهُ-عَزَّ وَ جَلَّ-فِي آخِرِه.[1]

اگر کھانے میں چار خصوصیات جمع ہو جائیں تو وہ مکمل ہے:

۱۔غذا حلال ہو ۲۔کھانے والے زیادہ ہوں۔

۳۔شروع میں بسم اللہ کہی جائیں۔ ۴۔اور آخر میں حمد الٰہی کی جائے۔

۱۰۔ایک ساتھ کھانا کھانے کے آداب

☆......چھوٹے بزرگوں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں اور کھانا شروع نہ کریں اسی طرح بزرگوں کو بھی یہ خیال رہے کہ وہ دوسروں کو حتی الامکان انتظار کی زحمت نہ دیں۔

☆......کھانے کے دوران کم بولنا مستحب ہے خاص طور سے جب منہ میں لقمہ موجود ہو تو بولنا مکروہ ہے، دسترخوان پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا خیال رکھنا چاہئے اور کوئی ایسی بات نہ کرنا چاہئے جس سے انہیں زحمت کا سامنا کرنا پڑے۔

☆......میزبان ایسا طریقۂ کار اختیار کرے جس کی بنا پر مہمان سکون و اطمینان کے ساتھ کھانا کھا سکے اور جسے کسی شرمندگی یا تکلف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

☆......کھانا کھاتے وقت دوسرے لوگوں کی طرف بھی نہ دیکھئے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شرمندگی کی وجہ سے سیر ہو کر نہ کھا سکیں، اور بزرگوں خاص طور سے میزبان کو سست رفتاری سے کھانا چاہئے کیونکہ اگر یہ کھانا کھا کر جلد فارغ ہو جائیں تو ان کی وجہ سے دوسرے شکم سیر ہونے سے پہلے ہی ہاتھ روکنے پر مجبور ہو جائیں گے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

☆...... دسترخوان پر بیٹھنے والے تمام لوگوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے دوسروں کو کراہیت محسوس ہو جیسے کھاتے وقت منہ سے آواز نکلنا، ڈکار لینا وغیرہ۔

☆......میزبان سب سے پہلے کھانا، کھانا شروع کرے اور سب سے بعد تک کھاتا رہے تا کہ تمام مہمان آسانی کے ساتھ سیر ہو کر کھا سکیں۔

---

[1] اصول کافی: ج ٦، ص ٢٧٣۔

☆......مہمان اپنے میزبان سے ایسے کھانوں کا مطالبہ نہ کرے جو اس کے امکان سے باہر ہوں کیونکہ روایت میں ہے کہ سب سے بدترین دوست وہ ہے جس کی بناء پر زحمت اٹھانا پڑے۔

☆جب دسترخوان پر روٹی آجائے تو کھانا شروع کر دینا چاہیے، جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَكْرِمُوا الْخُبْزَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا إِكْرَامُهُ قَالَ إِذَا وُضِعَ لَمْ يُنْتَظَرْ بِهِ غَيْرُهُ.[1]

روٹی کا احترام کرو۔

سوال کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کے احترام کا طریقہ کیا ہے؟

فرمایا: جب اسے دسترخوان پر رکھ دیا جائے تو پھر کسی دوسری چیز کا انتظار نہ کیا جائے۔

---

[1] اصول کافی: ج۶، ص ۳۰۳۔

خلاصہ

کھانے کے آداب مندرجہ ذیل ہیں:
اپنے سامنے رکھا ہوا کھانا کھائے،
لقمہ چھوٹا ہو،
اچھی طرح چبا کر، آہستہ آہستہ کھائے،
کھانے سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہے اور اختتام پر حمد و ثنائے الٰہی کرے۔
پرخوری زیادہ کھانے سے پرہیز کرے
اور چند لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا بھی اسلامی تعلیمات میں شامل ہے۔
ایک ساتھ کھانا کھاتے وقت بزرگوں کا احترام کرنا،
دوسروں کا خیال رکھنا،
کھانا حاضر ہونے سے پہلے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کرنا،
کھانا شروع کرنے کے بعد گفتگو نہ کرنا
اور دوسروں کی طرف نہ دیکھنا بھی کھانے کے آداب میں شامل ہیں۔

سوالات

۱۔ کھانا کھانے کے بارے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟
۲۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے دسترخوان کے آداب کیا بیان فرمائے ہیں؟
۳۔ پرخوری کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟
۴۔ کھانا کھانے سے کس وقت ہاتھ روک لینا چاہیئے؟
۵۔ ایک ساتھ کھانا کھانے کے آداب ہیں؟

باب۔ ۱۵

عبادت

قافلہ بشریت اور انسانی حیات میں روز اول سے ہی عبادت کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے چنانچہ دنیا کا کوئی ایسا معاشرہ اور سماج نہیں جس میں کسی نہ کسی شکل میں عبادت کا وجود نہ پایا جاتا ہو جو اس بات کی دلیل ہے کہ عبادت و پرستش انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لئے وہ کسی نہ کسی خدا کی عبادت کرتا ہے البتہ قوموں کے درمیان مختلف اسباب کی بناء پر عبادتوں کی صحیح شکل وصورت باقی نہیں رہی اور وہ شیاطین اور تحریف کرنے والوں کے چنگل میں پھنس کر خود ساختہ خداؤں، بتوں اور طاغوتوں کی عبادت کرنے لگے لیکن پھر بھی یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کے اندر عبادت کا فطری وجود اتنی عام اور روشن چیز ہے کہ اگر کوئی شخص تن تنہا دنیا کے ہر انسان سے دور اور مذہبی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہو کر زندگی بسر کر رہا ہو تب بھی اسے اپنے سے بلند و برتر کسی نہ کسی ایسے وجود کی تلاش ہوتی ہے جس کے سامنے وہ اپنا سر نیاز خم کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ عبادت کی تاکید تمام انبیاء کی تعلیمات میں سرفہرست دکھائی دیتی ہے اور انہیں اسی لئے مبعوث بھی کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو خداوند عالم کی عبادت کی طرف دعوت دیں اور جاہلانہ عبادت سے باز رکھیں۔

عبادت کی اسی عظمت واہمیت کے پیش نظر ہم اس درس میں عبادت کے مختلف اسباب، انواع واقسام اور اثرات و نتائج وغیرہ کا جائزہ پیش کریں گے۔

۱۔عبادت......مقصد خلقت وبعثت

پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ.[1]

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

یہ طے ہے کہ خداوند عالم کو ہماری عبادتوں کی ضرورت نہیں ہے اور نہ خدا کو اس سے کوئی فائدہ پہنچنے والا ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ.[2]

بیشک خداوند عالم تم سے بے نیاز اور مستغنی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام دعائے عرفہ میں خداوند عالم کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں:

إِلَهِي أَنْتَ الْغَنِيُّ بِذَاتِكَ أَنْ يَصِلَ إِلَيْكَ النَّفْعُ مِنْكَ فَكَيْفَ لَا تَكُونُ غَنِيّاً عَنِّي.[3]

خدایا! تو بذاتہ اس سے مستغنی ہے کہ خود تیری ذات سے تجھے کوئی فائدہ پہنچے تو پھر تو مجھ سے کیوں بے نیاز اور مستغنی نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کے خداوند عالم نے اپنے انبیاء کی بعثت کا مقصد اپنے دین کی تبلیغ اور اپنی عبادت کی طرف دعوت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ.[4]

اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

مذکور دونوں نکتوں سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ خداوند عالم کی عبادت کا فائدہ خود انسان کو پہنچتا ہے اور اس فائدہ کی انتہا منزل کمال تک پہنچنا ہے۔منزل کمال تک پہنچنے کے لئے قرب خدا ضروری ہے اور قرب خدا عبادت و پرہیز گاری سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ.[5]

اے انسانو! پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے والوں کو بھی شاید کہ تم اس طرح

---

[1] سورہ ذاریات آیت ۵۶

[2] سورہ مرآیت ۷

[3] بحار الانوار: ج ۹۵، ص ۲۲۶، باب ۲۔

[4] سورہ نحل آیت ۳۹

[5] سورہ بقرہ آیت ۲۱۔

متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبادت کے ایک اہم رکن نماز کے بارے میں فرمایا ہے:

الصَّلَاةُ قُرْبَانُ كُلِّ تَقِيٍّ.[۱]

نماز ہر پرہیزگار کے لئے وسیلہ تقرب ہے۔

مختصر یہ کہ عبادت قرب الٰہی کی منزل تک پہنچنے کا واحد راستہ ہے۔

۲۔ عبادت کی فضیلت

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں

☆ اَلْعِبَادَةُ فَوْزٌ.[۲]

عبادت کامیابی ہے۔

☆ فَضِيلَةُ السَّادَةِ حُسْنُ الْعِبَادَةِ.[۳]

سرداروں کی فضیلت حسن عبادت ہے۔

☆ إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا أَلْهَمَهُ حُسْنَ الْعِبَادَةِ.[۴]

جب خداوند عالم کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے اچھی طرح عبادت کرنے کا الہام عطا کر دیتا ہے۔

☆ دَوَامُ الْعِبَادَةِ بُرْهَانُ الظَّفَرِ بِالسَّعَادَةِ.[۵]

مسلسل عبادت کرنا کامیابی کے ساتھ سعادت تک پہنچنے کی دلیل ہے۔

☆ مَا تَقَرَّبَ مُتَقَرِّبٌ بِمِثْلِ عِبَادَةِ اللهِ.[۶]

کسی تقرب حاصل کرنے والے نے مثلِ عبادت خدا سے بہتر کسی اور طریقہ سے اللہ کا تقرب حاصل نہیں کیا۔

---

[۱] من لا یحضرہ الفقیہ: ج ۱، ص ۲۱۰۔

[۲] غرر الحکم: ص ۱۹۸، ح ۳۹۳۲۔

[۳] غرر الحکم: ص ۱۹۸، ح ۳۹۳۲۔

[۴] غرر الحکم: ص ۱۹۸، ح ۳۹۳۲۔

[۵] غرر الحکم: ص ۱۹۸، ح ۳۹۳۲۔

[۶] غرر الحکم: ص ۱۹۸، ح ۳۹۳۲۔

۳۔عبادت وبندگی کی حقیقت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَوَّلُ عِبَادَةُ اللهِ مَعْرِفَتُهُ وَ اَصْلُ مَعْرِفَتهٗ اللهُ تَوْحِيْدُهٗ.[۱]

خداوند عالم کی اولین عبادت اس کی معرفت ہے اور معرفت خدا کی بنیاد توحید خدا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے عبودیت وبندگی کے بارے میں سوال کیا تو حضرتؑ نے فرمایا:

ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ أَنْ لَا يَرَى الْعَبْدُ لِنَفْسِهِ فِيمَا خَوَّلَهُ اللهُ إِلَيْهِ مِلْكاً لِأَنَّ الْعَبِيدَ لَا يَكُونُ لَهُمْ مِلْكٌ يَرَوْنَ الْمَالَ مَالَ اللهِ يَضَعُونَهُ حَيْثُ أَمَرَهُمُ اللهُ تَعَالَى بِهِ- وَ لَا يُدَبِّرُ الْعَبْدُ لِنَفْسِهِ تَدْبِيراً وَ جُمْلَةُ اشْتِغَالِهِ فِيمَا أَمَرَهُ اللهُ تَعَالَى بِهِ وَ نَهَاهُ فَهٰذَا أَوَّلُ دَرَجَةِ الْمُتَّقِين.[۲]

بندگی کی حقیقت تین چیزیں ہیں، پہلے یہ کہ خداوند عالم نے جو کچھ اس کے اختیار میں دیا ہے اسے اپنی ملکیت نہ سمجھے، کیونکہ غلام (بندہ) کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اور وہ اپنے مال کو خدا کا مال سمجھتا ہے اور اس کو وہیں خرچ کرتا ہے جہاں خدا نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ خود اپنے لئے کوئی تدبیر نہ کرے بلکہ جو کچھ خداوند عالم نے اس کو حکم دیا ہے اسی کو انجام دے اور جس سے منع کیا ہے اسے ترک کرتا ہے...... یہ تقویٰ کا پہلا زینہ ہے۔

مولائے کائناتؑ نے فرمایا ہے:

الْعُبُودِيَّةُ خَمْسَةُ أَشْيَاءَ خَلَاءُ الْبَطْنِ وَ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَ قِيَامُ اللَّيْلِ وَ التَّضَرُّعُ عِنْدَ الصُّبْحِ وَ الْبُكَاءُ مِنْ خَشْيَةِ الله.[۳]

بندگی پانچ چیزوں کا نام ہے:

۱۔پیٹ خالی ہونا	۲۔تلاوت قرآن
۳۔شب زندہ داری	۴۔صبح کے وقت تضرع وزاری
۵۔خوف الٰہی سے گریہ کرنا۔	

---

[۱] بحار الانوار: ج۴، ص۲۲۷، باب۴۔

[۲] بحار الانوار: ج۱، ص۲۲۴، باب۷۔

[۳] مستدرک الوسائل: ج۱۱، ص۲۴۴۔

۴۔ بامعرفت عبادت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اعْلَمْ أَنَّ أَوَّلَ عِبَادَتِهِ الْمَعْرِفَةُ بِه.[۱]

عبادت کی ابتدا خداوند عالم کی معرفت ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا:

لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَفَقُّه.[۲]

جس عبادت میں معرفت نہ ہو اس میں کچھ بھلائی نہیں ہے۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے

سَكِّنُوا فِي أَنْفُسِكُمْ مَعْرِفَةَ مَا تَعْبُدُونَ حَتَّى يَنْفَعَكُمْ مَا تُحَرِّكُونَ مِنَ الْجَوَارِحِ بِعِبَادَةِ مَنْ تَعْرِفُونَ.[۳]

جس کی تم عبادت کرتے ہو پہلے اس کی معرفت کو اپنے دل میں بالکل راسخ کرلو تاکہ جس کے عرفان کے بعد تم عبادت کیلئے اعضاء وجوارح کو حرکت دیتے ہو اس کا تمہیں فائدہ حاصل ہو سکے

آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

الْمُتَعَبِّدُ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَحِمَارِ الطَّاحُونَةِ يَدُورُ وَلَا يَبْرَحُ مِنْ مَكَانِه.[۴]

علم ومعرفت کے بغیر عبادت کرنے والا کولھو کے بیل کی طرح ہے جو چکر لگاتا رہتا ہے مگر اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھتا۔

۵۔ عبادت کے اسباب

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللهَ رَغْبَةً فَتِلْكَ عِبَادَةُ التُّجَّارِ وَإِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللهَ رَهْبَةً فَتِلْكَ عِبَادَةُ

---

[۱] امالی طوسی: ص ۵۲۶ و بحار الانوار: ج ۷۷، ص ۴۷۔

[۲] بحار الانوار: ج ۲، ص ۴۹۔

[۳] تحف العقول: ص ۲۲۳، بحار الانوار: ج ۷۸ ص ۶۳۔

[۴] غرر الحکم: ج ۲ ص ۱۲۵

الْعَبِيدِ وَ إِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللهَ شُكْراً فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْأَحْرَارِ.[1]

کچھ لوگوں نے ثواب کے لالچ میں خدا کی عبادت کی ہے تو یہ تاجروں کی عبادت ہے اور کچھ لوگوں نے جہنم کے خوف سے خدا کی عبادت کی ہے یہ غلاموں کی عبادت ہے اور کچھ لوگوں نے شکر ادا کرنے کیلئے خدا کی عبادت کی یہ عبادت آزاد منش لوگوں کی عبادت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ النَّاسَ يَعْبُدُونَ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ فَطَبَقَةٌ يَعْبُدُونَهُ رَغْبَةً فِي ثَوَابِهِ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْحُرَصَاءِ وَ هُوَ الطَّمَعُ وَ آخَرُونَ يَعْبُدُونَهُ خَوْفاً مِنَ النَّارِ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْعَبِيدِ وَ هِيَ رَهْبَةٌ وَ لَكِنِّي أَعْبُدُهُ حُبّاً لَهُ عَزَّ وَ جَلَّ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْكِرَامِ وَ هُوَ الْأَمْنُ لِقَوْلِهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ هُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ وَ لِقَوْلِهِ عَزَّ وَ جَلَّ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ فَمَنْ أَحَبَّ اللهَ أَحَبَّهُ اللهُ وَ مَنْ أَحَبَّهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ كَانَ مِنَ الْآمِنِينَ.

لوگ تین وجوہات کی بناء پر خداوند عالم کی عبادت کرتے ہیں:

ایک طبقہ ثواب کی لالچ میں عبادت کرتا ہے یہ حریص لوگوں کی عبادت ہے جو دراصل طمع ولالچ ہے

دوسرا طبقہ جہنم سے بچنے کے لئے عبادت کرتا ہے یہ غلاموں کی عبادت ہے جو دراصل خوف ہے

لیکن میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی بناء پر عبادت کرتا ہوں یہ شرفاء کی عبادت ہے اور یہ امن وامان ہے کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَ هُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ.[2]

اور وہ لوگ روز قیامت کے خوف سے امن میں رہیں گے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ.[3]

اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

---

[1] نہج البلاغۃ: حکمت ۲۳۷۔

[2] سورہ نمل آیت ۸۹

[3] سورہ آل عمران آیت ۳۱۔

چنانچہ جو شخص خداوند عالم سے محبت کرے گا تو خداوند عالم بھی اس سے محبت کرے گا اور جس سے خداوند عالم محبت کرتا ہو وہ امان یافتہ ہے۔[۱]

٦۔عبادت کی قسمیں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْعِبَادَۃُ سَبْعُونَ جُزْءاً أَفْضَلُهَا جُزْءاً طَلَبُ الْحَلَالِ.[۲]

عبادت کے ستر اجزاء ہیں جن میں سب سے افضل جزء طلب حلال ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلتَّفَکُّرُ فِی آلَاءِ اللهِ نِعْمَ الْعِبَادَۃُ.[۳]

خداوند عالم کی نعمتوں میں غور وفکر کرنا سب سے بہترین عبادت ہے۔

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں:

اَلتَّفَکُّرُ فِی مَلَکُوتِ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ عِبَادَۃُ الْمُخْلِصِینَ.[۴]

آسمان وزمین کے بارے میں غور وفکر کرنا مخلصین کی عبادت ہے۔

یا آپ نے فرمایا ہے:

إِنَّ مِنَ الْعِبَادَۃِ لِینَ الْکَلَامِ وَ إِفْشَاءَ السَّلَامِ.[۵]

نرم گفتگو اور بلند آواز سے سلام کرنا بھی عبادت ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلنَّظَرُ إِلَی الْعَالِمِ عِبَادَۃٌ وَ النَّظَرُ إِلَی الْإِمَامِ الْمُقْسِطِ عِبَادَۃٌ وَ النَّظَرُ إِلَی الْوَالِدَیْنِ بِرَأْفَۃٍ وَ رَحْمَۃٍ عِبَادَۃٌ وَ النَّظَرُ إِلَی أَخٍ تَوَدُّہُ فِی اللهِ (عَزَّ وَ جَلَّ) عِبَادَۃٌ.[٦]

---

[۱] بحار الانوار: ج ٦٧، ص ٢٠٤، باب ٥٣۔

[۲] بحار الانوار: ج ١٠٠، ١٧، باب ١۔

[۳] غرر الحکم ص ٥٦۔

[۴] غرر الحکم: ٥٦۔

[۵] غرر الحکم: ص ٢١٥

[٦] بحار الانوار: ج ٧١، ص ٢٣٨

عالم کی طرف نظر کرنا عبادت ہے، عادل امام کی طرف دیکھنا عبادت ہے، والدین کی طرف الفت ومحبت سے دیکھنا عبادت ہے اور اس بھائی کو دیکھنا بھی عبادت ہے جس سے خدا کے لئے محبت کرتا ہے۔

اسی طرح آپؑ نے فرمایا:

مَنْ خَرَجَ يَطْلُبُ بَاباً مِنْ عِلْمٍ لِيَرُدَّ بِهِ بَاطِلًا إِلَى حَقٍّ أَوْ ضَلَالَةٍ إِلَى هُدًى، كَانَ عَمَلُهُ ذٰلِكَ كَعِبَادَةِ مُتَعَبِّدٍ أَرْبَعِينَ عَاماً.[1]

جو شخص علم کا کوئی باب حاصل کرنے کے لئے اس نیت سے گھر سے نکلے کہ اس کے ذریعہ باطل کو حق کی طرف اور گمراہی کو ہدایت کی طرف پلٹائے گا تو اس کا یہ عمل چالیس سال عبادت کرنے والے عابدوں کی عبادتوں کے مانند ہے۔

روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی یہ خواہش بیان کی:

يَا مُحَمَّدُ لَوْ كَانَتْ عِبَادَتُنَا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ لَعَمِلْنَا ثَلَاثَ خِصَالٍ سَقْيَ الْمَاءِ لِلْمُسْلِمِينَ وَ إِغَاثَةَ أَصْحَابِ الْعِيَالِ وَ سَتْرَ الذُّنُوبِ.[2]

اے محمدؐ! اگر ہمیں زمین کے اوپر عبادت کا موقع ملتا تو ہم تین اعمال انجام دیتے:

۱۔ مسلمان کو پانی پلانا ۲۔ کثیر العیال افراد کی مدد کرنا۔

۳۔ گناہوں کو چھپانا۔

---

[1] بحار الانوار: ج۱، ص۱۸۱، باب۱۔

[2] میزان الحکمہ باب ۲۴۹۔

خلاصہ

کیونکہ انسان کی خلقت کا مقصد کمال حقیقی تک پہنچنا ہے اور یہ مقصد صرف خداوند عالم کی محبت اور رضا کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے اسی لئے اسلام میں عبادت کو مقصد خلقت قرار دیا گیا ہے کیونکہ خداوند عالم کی رضا حاصل کرنے کا تنہا ذریعہ اس کی عبادت وبندگی اوراس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔

سوالات

۱۔خداوند عالم نے قرآن مجید میں عبادت کو مقصد خلقت کیوں قرار دیا ہے؟
۲۔انسان کی زندگی میں عبادت کیا کردار ادا کرتی ہے احادیث کی روشنی میں بتایئے؟
۳۔بندگی کیا ہے؟
۴۔عبادت کیسی ہونا چاہئے؟
۵۔عبادت کے مختلف مقاصد بیان کیجئے؟
۶۔اسلام میں کس کس عمل کو عبادت قرار دیا گیا ہے؟

باب۔ ۵۲

نماز کی فضیلت

تمام اسلامی عبادتوں کے درمیان نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، روایات میں اسے دین کا ستون، مومن کی معراج اور اسلام کی تقویت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے روز قیامت ہر شخص سے سب سے پہلے اسی کے بارے میں سوال ہوگا چنانچہ اگر نماز قبول ہوگئی تو اس کے دوسرے اعمال بھی قبول ہو جائیں گے اور اگر نماز قبول نہ ہوئی تو دوسرے اعمال بھی قبول نہ ہونگے۔

نماز سے متعلق آیات اور احادیث، اس کی قدر و قیمت اور منزلت، اس کی شرائط اور خصوصیات، اصول، آداب و ارکان، تعداد، اقسام اور نمازی کے فرائض و وظائف اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کو یکجا بیان کرنے کیلئے متعدد جلدوں کی کتاب درکار ہے لہٰذا اس سبق میں نماز کی عظمت و اہمیت کے صرف ایک گوشہ کو اجاگر کرنے کے لئے بعض آیات اور روایات ذکر کی جارہی ہیں

۱۔ نماز کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

نماز کی عظمت کے بارے میں پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ۔[۱]

[۱] سورہ بینہ آیت ۵

اورانہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ خدا کی عبادت کریں اورعبادات کواس کے لئے خالص رکھیں اورنماز قائم کریں اورزکات دیں اوریہی سچا اور مستحکم دین ہے۔

☆وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ وَلَذِكۡرُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ.[1]

اورنماز قائم کریں کہ نماز ہر برائی اور بدکاری سے روکنے والی ہے اس کا ذکر بہت بڑی شی ہے۔

☆اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ.[2]

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اورزکات ادا کی۔

☆مَا سَلَكَكُمۡ فِىۡ سَقَرَ قَالُوۡا لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ.[3]

آخر تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچا دیا ہے وہ کہیں گے ہم نماز گذار نہیں تھے۔

☆وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ.[4]

صبر اورنماز کے ذریعہ مدد مانگو، نماز بہت مشکل کام ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو خضوع وخوشوع والے ہیں۔

☆وَاَوۡصٰنِىۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا.[5]

اور جب تک زندہ رہو نماز اور زکات کی وصیت کی ہے۔

☆رَبِّ اجۡعَلۡنِىۡ مُقِيۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ.[6]

پروردگار مجھے اور میری ذریت میں نماز قائم کرنے والے قرار دے اور پروردگار میری دعا کو قبول کرلے۔

☆اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا.[7]

بیشک نماز، صاحبان ایمان کے لئے ایک وقت معین کے ساتھ فریضہ ہے۔

---

[1] سورہ بینہ آیت ۵
[2] سورہ بینہ آیت ۵
[3] سورہ بینہ آیت ۵
[4] سورہ بینہ آیت ۵
[5] سورہ بینہ آیت ۵
[6] سورہ بینہ آیت ۵
[7] سورہ بینہ آیت ۵

۲۔احادیث پیغمبرؐ میں نماز کی اہمیت

نماز کی اہمیت اور عظمت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ جَعَلَ اللهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلاَةِ وَ حَبَّبَ إِلَيَّ الصَّلاَةَ كَمَا حَبَّبَ إِلَى الْجَائِعِ الطَّعَامَ وَإِلَى الظَّمْآنِ الْمَاءَ وَإِنَّ الْجَائِعَ إِذَا أَكَلَ شَبِعَ وَإِنَّ الظَّمْآنَ إِذَا شَرِبَ رَوِيَ وَ أَنَا لاَ أَشْبَعُ مِنَ الصَّلاَةِ.[۱]

اللہ تعالیٰ نے نماز کو میرے لئے خنکی چشم قرار دیا ہے اور نماز کی محبت میرے دل میں اس طرح رکھی ہے جس طرح بھوکے کو کھانے سے اور پیاسے کو پانی سے محبت ہوتی ہے لیکن بھوکا کھانے کے بعد اور پیاسا پانی کے بعد سیر و سیراب ہوجاتا ہے لیکن میں نماز سے ہرگز سیر نہیں ہوتا۔

☆اَلصَّلاَةُ عِمَادُ الدِّينِ فَمَنْ تَرَكَ صَلاَتَهُ مُتَعَمِّداً فَقَدْ هَدَمَ دِينَهُ وَمَنْ تَرَكَ أَوْقَاتَهَا يَدْخُلُ الْوَيْلَ وَ الْوَيْلُ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ-الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلاتِهِمْ سَاهُون

نماز دین کا ستون ہے جو شخص جان بوجھ کر نماز کو چھوڑ دے تو اس نے اپنے دین کو منہدم کرڈالا، اور جو شخص اسے اس کے وقت پر نہ پڑھے وہ ویل میں داخل ہوگیا اور ویل جہنم کی ایک گھاٹی ہے۔جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

☆وَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ-الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلاتِهِمْ سَاهُون.[۲]

ویل ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔

☆لاَ تُضَيِّعُوا صَلاَتَكُمْ فَإِنَّ مَنْ ضَيَّعَ صَلاَتَهُ حَشَرَهُ اللهُ مَعَ قَارُونَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ لَعَنَهُمُ اللهُ وَ أَخْزَاهُمْ وَ كَانَ حَقّاً عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ النَّارَ مَعَ الْمُنَافِقِينَ فَالْوَيْلُ لِمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَى صَلاَتِهِ.[۳]

اپنی نماز کو ضائع نہ کرو جو شخص نماز کو ضائع کرے گا خداوند عالم اسے قارون وفرعون اور ہامان کے ساتھ محشور کرے گا اللہ ان پر لعنت کرے اور انہیں ذلیل وخوار کرے۔اور خداوند عالم کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے منافقین کے ساتھ جہنم میں داخل کرے لہٰذا اس کے لئے ویل (وای) ہے جو اپنی نماز کی حفاظت نہ کرے

[۱] سورہ بینہ آیت ۵
[۲] سورہ بینہ آیت ۵
[۳] سورہ بینہ آیت ۵

☆ مَثَلُ الصَّلَاةِ مَثَلُ عَمُودِ الْفُسْطَاطِ إِذَا ثَبَتَ الْعَمُودُ نَفَعَتِ الْأَطْنَابُ وَ الْأَوْتَادُ وَ الْغِشَاءُ وَإِذَا انْكَسَرَ الْعَمُودُ لَمْ يَنْفَعْ طُنُبٌ وَلَا وَتِدٌ وَلَا غِشَاءٌ. [۱]

نماز کی مثال ستون خیمہ کی سی ہے جب تک وہ ستون قائم رہتا ہے تو رسیاں، کیلیں اور پردے فائدہ مند رہتے ہیں لیکن جب وہ ستون ہی ٹوٹ جاتا ہے تو نہ کوئی رسی فائدہ دیتی ہے نہ کیلیں اور نہ پردے۔

☆ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَأْتِي بِالْعَبْدِ فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَسْأَلُهُ عَنْهُ الصَّلَاةُ فَإِنْ جَاءَ بِهَا تَامَّةً وَإِلَّا زُخَّ فِي النَّارِ. [۲]

نماز کی حفاظت کرو کیونکہ پروردگار عالم روز قیامت بندوں سے حساب و کتاب کرتے وقت سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال کرے گا اگر اس نے کامل نماز پیش کر دی تو نجات مل جائے گی ورنہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

☆ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ وَ تَوَجَّهْتَ وَ قَرَأْتَ أُمَّ الْكِتَابِ وَ مَا تَيَسَّرَ مِنَ السُّوَرِ ثُمَّ رَكَعْتَ فَأَتْمَمْتَ رُكُوعَهَا وَ سُجُودَهَا وَ تَشَهَّدْتَ وَ سَلَّمْتَ غُفِرَ لَكَ كُلُّ ذَنْبٍ فِيمَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الصَّلَاةِ الَّتِي قَدَّمْتَهَا إِلَى الصَّلَاةِ الْمُؤَخَّرَةِ. [۳]

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو اور نیت کر کے سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ پڑھ لو پھر اچھی طرح رکوع و سجود بھی کر لو اور تشہد و سلام بھی پڑھ لو تو تمہاری گزشتہ نماز اور اس نماز کے درمیان جتنے گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔

☆ مَا دُمْتَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّكَ تَقْرَعُ بَابَ الْمَلِكِ، وَمَنْ يُكْثِرْ قَرْعَ بَابِ الْمَلِكِ يُفْتَحْ. [۴]

جب تک تم نماز میں مشغول ہو تو جبار بادشاہ (خداوند عالم) کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو اور جو شخص کثرت سے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے دروازہ کھول ہی دیا جاتا ہے۔

☆ مَا مِنْ صَلَاةٍ يَحْضُرُ وَقْتُهَا إِلَّا نَادَى مَلَكٌ بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ أَيُّهَا النَّاسُ قُومُوا إِلَى نِيرَانِكُمُ الَّتِي أَوْقَدْتُمُوهَا عَلَى ظُهُورِكُمْ فَأَطْفِئُوهَا بِصَلَاتِكُمْ. [۵]

جب بھی کسی نماز کا وقت ہوتا ہے تو ایک فرشتہ لوگوں کے سامنے پکار کر یہ کہتا ہے اٹھو اور جو آگ تم نے اپنی پشت

---

[۱] سورہ بینہ آیت ۵
[۲] سورہ بینہ آیت ۵
[۳] سورہ بینہ آیت ۵
[۴] سورہ بینہ آیت ۵
[۵] سورہ بینہ آیت ۵

کے اوپر جلا رکھی ہے اسے اپنی نماز کے ذریعہ بجھا ڈالو

☆ الصَّلَاةُ مِنْ شَرَائِعِ الدِّينِ وَفِيهَا مَرْضَاةُ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ فَهِيَ مِنْهَا جُ الْأَنْبِيَاءِ۔[1]

نماز دین تک پہنچنے کا راستہ ہے اس میں خداوند عالم کی خوشی اور رضا ہے اور یہ انبیاء کی سیرت ہے۔

۳۔احادیث ائمہ طاہرین علیہم السلام میں نماز کی عظمت

حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆ الصَّلَاةُ حِصْنٌ مِنْ سَطَوَاتِ الشَّيْطَانِ.[2]

نماز شیطانی حملوں سے بچاؤ کا محکم قلعہ ہے۔

☆ اَلصَّلَاةُ تُنْزِلُ الرَّحْمَةَ[3]

نماز رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

☆ اللهَ اللهَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهَا عَمُودُ دِينِكُم.[4]

خدا کے لئے، خدا کیلئے نماز کا خیال رکھو کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔

☆ فَرَضَ اللهُ الْإِيمَانَ تَطْهِيراً مِنَ الشِّرْكِ وَالصَّلَاةَ تَنْزِيهاً عَنِ الْكِبْرِ.[5]

خداوند عالم نے ایمان کو شرک سے پاک کرنے اور نماز کو تکبر سے بچانے کے لئے فرض کیا ہے۔

☆ لَوْ يَعْلَمُ الْمُصَلِّي مَا يَغْشَاهُ مِنْ جَلَالِ اللهِ مَا سَرَّهُ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُود.[6]

اگر نمازی کو یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ جلالت الٰہی میں کس طرح غرق ہے تو سجدہ سے سر اٹھانے میں کبھی خوشی محسوس نہ کرتا۔

اسی طرح آپؑ نے فرمایا:

☆ إِذَا اسْتَقْبَلَ الْمُصَلِّي الْقِبْلَةَ اسْتَقْبَلَ الرَّحْمَنَ بِوَجْهِهِ- لَا إِلَهَ غَيْرُه.[7]

---

[1] سورہ بینہ آیت ۵

[2] سورہ بینہ آیت ۵

[3] سورہ بینہ آیت ۵

[4] سورہ بینہ آیت ۵

[5] سورہ بینہ آیت ۵

[6] سورہ بینہ آیت ۵

[7] سورہ بینہ آیت ۵

جب نمازی روبقبلہ کھڑا ہوتا ہے تو خدائے رحمان جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے نماز کی طرف اپنا رخ کر لیتا ہے۔

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الصَّلَاةُ فَإِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا.[1]

سب سے پہلے ہر شخص سے نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا اگر نماز قبول ہوگئی تو بقیہ اعمال بھی قبول ہو جائیں گے۔

اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆ لِكُلِّ شَيْءٍ وَجْهٌ وَوَجْهُ دِينِكُمُ الصَّلَاةُ.[2]

ہر چیز کا ایک چہرہ ہوتا ہے اور تمہارے دین کا چہرہ نماز ہے۔

☆ إِنَّ طَاعَةَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ خِدْمَتُهُ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْ خِدْمَتِهِ يَعْدِلُ الصَّلَاةَ.[3]

خداوند عالم کی اطاعت روئے زمین پر اس کی خدمت ہے اور نماز کے ہم پلہ کوئی خدمت خدا نہیں ہے۔

☆ مَنْ أَتَى الصَّلَاةَ عَارِفاً بِحَقِّهَا غُفِرَ لَهُ.[4]

جو شخص نماز کی قدر و قیمت کو جانتے ہوئے نماز ادا کرے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

☆ لَا حَظَّ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ.[5]

بے نمازی کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

☆ اعْلَمْ أَنَّ الصَّلَاةَ حُجْزَةُ اللهِ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَعْلَمَ مَا أَدْرَكَ مِنْ نَفْعِ صَلَاتِهِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ كَانَتْ صَلَاتُهُ حَجَزَتْهُ عَنِ الْفَوَاحِشِ وَالْمُنْكَرِ فَإِنَّمَا أَدْرَكَ مِنْ نَفْعِهَا بِقَدْرِ مَا احْتَجَزَ.

یاد رکھو! نماز زمین کے اوپر خداوند عالم کا ایک بندھ ہے لہٰذا جو شخص یہ جاننا چاہے کہ اس کی نماز سے اسے کتنا فائدہ پہنچا ہے تو وہ یہ دیکھے کہ اس کی نماز نے اسے برائیوں سے کس مقدار میں روکا ہے چنانچہ وہ جتنی مقدار میں برائیوں سے رکا رہا اس کو اتنا ہی فائدہ حاصل ہوا۔[6]

---

[1] بحار الانوار: ج۸۰، ص ۲۵، باب ٦

[2] سورہ بینہ آیت ۵

[3] سورہ بینہ آیت ۵

[4] سورہ بینہ آیت ۵

[5] سورہ بینہ آیت ۵

[6] بحار الانوار: ج۸۱، ص ۲٦۳، باب ١٦

خلاصہ

نماز اسلام کی سب سے اہم عبادت ہے اس کو دین کا ستون کہا گیا ہے۔

نماز ہر عبادت کی بنیاد اور ستون ہے اسی لئے روایات میں آیا ہے کہ روز قیامت ہر بندہ سے نماز کے بارے میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا۔

سوالات

۱۔ اسلامی احکام کے درمیان نماز کی کیا عظمت ہے؟

۲۔ پیغمبر اکرمؐ کو نماز کتنی عزیز تھی؟

۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو کس چیز سے تشبیہ دی ہے؟

۴۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے نماز کے کیا فضائل بیان کئے ہیں؟

باب۔۵۳

آداب نماز

۱۔اجزاوشرائط کا خیال

نمازی کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ نماز کے تمام اجزااورشرائط کا بخوبی خیال رکھے اورانہیں بالکل صحیح طریقہ سے انجام دے نماز سے متعلق مسائل جیسے وضو،طہارت،لباس،جگہ،وقت،قبلہ،قرائت نیز دوسرے تمام واجبات اوراذکار نماز صحیح طریقے سے جاننے کے لئے معتبر علماء کرام سے دریافت کرنا چاہئے یا مراجع تقلید کی توضیح المسائل کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ ملاحظہ فرمائیں اوراس کے مطابق مسائل کواچھی طرح یاد کرنا ضروری ہے ورنہ نماز باطل ہےاور ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔

۲۔بارگاہ الٰہی کے حضور

نمازی کومسلسل یہ احساس رہنا چاہئے کہ جب وہ قبلہ رخ ہوکرنماز شروع کرتا ہےتو وہ خداوندعالم کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہےلہٰذا جس طرح وہ اپنے بزرگوں کے سامنے بڑے ادب واحترام سے کھڑا ہوتا ہےاس سے کہیں زیادہ ادب واحترام کے ساتھ حالت نماز میں کھڑے ہونا چاہئے اورغیر متعلق کاموں سے اجتناب کرنا چاہئے جیسا کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اعْبُدِاللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ كُنْتَ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاك.[۱]

خداوندعالم کی عبادت اس طرح کروجیسے تم اس کودیکھ رہے ہوکیونکہ اگرتم اس کونہیں دیکھ رہے ہوتو وہ تم کوضروردیکھ رہا ہے۔

---

[۱] بحارالانوار:ج۷۴،ص۷۵،باب۴۔

روایت میں ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ انس بن مالک نماز میں ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں آنحضرتؐ نے انس سے فرمایا:

يَا أَنَسُ صَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ تَرَى أَنَّكَ لَا تُصَلِّي بَعْدَهَا صَلَاةً أَبَداً اضْرِبْ بِبَصَرِكَ مَوْضِعَ سُجُودِكَ لَا تَعْرِفُ مَنْ عَنْ يَمِينِكَ وَلَا عَنْ شِمَالِكَ وَاعْلَمْ أَنَّكَ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ يَرَاكَ وَلَا تَرَاهُ.[1]

اے انس اپنی ہر نماز کو آخری نماز سمجھ کر ادا کرو کہ گویا اب اس کے بعد کبھی بھی تم نماز نہ پڑھو گے، اپنی نگاہوں کو اپنی سجدہ گاہ پر جمائے رکھو اور دائیں یا بائیں طرف ہرگز توجہ نہ کرو اور یاد رکھو کہ تم اس کی بارگاہ میں کھڑے ہو جو تمہیں دیکھ رہا ہے اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو۔

ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا:

أَمَا إِنَّهُ لَوْ خَشَعَ قَلْبُهُ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ.[2]

یقیناً اگر اس کے دل میں خضوع وخشوع ہوتا تو اس کے اعضاء وجوارح بھی خاضع وخاشع ہوتے۔

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

إِنَّ اللهَ كَرِهَ لَكُمْ سِتّاً الْعَبَثَ فِي الصَّلَاةِ وَالْمَنَّ فِي الصَّدَقَةِ وَالرَّفَثَ فِي الصِّيَامِ وَالضَّحِكَ عِنْدَ الْقُبُورِ وَإِدْخَالَ الْأَعْيُنِ فِي الدُّورِ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَالْجُلُوسَ فِي الْمَسَاجِدِ وَأَنْتُمْ جُنُبٌ.[3]

خداوند عالم کو تمہاری چھ چیزیں ناپسند ہیں...... نماز میں فضول کام کرنا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے والد امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ كَأَنَّهُ سَاقُ شَجَرَةٍ لَا يَتَحَرَّكُ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا حَرَّكَتِ الرِّيحُ مِنْهُ.[4]

جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے درخت ہو جس میں صرف اتنی حرکت ہوتی ہے جتنا وہ ہوا سے ہلتا ہے۔

[1] بحارالانوار: ج ۸۱، ص ۲۶۴، باب ۱۶۔
[2] بحارالانوار: ص ۲۲۸، باب ۱۶۔
[3] بحارالانوار: ص ۲۶۷، باب ۱۶۔
[4] بحارالانوار: ص ۲۴۸، باب ۱۶۔

۳۔نشاط وولولہ

نمازی اپنی ہرنماز کوشوق نشاط اور دل جمعی دلچسپی کے ساتھ ادا کرے اور ہر قسم کی سستی وکاہلی وغیرہ سے دور رہے کیونکہ قرآن مجید نے منافقین کے مختلف فریب اور ہتھکنڈوں کو بیان کرتے ہوئے ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ نماز کے معاملہ میں بہت سست رہتے ہیں اوراسی بنا پران کی مذمت اس طرح کی ہے:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللهَ إِلَّا قَلِيْلًا.[۱]

منافقین خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور خدا ان کو دھوکہ میں رکھنے والا ہے اور یہ نماز کے لئے اٹھتے بھی ہیں توسستی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

أَفْضَلُ النَّاسِ مَنْ عَشِقَ الْعِبَادَةَ فَعَانَقَهَا وَ أَحَبَّهَا بِقَلْبِهِ وَ بَاشَرَهَا بِجَسَدِهِ وَ تَفَرَّغَ لَهَا فَهُوَ لَا يُبَالِي عَلَى مَا أَصْبَحَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى عُسْرٍ أَمْ عَلَى يُسْرٍ.[۲]

سب سے افضل انسان وہ ہے جو نماز سے اتنا عشق رکھتا ہو کہ اسے گلے لگا لے اس سے قلبی محبت رکھتا ہو، نماز اس کے وجود میں بالکل پیوست ہو جائے اور وہ اس کے لئے ہر چیز سے بےفکر رہتا ہے، یعنی اسے یہ پرواہ نہیں رہتی ہے کہ اس کا یہ دن پرسکون گذرے گا یا پریشاں حالی میں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تَقُمْ إِلَى الصَّلَاةِ مُتَكَاسِلًا وَ لَا مُتَنَاعِساً وَ لَا مُتَثَاقِلًا فَإِنَّهَا مِنْ خِلَالِ النِّفَاقِ وَ قَدْ نَهَى اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَقُومُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَ هُمْ سُكَارَى يَعْنِي مِنَ النَّوْمِ[۳]

نماز میں سست، اونگھتے ہوئے یا سوتے ہوئے نہ کھڑے ہوا کرو کیونکہ ایسا نفاق کے باعث ہوتا ہے اور خداوند عالم نے مومنین کو مستی کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور وہ (مستی) نیند ہے۔

---

[۱] سورہ نساء آیت ۱۴۲۔

[۲] بحار الانوار: ج۶۷، ص ۲۵۳ باب ۵۵۔

[۳] بحار الانوار: ج۸۱، ۲۱۳۔

۴۔ خضوع وخشوع

خداوند عالم نے قرآن مجید میں ان مومنین کو فلاح اور کامیابی کی بشارت دی ہے جو خضوع وخشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ.[۱]

یقیناً صاحبان ایمان کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں گڑگڑانے والے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خشوع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

التَّوَاضُعُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنْ يُقْبِلَ الْعَبْدُ بِقَلْبِهِ كُلِّهِ عَلَى رَبِّهِ.[۲]

خشوع کا مطلب نماز میں تواضع ہے کہ انسان قلب کی گہرائیوں سے خدا کی جانب متوجہ ہو۔

علمائے اخلاق نے کہا ہے کہ نماز میں خشوع کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ قلبی خشوع: یعنی اپنے دل کو ہر طرح کے فکر وخیال سے خالی کرے اور صرف خدا کی طرف متوجہ رہے۔

۲۔ جسمانی خشوع: اس کے اعضاء وجوارح کوئی ایسا کام نہ کریں جو نماز کی شان کے خلاف ہوں لہٰذا اس کی نظریں صرف سجدہ گاہ پر ہوں نہ کہ ادھر ادھر ہاتھوں اور پیروں کی حرکت بھی احکام نماز کے مطابق ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّمَا الصَّلَاةُ تمسكن و تواضع و تضرع و تباس و تندّم و تفنّع بمد يديك فتقول: اللهم، اللّٰهم، فمن لمن يفعل فهو خداج.[۳]

نماز مسکینی، تواضع، تضرع وزاری فقر اور پشیمانی کے اظہار کا نام ہے۔تم ہاتھ پھیلا کر "اللّٰھم اللّٰھم ......" کہو اور جو شخص یہ نہ کرے اس کی نماز ناقص ہے۔

۵۔ حضور قلب

نمازی کو نماز کے ہر مرحلہ میں خاص طور سے نیت کے وقت اپنے دل ودماغ کو ہر طرح فکر وخیال سے دور رکھ کر خدا

---

[۱] سورہ مومنون آیت ۱ / ۲۔

[۲] بحار الانوار: ج ۱۸، ص ۲۶۴، باب ۱۶

[۳] احیاء العلوم الدین' کتاب اسرار الصلاۃ، المحجۃ البیضا، ج ۱، ص ۳۴۹

کی طرف توجہ رکھنا چاہیے یعنی اسے یہ دھیان رہے کہ اس وقت وہ خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا و مناجات اور راز و نیاز میں مشغول ہے نہ کہ زندگی کے دوسرے معاملات میں...... پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

وَلَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ عَبْدٍ لَا يَحْضُرُ قَلْبُهُ مَعَ بَدَنِهِ.[۱]

اس شخص کی نماز قطعاً قبول نہ ہوگی جس کا دل اس کے بدن کے ساتھ حاضر نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا يَقُومَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ مُتَكَاسِلًا وَلَا نَاعِساً وَلَا يُفَكِّرَنَّ فِي نَفْسِهِ فَإِنَّهُ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنَّمَا لِلْعَبْدِ مِنْ صَلَاتِهِ مَا أَقْبَلَ عَلَيْهِ مِنْهَا بِقَلْبِهِ.[۲]

کسی بھی شخص کو نماز کیلئے سستی، کاہلی اور جمائی لیتے ہوئے نہ کھڑا ہونا چاہیے اور اپنی فکر میں نہ ڈوبا رہے کیونکہ وہ پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہے یقیناً ہر بندہ کو اپنی نماز کا صرف اتنا حصہ ہی نصیب ہوتا ہے جتنی دیر نماز میں اس کا دل حاضر رہتا ہے۔

ابو حمزہ ثمالیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی عبا آپ کے ایک شانے سے نیچے گری ہوئی تھی لیکن آپ نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا یہاں تک کہ نماز تمام ہوگئی میں نے عرض کی آپ نے اپنی عبا کیوں ٹھیک نہیں کی تھی؟

آپ نے فرمایا:

وَيْحَكَ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ كُنْتُ إِنَّ الْعَبْدَ لَا يُقْبَلُ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَّا مَا أَقْبَلَ عَلَيْهِ مِنْهَا بِقَلْبِهِ.[۳]

تم پر وائے ہو تمہیں معلوم نہیں میں کس کے حضور میں کھڑا تھا؟ ہر بندہ کی صرف اتنی ہی مقدار نماز قبول ہوتی ہے جس مقدار میں اس کا دل حاضر رہتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ لَا يُكْتَبُ لَهُ سُدُسُهَا [ثُلُثُهَا] وَلَا عُشْرُهَا وَإِنَّمَا يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنْ صَلَاتِهِ مَا عَقَلَ مِنْهَا.[۴]

---

[۱] بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۱۶، ص ۲۴۲۔

[۲] بحار الانوار: ج ۸۱ ص ۲۳۹۔

[۳] بحار الانوار: ج ۸۱ ص ۲۳۷۔

[۴] بحار الانوار: ج ۸۱ ص ۲۴۹۔

جب کوئی آدمی نماز پڑھتا ہے تو اس کے نامۂ عمل میں اس کا چھٹا یا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا جاتا بلکہ ہر بندہ کی اتنی ہی نماز اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے جتنی مقدار میں وہ اسے سمجھا ہے۔

۶۔ نماز کا احترام

ہر مسلمان اور مومن کے لئے ضروری ہے کہ نماز کا احترام کرے اور اس کو واقعاً عظیم سمجھے کیونکہ نماز کو حقیر یا ہلکا سمجھنا گناہ کبیرہ ہے اسی لئے جو لوگ نماز کو معمولی سمجھتے ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین نے ان کی مذمت کی ہے اور انہیں اپنے سے دور قرار دیا ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لَیْسَ مِنّی مَنِ اسْتَخَفَّ بِالصَّلَاۃِ لَا یَرِدُ عَلَیَّ الْحَوْضَ لَا وَاللہِ۔[۱]

وہ مجھ سے نہیں ہے جو اپنی نماز کو معمولی سمجھے خدا کی قسم وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تَتَهَاوَنْ بِصَلَاتِكَ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ عِنْدَ مَوْتِهِ لَيْسَ مِنِّي مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِهِ.[۲]

اپنی نماز کو حقیر مت سمجھنا کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رحلت کے وقت فرمایا تھا: اپنی نماز کو معمولی سمجھنے والا مجھ سے نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

شَفَاعَتَنَا لَنْ تَنَالَ مُسْتَخِفّاً بِالصَّلَاۃِ۔[۳]

نماز کو حقیر اور سبک سمجھنے والے کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

۷۔ اول وقت کا خیال

نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا چاہئے، روایات میں اول وقت کے لئے بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اول وقت

---

[۱] وسائل الشیعہ: ج ۴، ص ۲۳، باب ۶۔
[۲] بحار الانوار: ج ۷۹، ص ۲۲۴، باب ا
[۳] بحار الانوار: ج ۸۲، باب ا

نماز پڑھنا اور نماز سے قلبی محبت اور نمازی کی نظر میں نماز کی عظمت واہمیت کی بہترین دلیل ہے۔

چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّ أَوَّلَ الْوَقْتِ أَبَداً أَفْضَلُ، فَعَجِّلْ بِالْخَيْرِ مَا اسْتَطَعْتَ، وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ-عَزَّ وَجَلَّ-مَا دَاوَمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ.[1]

یاد رکھو! اول وقت ہمیشہ افضل ہے۔لہٰذا جتنا ممکن ہو کار خیر کے لئے جلدی کرو اور خداوند عالم کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ کار خیر ہے جسے بندہ مسلسل بجالاتا رہے چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَضْلُ الْوَقْتِ الْأَوَّلِ عَلَى الْأَخِيرِ كَفَضْلِ الْآخِرَةِ عَلَى الدُّنْيَا.[2]

اول وقت کی فضیلت آخری وقت پر ویسی ہی ہے جیسی فضیلت آخرت کو دنیا پر حاصل ہے۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے:

فَضْلُ الْوَقْتِ الْأَوَّلِ عَلَى الْأَخِيرِ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنْ وُلْدِهِ وَمَالِهِ.[3]

آخری وقت کے مقابلہ اول وقت کی فضیلت مومن کے لئے اس کے مال اور اولاد سے زیادہ ہے۔

۸۔ زینت و آرائش

قرآن مجید میں پروردگار عالم نے اپنے بندوں سے خطاب کر کے فرمایا ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ.[4]

اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اور مسجد کے پاس اپنی زینت ساتھ رکھو۔

لہٰذا مناسب یہی ہے کہ نمازی نماز پڑھتے وقت صاف ستھرا اور مناسب لباس پہنے یعنی اس کی ظاہری صورت بھی مناسب ہو اور پھر خدا کی بارگاہ میں حاضری دے۔

---

[1] اصول کافی: ج ۳، ص ۲۷۴۔
[2] مستدرک الوسائل: ج ۳، ص ۱۰۲، باب ۱۔
[3] بحار الانوار: ج ۸۲، باب ۵۔
[4] سورہ اعراف آیت ۳۱۔

۹۔نماز جماعت

نمازی کے لئے جہاں تک ممکن ہو ہر نماز کو مسجد میں اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے کیونکہ نماز جماعت کی قدر و قیمت ہر ایک کے فہم وخیال اور تصورات سے بالاتر ہے روایت میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ جب نماز جماعت میں دس آدمی ہوجائیں تو سب فرشتے مل کر بھی اس جماعت کا ثواب نہیں لکھ سکتے ہیں۔

خلاصہ

نماز کے تمام اجزاء وشرائط کا لحاظ بارگاہ خداوندی میں حاضری، ذوق وشوق کے ساتھ نماز پڑھا، حضور قلب، خضوع وخشوع، نماز کا احترام، اول وقت کا خیال رکھنا نماز کے اہم ترین آداب میں سے ہے جن کی پابندی ہر نمازی کے لئے ضروری ہے۔

سوالات

۱۔ بارگاہ الٰہی میں حاضری کے آداب کیا ہیں؟
۲۔ منافقین کی نماز کیسی ہوتی ہے؟
۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے افضل کس شخص کو قرار دیا ہے؟
۴۔ نماز میں خضوع وخشوع کے کیا معنی ہیں؟
۵۔ روایت کی بناء پر پیغمبرؐ نے کن لوگوں کو اپنی شفاعت سے محروم قرار دیا ہے؟
۶۔ اول وقت کی فضیلت کتنی زیادہ ہے؟

باب۔ ۵۴

روزہ کی اہمیت

اسلام میں نماز کے بعد سب سے اہم عبادت روزہ ہے اور اس کو پروردگار عالم نے تمام مسلمانوں کے اوپر ماہ مبارک رمضان میں واجب قرار دیا ہے۔جس کی تفصیلات فقہی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

روزہ نفس کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے اور اس کے ذریعہ ہر مسلمان اپنے باطن اور قلب و دماغ کو پاک و پاکیزہ اپنے ارادہ کو مضبوط اور مستحکم بنا سکتا ہے اور حیوانی خواہشات سے نجات حاصل کر کے روحانی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے جس سے وہ محبت اور رضائے الٰہی کا حقدار بن کر جنت میں جگہ پا سکتا ہے۔

اس سبق میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث کی روشنی میں روزہ کی اہمیت اس کے آداب و شرائط اور اس کے فوائد و نتائج بیان کئے جائیں گے۔

۱۔روزہ میرے لئے ہے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

قَالَ اللهُ تَعَالَى كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَ أَنَا أُجْزَى بِه.[1]

خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ ہر نیکی کے بدلے دس سے لے کر سات سو گنا تک جزا دی جاتی ہے سوائے روزہ کے، روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔

---

[1] مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل، ج ۷، ص: ۵۰۳، سنن نسائی: ج ۴

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلاةِ[1] يَعْنِي بِالصَّبْرِ: اَلصَّوْمُ.[2]

صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو اس آیت میں صبر سے مراد روزہ ہے۔

ایک اور آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّٰبِرُونَ.[3]

بس صبر کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

چونکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق صبر سے مراد روزہ ہے اس طرح دونوں آیتوں کو ملانے سے بخوبی یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے روزہ دار کا درجہ بے حساب ہے گویا کہ انسان روزے کے علاوہ جتنی بھی عبادتیں کرتا ہے ان سب کے ثواب کا علم محدود ہے۔ لیکن روزہ کے ثواب کا علم صرف پروردگار عالم کو ہے اور یہی چیز روزہ کی عظمت اور منزلت کے لئے کافی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں ہے:

قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ هُوَ لَهُ غَيْرَ الصِّيَامِ هُوَ لِي وَ أَنَا أَجْزِي بِهِ وَ الصِّيَامُ جُنَّةُ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا يَقِي أَحَدَكُمْ سِلَاحُهُ فِي الدُّنْيَا وَ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَ الصَّائِمُ يَفْرَحُ بِفَرْحَتَيْنِ حِينَ يُفْطِرُ فَيَطْعَمُ وَ يَشْرَبُ وَ حِينَ يَلْقَانِي فَأُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ.[4]

روزہ دار کے علاوہ اولاد آدم کا ہر عمل خود اس کے لئے ہے اور روزہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی روزہ کی جزا دوں گا اور قیامت کے دن بندہ مومن کی اسی طرح سپر ہے جس طرح دنیا میں ہر آدمی کا اسلحہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور روزہ دار کے دہن کی بو خداوند عز وجل کے نزدیک مشک کی بو سے بھی بہتر ہے روزہ دار کو دہری خوشی نصیب ہوتی ہے، ایک افطار کے وقت جب کوئی چیز کھاتا یا پیتا ہے دوسرے جب میں اس کو جنت میں داخل کروں گا۔

آپ ہی کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ إِنَّمَا يَذَرُ شَهْوَتَهُ

---

[1] سورہ بقرہ: آیت ۴۵

[2] اصول کافی: ج ۴

[3] سورہ زمر: آیت ۱۰

[4] بحار الانوار: ج ۹۳ ص ۲۴۹ باب ۳۰

وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ أَجْلِي فَالصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَّا الصِّيَامَ فَهُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ.[1]

اس ذات گرامی کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو خداوند عالم کے نزدیک مشک کی بو سے بہتر ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: اس بندہ نے اپنی خواہشات اور کھانے پینے کو صرف میرے لئے ترک کر رکھا ہے لہٰذا روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

۲۔ روزہ سپر ہے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ.[2]

روزہ جہنم سے حفاظت کی سپر ہے۔

اس سلسلہ میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:

عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ وَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَأْتِيَكَ الْمَوْتُ وَ بَطْنُكَ جَائِعٌ فَافْعَلْ.[3]

روزہ رکھو کیونکہ وہ جہنم سے محفوظ رہنے کی سپر ہے اور اگر تمہارے لئے ممکن ہو کہ مرتے وقت تم بالکل خالی پیٹ ہو تو ایسا ہی کرو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ کو سپر اس لئے قرار دیا ہے کہ روزہ کی وجہ سے انسان کی دو مضبوط قوتیں یعنی شہوت اور غضب اس کے قابو میں رہتی ہیں اور اگر یہ دونوں بے قابو ہیں تو انسان کو گمراہی اور بھیانک تباہی کے منہ میں جھونک سکتی ہیں اسی لئے آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:

الصَّوْمُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا.[4]

روزہ اس وقت تک سپر ہے جب تک اسے پارہ نہ کیا جائے (یعنی اسے باطل نہ کیا جائے)

---

[1] صحیح بخاری ج ۳

[2] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۱۲۶، باب ۱۴

[3] بحار الانوار: ص ۲۵۸، باب ۳۰

[4] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۲۹۶، باب ۳۶

۳۔روزہ کے اسباب

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

فَرَضَ اللہ الصِّیَامَ ابْتِلَاءً لِإِخْلَاصِ الْخَلْق.[۱]

خداوند عالم نے روزہ کو لوگوں کے خلوص کی آزمائش کے لئے فرض کیا ہے۔

شہزادی کائنات سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

فَرَضَ اللہُ الصِّیَامَ تَثْبِیتاً لِلْإِخْلَاص.[۲]

اللہ تعالیٰ نے روزہ کو خلوص کے استحکام کیلئے واجب قرار دیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

الصِّیَامِ لِیَسْتَوِیَ بِهِ الْغَنِیُّ وَ الْفَقِیرُ وَ ذٰلِكَ لِأَنَّ الْغَنِیَّ لَمْ یَكُنْ لِیَجِدَ مَسَّ الْجُوعِ فَیَرْحَمَ الْفَقِیرَ لِأَنَّ الْغَنِیَّ كُلَّمَا أَرَادَ شَیْئاً قَدَرَ عَلَیْهِ فَأَرَادَ اللہُ عَزَّ وَ جَلَّ أَنْ یُسَوِّیَ بَیْنَ خَلْقِهِ وَ أَنْ یُذِیقَ الْغَنِیَّ مَسَّ الْجُوعِ وَ الْأَلَمِ لِیَرِقَّ عَلَى الضَّعِیفِ وَیَرْحَمَ الْجَائِع.[۳]

روزہ واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے مالدار اور فقیر سب برابر ہو جائیں کیونکہ مالدار جب تک بھوک کا مزہ نہ چکھ لے وہ فقیر کے اوپر رحم نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کا جو دل چاہتا ہے وہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔لہٰذا خداوند عالم نے یہ چاہا کہ اس کی تمام مخلوقات کے درمیان مساوات پیدا ہو جائے اور مالدار بھی بھوک کا مزہ اور درد چکھ لے تا کہ اس کا دل بھی کمزوروں کے لئے نرم پڑ جائے اور وہ بھوکوں کے ساتھ رحم دلی سے پیش آئے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے روزہ کے وجوب کا یہ سبب بیان فرمایا ہے:

فَلِمَ أُمِرُوا بِالصَّوْمِ قِیلَ لِكَیْ یَعْرِفُوا أَلَمَ الْجُوعِ وَ الْعَطَشِ وَ یُسْتَدَلُّوا عَلَى فَقْرِ الْآخِرَةِ وَ لِیَكُونَ الصَّائِمُ خَاشِعاً ذَلِیلاً مُسْتَكِیناً مَأْجُوراً مُحْتَسِباً عَارِفاً صَابِراً عَلَى مَا أَصَابَهُ مِنَ الْجُوعِ وَ الْعَطَشِ فَیَسْتَوْجِبَ الثَّوَابَ مَعَ مَا فِیهِ مِنَ الْإِمْسَاكِ عَنِ الشَّهَوَاتِ وَلِیَكُونَ ذٰلِكَ وَاعِظاً لَهُمْ فِي الْعَاجِلِ وَرَائِضاً لَهُمْ عَلَى أَدَاءِ مَا كَلَّفَهُمْ وَ دَلِیلاً لَهُمْ فِي الْأَجْرِ وَلِیَعْرِفُوا شِدَّةَ مَبْلَغِ ذٰلِكَ عَلَى أَهْلِ

---

[۱] نہج البلاغۃ: حکم ۲۵۲

[۲] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۳۶۸، باب ۲۶

[۳] بحار الانوار: ج ۹۳ ص ۳۷۱، باب ۴۶

الْفَقْرِ وَ الْمَسْكَنَةِ فِي الدُّنْيَا فَيُؤَدُّوا إِلَيْهِمْ مَا فَرَضَ اللهُ لَهُمْ فِي أَمْوَالِهِمْ.[1]

اگر کوئی یہ کہے کہ روزہ کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ تو کہا جائے تا کہ وہ بھی بھوک اور پیاس کی تکلیف کا احساس کر سکے اور اس کے ذریعہ آخرت کی غربت کا اندازہ کر لے اور یہ کہ روزہ دار اپنی بھوک و پیاس کو برداشت کر کے خدا کے سامنے دلیل، مسکین (نیاز مند) ثواب کا مستحق، جزا کا منتظر اور خداوند عالم کا عارف اور ثواب کا مستحق بن جائے اس کے علاوہ اس میں خواہشات کا توڑ، زود گذر چیزوں کے بارے میں نصیحت، فرائض کی ادائیگی کے لئے آمادگی، آئندہ کے لئے رہنمائی ہے اور تا کہ انہیں یہ پتہ چل جائے کہ فقیروں اور مسکینوں کے لئے اس کو برداشت کرنا کتنا دشوار ہے لہٰذا اسے دیکھ کر وہ ان کے وہ حقوق ادا کریں جن کو خداوند عالم نے ان کے اموال میں واجب قرار دیا ہے۔

۴۔ روزہ کے معنوی اثرات

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

☆ نَوْمُ الصَّائِمِ عِبَادَةٌ وَ نَفَسُهُ تَسْبِيحٌ.[2]

روزہ دار کا سونا عبادت اور سانس تسبیح ہے۔

☆ إِنَّ اللهَ وَكَّلَ مَلَائِكَةً بِالدُّعَاءِ لِلصَّائِمِينَ.[3]

خداوند عالم نے کچھ فرشتوں کو روزہ دار کے لئے دعا کرنے پر مامور فرمایا ہے۔

☆ مَنْ صَامَ يَوْماً تَطَوُّعاً فَلَوْ أُعْطِيَ مِلْءَ الْأَرْضِ ذَهَباً مَا وُفِّيَ أَجْرُهُ دُونَ يَوْمِ الْحِسَابِ.[4]

جو شخص ایک دن مستحبی روزہ رکھے تو اگر اسے پوری زمین سونے سے بھر کر دے دی جائے تو بھی اس کا اجر کامل نہیں ہو سکتا ہاں صرف روز قیامت وہ اپنے مکمل اجر حاصل کر لے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

نَوْمُ الصَّائِمِ عِبَادَةٌ وَ صَمْتُهُ تَسْبِيحٌ وَ دُعَاؤُهُ مُسْتَجَابٌ وَ عَمَلُهُ مُضَاعَفٌ.[5]

---

[1] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۳۶۹، باب ۴۶

[2] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۲۵۸، باب ۳۰

[3] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۲۵۸، باب ۳۰

[4] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۲۵۸، باب ۳۰

[5] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۲۵۵، باب ۳۰

روزہ دار کا سونا عبادت، سانس تسبیح اور دعا مستجاب ہے نیز اس کے عمل کا اجر دوگنا ہو جاتا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ إِفْطَارِهِ دَعْوَةٌ لَا تُرَد.[۱]

افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

الصَّائِمُ فِي عِبَادَةِ اللهِ [فِي عِبَادَةٍ] وَإِنْ كَانَ نَائِماً عَلَى فِرَاشِهِ مَا لَمْ يَغْتَبْ مُسْلِماً.[۲]

روزہ دار عبادت الٰہی میں مشغول ہے چاہے وہ سورہا ہو البتہ جب کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے۔

۵۔ روزہ کی حد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ أَنْ لَا يَأْكُلَ الْإِنْسَانُ وَ لَا يَشْرَبَ فَقَطْ وَ لَكِنْ إِذَا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ وَلِسَانُكَ وَبَطْنُكَ وَفَرْجُكَ وَ احْفَظْ يَدَكَ وَ فَرْجَكَ وَ أَكْثِرِ السُّكُوتَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ وَ ارْفُقْ بِخَادِمِكَ.[۳]

روزہ صرف کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے کہ انسان صرف کھانا پینا چھوڑ دے بلکہ جب تم روزہ رکھو تو پھر تمہارے کان، آنکھ، زبان، پیٹ، شرمگاہ کو بھی روزہ دار ہونا چاہئے اور اپنے ہاتھ اور شرمگاہ کو بچا کر رکھو، اور نیک باتوں کے علاوہ زیادہ سے زیادہ خاموش رہو اور اپنے خادموں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے:

إِذَا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ وَ جِلْدُكَ وَ شَعْرُكَ.[۴]

جب تم روزہ رکھو تو تمہارے کان، آنکھ، کھال اور بال کو بھی روزہ دار ہونا چاہئے۔

---

[۱] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۲۵۵، باب ۳۰

[۲] بحار الانوار: ص ۲۴۷، باب ۳۰

[۳] وسائل الشیعہ: ج ۱۰، ص ۱۶۵، باب ۱۱

[۴] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۲۹۱ باب ۳۶

خلاصہ

اسلام کی ایک اور اہم عبادت کا نام روزہ ہے کیونکہ ایک مسلمان روزہ رکھ کر اپنی خواہشات نفس اور ہوا و ہوس پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنی روح کو پاک و پاکیزہ بناتا ہے۔

پروردگار عالم نے روزہ داروں کے لئے عظیم اجر قرار دیا ہے۔

سوالات

۱۔ خداوند عالم نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ روزہ کا ثواب میرے ذمہ ہے؟

۲۔ روزہ دار کی دوہری خوشیاں کونسی ہیں؟

۳۔ ''روزہ جہنم کی سپر ہے'' اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟

۴۔ روزہ واجب ہونے کا سبب کیا ہے؟

۵۔ روزہ کے روحانی اور معنوی آثار بیان کیجئے؟

۶۔ کیا روزہ صرف نہ کھانے پینے کا نام ہے؟

باب۔۵۵

قرآن مجید کی فضیلت

۱۔قرآن مجید کی فضیلت:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللهِ عَلٰی خَلْقِهِ.[۱]

قرآن مجید کو ہر کلام کے اوپر وہی فوقیت و برتری حاصل ہے جو خداوند عالم کو اپنی مخلوق کے اوپر فوقیت حاصل ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

اَلْقُرْآنُ غِنًی لَا غِنًی دُوْنَهُ وَلَا فَقْرَ بَعْدَهُ.[۲]

قرآن مجید ایسی دولت ہے جس سے بے نیازی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کے (مل جانے کے) بعد کوئی فقر ہے۔

آپ یہ بھی فرماتے ہیں:

أَصْدَقَ الْقَوْلِ وَأَبْلَغَ الْمَوْعِظَةِ وَأَحْسَنَ الْقَصَصِ كِتَابُ اللهِ.[۳]

سب سے سچا کلام، اور بلیغ ترین موعظہ اور سب سے حسین داستان کتاب خدا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

---

[۱] بحار الانوار: ج۸۹، ص۱۷، باب ۱

[۲] بحار الانوار: ج۸۹، ص۱۷، باب ۱

[۳] بحار الانوار: ج۷۴، ص۱۱۶، باب ۶۔

عَلَيْكُمْ بِالْقُرْآنِ فَاتَّخِذُوهُ إِمَاماً قَائِداً.[1]

تمہیں قرآن مجید کا خیال رہے لہٰذا اسے اپنا امام اور قائد قرار دو۔

اسی طرح آپ نے فرمایا ہے:

اعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْآنِ مِنْ فَاقَةٍ وَ لَا لِأَحَدٍ قَبْلَ الْقُرْآنِ مِنْ غِنًى فَاسْتَشْفُوهُ مِنْ أَدْوَائِكُمْ وَ اسْتَعِينُوا بِهِ عَلَى لَأْوَائِكُمْ فَإِنَّ فِيهِ شِفَاءً مِنْ أَكْبَرِ الدَّاءِ وَ هُوَ الْكُفْرُ وَ النِّفَاقُ وَ الْغَيُّ وَ الضَّلَالُ.[2]

یاد رکھو (فہم وادراک) قرآن مل جانے کے بعد کوئی فاقہ کش نہیں رہ سکتا اور قرآن سے پہلے مستغنی ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے ذریعہ اپنی بیماریوں کا علاج کرو اور سختیوں میں اس سے مدد حاصل کرو کیونکہ اس میں سب بڑی بیماریوں کی شفا ہے اور وہ یہ ہیں کفر، نفاق، بغاوت، گمراہی۔

۲۔ تلاوت قرآن کی فضیلت

اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِي قِرَائَةُ الْقُرْآنِ.[3]

میری امت کی سب سے افضل عبادت تلاوت قرآن ہے۔

☆ اَهْلُ الْقُرْآنِ اَهْلُ اللهِ وَ خَاصَّةٌ.[4]

اہل قرآن اہل اللہ اور اس کے خواص ہیں۔

☆ إِنَّ الْقُلُوبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيدُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَ مَا جَلَاؤُهَا قَالَ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَ ذِكْرُ الْمَوْتِ.[5]

دل بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔

---

[1] کنز العمال: حدیث ۴۰۲۹۔
[2] نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۷۶۔
[3] سنن دارمی: ج ۲۔
[4] سنن دارمی: ج ۲۔
[5] سنن دارمی: ج ۲۔

پوچھا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: تلاوت قرآن اور موت کو یاد رکھنا۔

☆ إِذا اَحبَّ اَحدُ کُمْ اَن یُحدِّثِ ربَّهُ فَلْيَقرَءِ القُرآن.[1]

تم میں سے جب کوئی شخص اپنے رب سے بات کرنا چاہے تو وہ قرآن مجید کی تلاوت کر لیا کرے۔

☆ عَلَيْكَ بِقِرَاءةِ الْقُرآنِ فَإِنَّ قِرَاءتَهُ كَفَّارَةٌ لِلذُّنُوبِ وَ سِتْرٌ فِي النَّارِ وَ أَمَانٌ مِنَ الْعَذَاب.[2]

تمہارے لئے تلاوت قرآن ضروری ہے کیونکہ یہ گناہوں کا کفارہ جہنم کی آگ سے پوشش اور عذاب سے امان ہے۔

☆ لاتَغفُل عَن قِراءةِ القُرآنِ، فَإِنَّ القُرآنَ يُحيِي القَلبَ و يَنهى عَنِ الفحشاءِ و المُنكَرِ و البَغي.[3]

قرائت قرآن سے غافل نہ رہنا کیونکہ قرآن دل کو زندہ کرتا ہے اور برائیوں، گناہوں اور ظلم وستم سے روکتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ أَنِسَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ لَمْ تُوحِشْهُ مُفَارَقَةُ الْإِخْوَانِ.[4]

جو شخص تلاوت قرآن مجید سے مانوس ہوجائے اسے دوستوں کی جدائی وحشت زدہ نہیں کرتی ہے۔

نیز فرمایا:

لِقَاحُ الْإِيمَانِ تِلَاوَةُ الْقُرْآن.[5]

ایمان کے پختہ ہونے کا نام تلاوت قرآن ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَ هُوَ شَابٌّ مُؤْمِنٌ اخْتَلَطَ الْقُرْآنُ بِلَحْمِهِ وَ دَمِهِ وَ جَعَلَهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ مَعَ

---

[1] سنن دارمی: ج۲۔

[2] سنن دارمی: ج۲۔

[3] سنن دارمی: ج۲۔

[4] غرر الحکم: ص ۱۱۲، حدیث ۱۹۹۳۔

[5] غرر الحکم: ص ۱۱۲ ح ۱۹۹۲۔

السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ.[1]

جوشخص قرآن مجید کی تلاوت کرے اور وہ مومن جوان ہو تو قرآن مجید اس کے گوشت اور خون میں مخلوط ہوجاتا ہے اللہ تعالی اس کو اپنے نیک اور بلند مرتبہ انبیاء کے ساتھ قرار دیتا ہے۔

۳۔قرآن مجید کی تعلیم کی فضیلت

اس بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللهِ، فَتَعَلَّمُوا مَأْدُبَتَهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ.[2]

یہ قرآن مجید خداوند عالم کا دسترخوان ہے لہٰذا تمہارے لئے جتنا ممکن ہو سکے اس کے دسترخوان سے تعلیم حاصل کرلو۔

اسی طرح آپؐ نے جناب معاذ بن جبل سے ارشاد فرمایا:

يا مَعاذُ! إِن أَرَدتُم عَيشَ السُّعَداءِ وَ مَيتَةَ الشُّهَداءِ، وَالنَّجاةَ يَوْمَ الْحَشْرِ، وَالأَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ، وَالنُّورَ يَوْمَ الظُّلُماتِ، وَ الظِّلَّ يَوْمَ الْحَرُورِ، وَ الرِّيَّ يَوْمَ الْعَطَشِ، وَالْوَزْنَ يَوْمَ الْخِفَّةِ، وَ الْهُدى يَوْمَ الضَّلالَةِ، فَادْرُسِ الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ ذِكْرُ الرَّحْمنِ، وَ حِرْزٌ مِنَ الشَّيْطانِ، وَرُجْحانٌ فِي الْمِيزانِ.[3]

اے معاذ! اگر سعادت مندوں کی زندگی، شہداء کی موت، روز محشر نجات، روز خوف امن وسلامتی، روز ظلمت نور اور گمراہی کے دن ہدایت چاہتے ہو تو قرآن کریم کا علم حاصل کرو کیونکہ وہ خدائے رحمان کا ذکر اور شیطان سے حفاظت کا حرز، اور میزان اعمال میں دوسروں سے بھاری بھرکم ہے۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.[4]

تمہارے درمیان سب سے بہتر وہ ہے جو پہلے خود قرآن سیکھے اور پھر دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دے۔

مَن عَلَّمَ عَبداً آيَةً مِن كِتابِ اللهِ فَهُوَ مَولاهُ، لا يَنبَغِي لَهُ أن يَخذُلَهُ و لا يَستَأثِرَ عَلَيهِ، فإن

---

[1] بحارالانوار: ج ۸۹، ص ۱۸۷، باب ۲۰۔
[2] کنزالعمال: ج ۱، ص ۵۲۶ حدیث ۲۳۵۶۔
[3] کنزالعمال: خ ۲۴۳۹۔
[4] کنزالعمال: خ ۲۳۵۱۔

هُو فَعَلَهُ قَصَمَ عُرْوَةً مِن عُرَى الإسلامِ.[1]

جوشخص کسی دوسرے کو کتاب خدا کی ایک آیت کی تعلیم دے دے تو وہ اس کا مولا و آقا ہے لہٰذا اس کے لئے اسے چھوڑ دینا یا اس کے اوپر کسی اور کو ترجیح دینا ہرگز مناسب نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کام کر گذرے تو اس نے اسلام کی رسیوں میں سے ایک رسی کو کاٹ ڈالا ہے۔

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ يَتَدَارَسُوْنَ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ.[2]

جب کبھی بھی خداوند عالم کے کسی گھر (مسجد) میں کچھ لوگ جمع ہوکر کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتے ہیں تو ان کے اوپر ضرور سکون واطمینان (سکینہ) نازل ہوتا ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ملائکہ اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اپنے درمیان ان کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

مَنْ عَلَّمَ وَلَدًا لَهُ الْقُرْآنَ قَلَّدَهُ قَلَادَةً يَعْجِبُ مِنْهَا الْاَوَّلُوْنَ وَ الْآخِرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[3]

جوشخص اپنے بیٹے کو قرآن مجید کی تعلیم دے تو روز قیامت اس کی گردن میں ایک ایسا ہار ہوگا جسے دیکھ کر اولین و آخرین سب دنگ رہ جائیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ أَنْ يُحَسِّنَ اسْمَهُ وَيُحَسِّنَ أَدَبَهُ وَيُعَلِّمَهُ الْقُرْآن.[4]

باپ کے اوپر بیٹے کا یہ حق ہے کہ اس کا بہترین نام رکھے اسے اچھی تربیت نیز قرآن مجید کا علم دے۔

آپؑ ہی نے فرمایا:

وَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَحْسَنُ الْحَدِيثِ وَ تَفَقَّهُوا فِيهِ فَإِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلُوبِ وَ اسْتَشْفُوا بِنُورِهِ فَإِنَّهُ شِفَاءُ الصُّدُورِ وَ أَحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ فَإِنَّهُ أَنْفَعُ الْقَصَصِ.[5]

قرآن مجید کا علم حاصل کرو کیونکہ یہ بہترین کلام ہے اور اس کے مطالب ومعانی درک کرنے کی سوجھ بوجھ پیدا کرو

---

[1] کنز العمال: حدیث ۲۳۲۰۔

[2] کنز العمال: حدیث ۲۳۲۰۔

[3] کنز العمال: حدیث ۲۳۸۶۔

[4] نہج البلاغۃ: حکمت ۳۹۹۔

[5] بحار الانوار: ج ۸۹، ص ۱۸۹، باب ۲۰۔

کیونکہ وہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کیونکہ وہ دلوں کے لئے شفاء ہے اور اچھی طرح اس کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ سب سے زیادہ فائدہ مند قصہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ لَا يَمُوتَ حَتَّى يَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ أَوْ يَكُونَ فِي تَعَلُّمِهِ. [۱]

مومن کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ قرآن سیکھے بغیر مرجائے یا کم از کم (مرتے وقت) ابھی اس کے حصول علم میں ہی مشغول ہو۔

۴۔ حفظ اور فہم قرآن کی فضیلت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

☆ أَشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَ أَصْحَابُ اللَّيْلِ. [۲]

میرے امت کے اشراف (وہ لوگ ہیں جو) حاملین قرآن اور شب زندہ دار حضرات ہیں

☆ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ عُرَفَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ. [۳]

حاملین قرآن اہل جنت کے عرفاء ہیں۔

☆ لَا يُعَذِّبُ اللهُ قَلْباً وَعَى الْقُرْآنَ. [۴]

اس دل پر خدا عذاب نہ کرے گا جس میں قرآن مجید محفوظ ہے۔

☆ إِنَّ أَهْلَ الْقُرْآنِ فِي أَعْلَى دَرَجَةٍ مِنَ الْآدَمِيِّينَ مَا خَلَا النَّبِيِّينَ وَ الْمُرْسَلِينَ فَلَا تَسْتَضْعِفُوا أَهْلَ الْقُرْآنِ حُقُوقَهُمْ فَإِنَّ لَهُمْ مِنَ اللهِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ لَمَكَاناً عَلِيّاً. [۵]

اہل قرآن انبیاء مرسلین کے بعد سب سے زیادہ بلند درجہ پر فائز ہونگے لہٰذا اہل قرآن کے حقوق کو ضائع نہ کرو کیونکہ ان کے لئے خداوند عالم کی طرف ایک عظیم منزلت اور مقام ہے۔

---

[۱] بحار الانوار: ج ۸۹ ص ۱۷۷، باب ۱۹
[۲] بحار الانوار: ج ۸۹ ص ۱۷۷، باب ۱۹
[۳] بحار الانوار: ج ۸۹ ص ۱۷۷، باب ۱۹
[۴] بحار الانوار: ج ۸۹ ص ۱۷۷، باب ۱۹
[۵] بحار الانوار: ج ۸۹ ص ۱۷۷، باب ۱۹

☆مَنْ اَعْطَاهُ اللهُ حِفْظَ كِتَابِهٖ فَظَنَّ أَنَّ أَحَداً أُعْطِىَ أَكْثَرَ مِمَّا أُعْطِيَ فَقَدْ غَمَطَ اَفْضَلَ النِّعْمَةِ.
[۱]

جسے خداوند عالم اپنی کتاب کوحفظ کرنے کی دولت سے نواز دے اور پھر وہ یہ گمان کرے کہ کسی دوسرے کو اس سے بہتر چیز مل گئی ہے تو اس نے خداوند عالم کی سب سے بڑی نعمت کی تحقیر اور ناشکری کی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَیْتِ الْخَرَابِ.[۲]

جس کے باطن میں قرآن مجید کا کوئی حصہ نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحَافِظُ لِلْقُرْاٰنِ الْعَامِلُ بِهٖ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ.[۳]

قرآن مجید پر عمل کرنے والا حافظ قرآن، اللہ کے نیک اور بزرگ انبیاء کے ساتھ رہے گا۔

اسی طرح آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ لِیُقَالَ فُلَانٌ قَارِئٌ وَ مِنْهُمْ مَنْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ لِیَطْلُبَ بِهِ الدُّنْیَا وَلَا خَیْرَ فِیْ ذٰلِكَ وَ مِنْهُمْ مَنْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ لِیَنْتَفِعَ بِهٖ فِیْ صَلَاتِهٖ وَلَیْلِهٖ وَ نَهَارِهٖ.[۴]

کچھ لوگ اس لئے قران مجید پڑھتے ہیں تا کہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں قاری قرآن ہے اور کچھ ایسے ہیں جو دنیا طلبی کے لئے قرآن پڑھتے ہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور کچھ لوگ اس لئے قرآن مجید پڑھتے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ اپنی نماز اور رات و دن (ہر معاملہ زندگی) میں ہمیشہ فائدہ حاصل کریں

۵۔قرآن مجید کی تلاوت سننا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلَا مَنِ اشْتَاقَ اِلَى اللهِ فَلْیَسْتَمِعْ كَلَامَ اللهِ.[۵]

---

[۱] بحارالانوار: ج۸۹ ص۱۷۷، باب ۱۹
[۲] کنزالعمال: حدیث ۲۴۷۸
[۳] بحارالانوار: ج۸۹، ۱۷۷، باب ۱۹
[۴] اصول کافی: ج ۲، ص ۲۰۷
[۵] کنزالعمال: حدیث ۲۴۷۲

یادرکھو! جوشخص خداوند عالم کا مشتاق ہوتو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھے

مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰی اٰیَةٌ مِنْ کِتَابِ اللهِ کَتَبَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ مُضَاعَفَةٌ وَ مَنْ تَلَا اٰیَةٌ مِنْ کِتَابِ اللهِ کَانَتْ لَهٗ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ.[1]

جوشخص قرآن مجید کی ایک آیت سنے گا اس کے لئے دوہرا ثواب لکھا جائے گا اور جوشخص اس کی ایک آیت کی تلاوت کرے گا وہ اس کے لئے روز قیامت نور بن جائے گی۔

یَدْفَعُ عَنْ قَارِیءِ الْقُرْاٰنِ بَلَاءَ الدُّنْیَا وَ یَدْفَعُ عَنْ مُسْتَمِعِ الْقُرْاٰنِ بَلَاءِ الْاٰخِرَةِ.[2]

قاری قرآن کی دنیاوی بلائیں اور تلاوت سننے والے کی اخروی بلائیں دور کردی جاتی ہیں۔

[1] کنزالعمال: حدیث ۲۴۱۶۔

[2] کنزالعمال: حدیث ۲۴۰۳۱۔

خلاصہ

کیونکہ قرآن مجید کتاب سعادت وہدایت ہے لہٰذا تدبراوراس کے معانی پر توجہ کے ساتھ اس کی تلاوت کرنا سعادت کی شناخت اوراس تک پہنچنے کا بہترین راستہ ہے، اسی لئے روایات معصومین علیہم السلام میں تلاوت قرآن مجید کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے اورمومنین کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ ہر مرحلہ میں اس کی طرف خصوصی توجہ رکھیں۔

سوالات

۱۔روایات معصومین علیہم السلام میں قرآن مجید کی کیا اہمیت بیان کی گئی ہے؟

۲۔تلاوت قرآن کا روحانی (معنوی) نتیجہ کیا ہے؟

۳۔قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے اوراس کی تعلیم دینے کی کیا اہمیت اورقدر و قیمت ہے؟

۴۔روایات میں حفاظ قرآن کے کیا فضائل بیان کئے گئے ہیں؟

۵۔روایات کے مطابق تلاوت قرآن سننے والوں کیلئے کیا ثواب (جزا) ہے؟

باب۔۵۶

تلاوت قرآن کے آداب

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اوراس کی عظیم کتاب ہے اور یہ دوسری کتابوں سے ممتاز ہے اس لئے اس کی تلاوت کے بھی مخصوص آداب ہیں جن کا ہر مسلمان کو خیال رکھنا چاہئے، ان آداب میں بعض کا تعلق اس کے احترام سے ہے جبکہ کچھ آداب اس کو سمجھنے اوراس میں تدبر کرنے نیز اس سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے بارے میں ہیں جن کی تفصیلات حاضر خدمت ہے:

ا۔ظاہری آداب

تلاوت کے وقت باوضو، باطہارت اورصاف ستھرا نیز کتاب خدا کے حضور میں باادب رہے اورقرآن کے سامنے چاہے بیٹھا ہو یا کھڑا ہو ہمیشہ متواضع رہے اور ہر متکبرانہ انداز سے پرہیز کرے جیسے پیر پھیلانا وغیرہ مختصر یہ کہ خلاف ادب کوئی کام نہ کرے۔

اسی طرح قاری کے لئے بہتر ہے کہ مسواک کرکے منہ دھولے کیونکہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے:

نَظِّفُوا طَرِيقَ الْقُرْآنِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَ مَا طَرِيقُ الْقُرْآنِ قَالَ أَفْوَاهُكُمْ قِيلَ بِمَا ذَا قَالَ بِالسِّوَاكِ.[1]

قرآن کریم کے راستوں کوصاف ستھرا رکھوعرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے راستے کونسے ہیں،آپ نے فرمایا:تمہارے دہن(منہ)۔سوال کیا گیا کہ انہیں کس طرح صاف رکھیں،فرمایا:مسواک کرکے۔

[1] بحارالانوار:ج۸۹ص ۲۱۳، باب۲۶

آپ نے یہ بھی فرمایا:

إِنَّ أَفْوَاهَكُمْ طُرُقَ الْقُرْآنِ فَطَيِّبُوهَا بِالسِّوَاكِ.[1]

تمہارے دہن (منہ) قرآن کریم کی گذرگاہ (آمدورفت کے راستے) ہیں لہٰذا انہیں مسواک کے ذریعہ صاف ستھرا رکھو۔

۲۔قرائت قرآن کی جگہ

ہر مسلمان پر قرآن کریم کا احترام کرنا واجب ہے لہٰذا حمام یا بیت الخلاء جیسی جگہوں پر قرآن کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ہر قاری کو تلاوت کے لئے بہتر سے بہتر جگہ تلاش کرنا چاہئے جیسے مسجد یا متبرک مقامات، اسی طرح برادران اسلام کو اپنے گھروں میں قرآن کی تلاوت کرنا چاہئے کیونکہ اس کے بے شمار فائدے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

نَوِّرُوا بُيُوتَكُمْ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ- وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُوراً كَمَا فَعَلَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى- صَلَّوْا فِي الْكَنَائِسِ وَالْبِيَعِ وَعَطَّلُوا بُيُوتَهُمْ فَإِنَّ الْبَيْتَ إِذَا كَثُرَ فِيهِ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ كَثُرَ خَيْرُهُ وَاتَّسَعَ أَهْلُهُ وَأَضَاءَ لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا تُضِيءُ نُجُومُ السَّمَاءِ لِأَهْلِ الدُّنْيَا.[2]

اپنے گھروں کو تلاوت قرآن سے نورانی بناؤ اور یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح انہیں قبر نہ بناڈالو کہ وہ گرجا گھروں اور اپنی عبادت گاہوں میں نماز پڑھتے ہیں اور گھروں میں کوئی عبادت نہیں کرتے جب کہ گھر میں جتنی زیادہ تلاوت قرآن مجید ہوگی اس کے لئے اتنی ہی بھلائی ہے اور اس سے اہل خانہ کے لئے آسانیاں فراہم ہوں گی اور وہ اہل آسمان کو اسی طرح چمکتا دکھائی دے گا جس طرح اہل زمین کو ستارے دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

الْبَيْتُ الَّذِي يُقْرَأُ فِيهِ الْقُرْآنُ وَيُذْكَرُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِ تَكْثُرُ بَرَكَتُهُ وَتَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ وَتَهْجُرُهُ الشَّيَاطِينُ وَيُضِيءُ لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا يُضِيءُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ لِأَهْلِ الْأَرْضِ وَالْبَيْتُ الَّذِي لَا يُقْرَأُ فِيهِ الْقُرْآنُ وَلَا يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ تَقِلُّ بَرَكَتُهُ وَتَهْجُرُهُ الْمَلَائِكَةُ وَتَحْضُرُهُ الشَّيَاطِينُ.[3]

جس گھر میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور ذکر الٰہی ہوتا ہے اس کی برکتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور اس میں ملائکہ

---

[1] کنز العمال: حدیث ۲۷۵۱، بحار الانوار ج ۸۱، ص ۳۳۰، باب ۲۰

[2] اصول کافی: ج ۲، ص ۶۱۰۔

[3] اصول کافی: ج ۲، ص ۶۱۰۔

آ جاتے ہیں اور شیاطین چلے جاتے ہیں اور وہ اہل آسمان کو اسی طرح چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس طرح اہل زمین کو ستارے دکھائی دیتے ہیں اور جس گھر میں قرآن مجید نہیں پڑھا جاتا ہے اور نہ ذکر الٰہی ہوتا ہے اس کی برکتیں کم ہوجاتی ہیں وہاں سے ملائکہ چلے جاتے ہیں اور اس پر شیاطین قبضہ کر لیتے ہیں۔

۳۔تلاوت کی مقدار

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

الْقُرآنُ عَهْدُ اللهِ إِلَى خَلْقِهِ فَقَدْ يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ أَنْ يَنْظُرَ فِي عَهْدِهِ وَأَنْ يَقْرَأَ مِنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ خَمْسِينَ آيَةً.[۱]

قرآن مجید اللہ کی مخلوق کیلئے اس کا ایک عہد ہے لہٰذا ہر مسلمان کیلئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے عہد نامہ کو ملاحظہ کرتا رہے اور ہر روز اس کی پچاس آیتیں پڑھا کرے

واضح رہے کہ اگرچہ قرآن مجید کی جتنی زیادہ تلاوت کی جائے اتنا ہی بہتر ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ تلاوت کی زیادتی کی وجہ سے اس کی آیتوں کے معانی ومفاہیم پر توجہ باقی نہ رہے یعنی صرف اتنی تلاوت کرے جتنا بآسانی سمجھ سکے جیسا کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: کیا میں ایک دن میں پورا قرآن ختم کرسکتا ہوں؟

آپؑ نے فرمایا:

لَا يُعْجِبُنِي أَنْ تَقْرَأَهُ فِي أَقَلَّ مِنْ شَهْرٍ.[۲]

مجھے پسند نہیں ہے کہ تم اسے ایک مہینہ سے پہلے پڑھ لو۔(یعنی ایک ختم قرآن کے لئے کم از کم ایک مہینہ صرف کرنا چاہئے)۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ لَمْ يُفَقِّهْهُ.[۳]

جو شخص تین دن سے پہلے قرآن مجید ختم کرلے اور اسے نہیں سمجھ سکتا ہے۔

---

[۱] اصول کافی: ص ۶۰۹۔

[۲] اصول کافی: ج ۲ ص ۶۱۷۔

[۳] سنن ابن ماجہ: حدیث ۱۳۴۷

۴،۵۔استعاذہ اور تسمیہ

استعاذہ کا مطلب "اعوذ باللہ" کہنا اور تسمیہ کا مطلب "بسم اللہ" کہنا ہے۔

تلاوت شروع کرنے سے پہلے شیطان کے شر سے خداوند عالم کی پناہ مانگے اور یہ کہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.[۱]

لہٰذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان رجیم سے مقابلہ کیلئے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

استعاذہ کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے، اس بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

أَغْلِقُوا أَبْوَابَ الْمَعْصِيَةِ بِالاسْتِعَاذَةِ وَافْتَحُوا أَبْوَابَ الطَّاعَةِ بِالتَّسْمِيَةِ.[۲]

استعاذہ کہہ کر گناہوں کے دروازے بند کردو اور تسمیہ (بسم اللہ) سے اطاعت کے دروازے کھول لو۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جب کبھی کسی آیت سے استدلال کرتے تھے تو آیت پڑھنے سے پہلے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ.[۳]

ضرور کہتے تھے اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے۔

۶۔ترتیل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝[۴]

اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر با قاعدہ پڑھو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے معنی دریافت کئے گئے تو آپؑ نے فرمایا کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا

---

[۱] سورہ نحل آیت ۹۸۔

[۲] بحار الانوار: ج۸۹ ص۲۱۶' باب ۲۶۔

[۳] بحار الانوار: ص۲۱۰' باب ۲۶۔

[۴] سورہ مزمل: آیت ۴۔

ہے:

بَيِّنهُ تِبْيَاناً وَلَا تَهُذَّهُ هَذَّ الشِّعْرِ وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرَ الرَّمْلِ وَلَكِنْ أَفْزِعُوا قُلُوبَكُمُ الْقَاسِيَةَ وَلَا يَكُنْ هَمُّ أَحَدِكُمْ آخِرَ السُّورَةِ.

اسے اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، اور شعر کی طرح (گا گا کر) نہ پڑھو اور نہ ریت کی طرح ایک دم منتشر کردو بلکہ اپنے سخت دلوں کو خوفزدہ کرو اور تمہیں یہی فکر نہ رہے کہ یہ سورہ کب ختم ہوگا (سورہ کے آخری حصہ پر نگاہ نہ رکھو) مختصر یہ کہ تلاوت اتنے آرام آرام سے ہونی چاہئے کہ پڑھنے والے کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع بھی ملتا رہے۔

۷۔ دلنشین آواز

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُم.[۱]

قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے آراستہ اور مزین کرو۔

إِنَّ حُسْنَ الصَّوْتِ زِينَةٌ لِلْقُرْآنِ.[۲]

بیشک اچھی اواز قرآن مجید کی زینت ہے۔

لِكُلِّ شَيْءٍ حِلْيَةٌ وَحِلْيَةُ الْقُرْآنِ الصَّوْتُ الْحَسَنُ.[۳]

ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن مجید کی زینت اچھی آواز ہے۔

۸۔ حزن اور خشوع

تلاوت قرآن کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ قاری، تلاوت قرآن کے وقت حزن و ملال کا انداز اپنائے کیونکہ یہ قرآن کے معانی کو سمجھنے کا اثر ہے اور اس لئے بھی یادخدا سے دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے جیسا کہ پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

---

[۱] سنن دارمی: ج۲۔

[۲] بحارالانوار: ج۸۹، ص۱۹۰، باب۲۱

[۳] بحارالانوار: ج۸۹، ص۱۹۰، باب۲۱

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ.[۱]

کیا صاحبان ایمان کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا اور اس کی طرف سے نازل ہونے والے حق کے لئے نرم ہو جائیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ بِالْحُزْنِ فَإِنَّهُ نَزَلَ بِالْحُزْنِ.[۲]

قرآن کو حزن کے ساتھ پڑھو کیونکہ قرآن مجید حزن کے ساتھ نازل ہوا ہے۔

اُتْلُوا الْقُرْآنَ وَابْكُوا، فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكُوا.[۳]

قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت گریہ کیا کرو اور اگر گریہ نہیں کر سکتے تو رونے والی شکل اختیار کرلو۔

مَا مِنْ عَيْنٍ فَاضَتْ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ إِلَّا قَرَّتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[۴]

جو آنکھ بھی تلاوت قرآن مجید سے اشکبار ہوگی وہ روز قیامت پر سکون (ٹھنڈی) رہے گی۔

۹۔تدبر

تلاوت کرنے والے کا سب سے اہم فریضہ قرآن مجید کے مضامین میں تدبر اور غور وفکر کرنا ہے کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت کا اصل مقصد اس کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔

واضح رہے کہ صرف تلاوت کرنے یعنی الفاظ کو دہرانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔لہٰذا اس میں تدبر ضروری ہے اور اگر اس تدبر اور غور وفکر کے بعد قرآن مجید سمجھ میں نہ آئے تو اس کی تفسیروں کو ملاحظہ کرے جیسا کہ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ.[۵]

یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور

---

[۱] سورہ حدیث: آیت ۱۶۔

[۲] کنز العمال: حدیث ۲۷۷۷۔

[۳] سنن ابن ماجہ: حدیث ۴۱۹۶

[۴] کنز العمال: حدیث ۲۸۲۴۔

[۵] سورہ ص: آیت ۲۹

صاحبان عقل نصیحت حاصل کریں۔

دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا.[1]

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَلَا لَا خَيْرَ فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدَبُّرَ فِيهِ.[2]

یاد رکھو جس قرائت قرآن میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

۱۰۔ قرآن مجید میں دیکھ کر اس کی تلاوت کرنا

بہتر ہے کہ قران مجید میں دیکھ کر اس کی تلاوت کرے چاہے وہ حافظ قرآن ہو تب بھی قرآن میں دیکھ کر ہی پڑھنا زیادہ بہتر ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کہتے ہیں: کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی! مجھے قرآن مجید حفظ ہے تو میں زبانی پڑھوں یہ بہتر ہے یا قرآن مجید میں دیکھ کر پڑھنا بہتر ہے؟

آپ نے فرمایا:

بَلِ اقْرَأْهُ وَانْظُرْ فِي الْمُصْحَفِ فَهُوَ أَفْضَلُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ النَّظَرَ فِي الْمُصْحَفِ عِبَادَةٌ.[3]

قرآن مجید میں دیکھ کر پڑھا کرو یہی افضل ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ قرآن مجید کی عبارت کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

---

[1] سورہ محمد: آیت ۲۵۔
[2] بحار الانوار: ج ۸۹، ص ۲۱۰، باب ۲۶۔
[3] بحار الانوار: ص ۱۹۶، باب ۲۲۔

خلاصہ

قرآن مجید کے احترام اوراس سے کما حقہ استفادہ کرنے کے لئے تلاوت کرنے والے کو چند آداب کا خیال رکھنا چاہئے باادب اور روبقبلہ بیٹھنا، تلاوت کی مقدار، تلاوت کا صحیح طریقہ معانی قرآن میں تدبر اور غور وفکر کرنا۔

سوالات

۱۔ تلاوت قرآن کرنے والے کو تلاوت کرتے وقت کس طرح ہونا چاہئے؟

۲۔ کن جگہوں پر تلاوت کرنا صحیح نہیں ہے؟

۳۔ ہر روز کتنی آیتوں کی تلاوت کرنا چاہئے؟

۴۔ ترتیل کے معنی کیا ہیں؟

۵۔ تدبر قرآن کی اہمیت بیان کریں؟

باب۔۵۷

دعا وزیارت کی اہمیت

اس سبق میں ہم سب سے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی احکام و آداب کے درمیان دعا اور بارگاہ الٰہی میں حاجات طلب کرنے کی اہمیت ومنزلت کیا ہے؟ اس جواب کے بعد ہمیں فضیلت و اہمیت دعا کا اندازہ ہوجائے گا اس سبق میں ہم اولیاء الٰہی کے دیدار اور دنیا سے ان کی رحلت کے بعد ان کی قبروں کی زیارت کے سلسلہ میں بھی گفتگو کریں گے۔

۱۔ دعا کی منزلت

دعا کی منزلت کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ وَلَا يَهْلِكُ مَعَ الدُّعَاءِ أَحَدٌ.[۱]

دعا عبادت کی جان ہے دعا کے ہوتے ہوئے کوئی بھی انسان ہلاک نہیں ہوسکتا۔

آپؐ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

تَرْكُ الدُّعَاءِ مَعْصِيَةٌ.[۲]

ترک دعا گناہ ہے۔

---

[۱] بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۳۰۰ باب ۱۶۔

[۲] میزان الحکمہ: باب ۱۱۸۹۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ فِي الْأَرْضِ الدُّعَاءُ.[1]

روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل دعا ہے۔

ارشاد الٰہی "اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ"[2] (جو لوگ ہماری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ہی ذلیل وخوار ہوکر یقیناً جہنم واصل ہونگے) کے ذیل میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

هُوَ الدُّعَاءُ وَ أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاءُ.[3]

اس سے مراد دعا ہے اور بہترین عبادت دعا ہے۔

ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا: کون سی عبادت سب سے بہتر ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ شَيْءٍ أَحَبَّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ وَ يُطْلَبَ مِمَّا عِنْدَهُ وَ مَا أَحَدٌ أَبْغَضَ إِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِمَّنْ يَسْتَكْبِرُ عَنْ عِبَادَتِهِ وَ لَا يَسْأَلُ مِمَّا عِنْدَهُ.[4]

اللہ کے نزدیک اس سے بہتر عبادت اور کوئی نہیں ہے کہ اس کے پاس جو ہے وہ اس سے سوال کر کے طلب کیا جائے اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین بندہ وہ ہے جو اس کی عبادت سے روگردانی کرے اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ نہ مانگے۔

ان احادیث کے ذریعہ دعا کی عظمت خودبخود واضح ہوجاتی ہے اور کیونکہ مشیت الٰہی یہی ہے کہ ہر انسان کمال حقیقی کی منزل تک پہنچے اور چونکہ اس کا مقصد خلقت عبادت ہے لہٰذا عبادت کے بغیر کمال حقیقی تک نہیں پہنچا جاسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[5]

ہم نے جن وانس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

انسان کو یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ وہ ذاتاً محتاج ہے اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب پروردگار عالم کا عطا

[1] اصول کافی: ج ۲، ص ۴۶۷

[2] سورہ غافر: آیت ۶۰

[3] اصول کافی: ج ۲، ص ۴۶۶ (مکتبۃ الاسلامیۃ)

[4] اصول کافی: ج ۲، ص ۴۶۶ (مکتبۃ الاسلامیۃ)

[5] سورہ ذاریات: آیت ۵۶

کیا ہوا ہے قران کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللهِ ۚ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ.[1]

انسانو! تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابل حمد وثنا ہے۔

جب انسان اس حقیقت کو محسوس کرلے گا تو خود بخود دعا وعبادت اور غنی مطلق پروردگار کی جانب خضوع وخشوع کے ساتھ قدم بڑھائے گا۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ.[2]

اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو تمہارا پروردگار تمہاری پرواہ نہ کرتا۔

دعا ہی انسان اور خالق کے رشتہ اور رابطہ کو محکم کرتی ہے وہ رشتہ جو مخلوق اور خالق، فقیر اور غنی، محتاج بندہ اور خدائے واحد وبے نیاز کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دعا کے بارے میں تاکید پائی جاتی ہے

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ.[3]

اور خدا سے ڈرتے ڈرتے اور امیدوار بن کر دعا کرو کہ اس کی رحمت صاحبان حسن عمل سے قریب تر ہے۔

فَادْعُوا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ.[4]

لہٰذا تم خالص عبادت کے ساتھ خدا کو پکارو۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ.[5]

اور تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور یقیناً جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلّت کے ساتھ جہنّم میں داخل ہوں گے۔

دعا کو ترک کردینے والا، گناہ اور عصیان کا پیکر بن جاتا ہے جب کہ دعا کی پابندی رب العالمین کی بارگاہ میں

---

[1] سورہ فاطر: آیت ۱۵۔

[2] سورہ فرقان: آیت ۷۷۔

[3] سورہ اعراف: آیت ۵۶۔

[4] سورہ غافر: آیت ۱۴

[5] سورہ غافر: آیت ۶۰

انسان کی عبودیت کی ترجمان ہوتی ہے اللہ کے نیک اور صالح بندے وہ ہیں جو خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں خداوند عالم قرآن مجید میں ایسے بندوں کا تذکرہ ان اوصاف کے ساتھ کرتا ہے:

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا.[۱]

اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور طمع کی بنیاد پر پکارتے رہتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِيْنَ.[۲]

اور وہ رغبت اور خوف کے ہر عالم میں ہمیں پکارنے والے تھے اور ہماری بارگاہ میں گڑگڑا کر التجا کرنے والے بندے تھے۔

۲۔ دعا کی قدر و منزلت اور اس کے آثار

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ- وَعِمَادُ الدِّيْنِ وَنُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ.[۳]

دعا مومن کا اسلحہ، دین کا ستون اور زمین و آسمان کا نور ہے

آپؐ نے فرمایا:

لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ.[۴]

قضا کو دعا ہی ٹال سکتی ہے۔

آپؐ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

دَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَادْفَعُوا أَبْوَابَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ.[۵]

اپنے مریضوں کا علاج صدقہ کے ذریعہ کرو اور دعا کے ذریعہ بلاؤں کو دفع کرو۔

---

[۱] سورہ سجدہ: آیت ۱۶۔

[۲] سورہ انبیاء: آیت ۹۰۔

[۳] اصول کافی: ج ۲، ص ۴۶۸

[۴] بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۲۹۴، باب ۱۶۔

[۵] بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۲۲۸ باب ۱۶۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:

مَامِنْ شَیْءٍ أَکْرَمَ عَلَی اللهِ تَعَالَی مِنَ الدُّعاء.[1]

اللہ کی نگاہ میں دعا سے زیادہ مکرم کوئی شے نہیں ہے۔

امیر المومنین حضرت علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

أَعْلَمُ النَّاسِ بِاللهِ أَکْثَرُهُمْ لَهُ مَسْأَلَة.[2]

خداوند عالم کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ ہے جو اس کی بارگاہ میں زیادہ سے زیادہ دعا کرتا ہے۔

اَلدُّعَاءُ مِفْتَاحُ الرَّحْمَةِ وَمِصْبَاحُ الظُّلْمَة.[3]

دعا رحمت الٰہی کے خزانہ کی کنجی اور ظلمت کا چراغ ہے۔

مَنْ قَرَعَ بَابَ اللهِ فُتِحَ لَه.[4]

جو دروازہ الٰہی پر دستک دے گا اس کے لئے دروازہ کھل جائے گا۔

اَلدُّعَاءُ أَنْفَذُ مِنَ السِّنَانِ الْحَدِيد.[5]

دعا لوہے کے نیزے سے بھی زیادہ کارگر ہوتی ہے۔

۳۔ زیارت اولیاء

ہر انسان دوسروں سے کچھ نہ کچھ سماجی تعلقات رکھتا ہے جن کے باعث وہ ایک دوسرے سے میل جول رکھتے ہیں اور ملاقات کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک انسان کسی بھی قلبی جذبہ یا محبت آمیز رویہ کی بنا پر کسی سے زیادہ مانوس ہوتا ہے اور پھر اسی محبت دوستی کے اظہار کیلئے اس سے ملتا رہتا ہے ایسے سماجی روابط اسی وقت پیدا ہوتے ہیں کہ جب ان کے درمیان کوئی نقطہ مشترک ہو۔ بسا اوقات نظریاتی یا سیاسی ہم آہنگی کی بنیاد پر بھی یہ تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں اور لوگ فکری یا مادی فائدہ کے تحت ایک دوسرے سے ملاقات کیا کرتے ہیں۔

---

[1] بحارالانوار: ج ۹۰، ص ۲۹۴ باب ۱۶۔
[2] غررالحکم میں ص ۱۹۲، حدیث ۳۴۷۳۔
[3] بحارالانوار: ج ۹۰، ص ۳۰۰ باب ۱۶۔
[4] غررالحکم: ص ۱۹۳۔
[5] بحارالانوار: ج ۹۰، ص ۲۹۵ باب ۱۶۔

مختصر الفاظ میں ملاقات اور زیارت کے مندرجہ ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں۔

۱۔محبت ومودت اور دوستی کا اظہار

۲۔ جماعت یا پارٹی کی بنیاد پر تعلقات استوار کرنا۔

۳۔معنوی یا مادی فوائد

مذہبی دنیا میں لوگ اپنے مذہبی قائدین نیز متقی اور پرہیز گار علماء سے بھی اسی بنیاد پر تعلقات رکھتے ہیں کیونکہ یہ حضرات دینی معاملات کی زیادہ واقفیت رکھتے ہیں اوران پر زیادہ عمل پیرا ہونے کی وجہ سے عام افراد کی بہ نسبت خدا سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

ایسے افراد سے محبت وعقیدت کا اظہار درحقیقت ان کے اندر موجود خدا کی محبت اور دین کی عظمت کا اظہار و اعتراف ہوتا ہے اسی طرح متقی ،صالح اور خدا کے منتخب بندوں سے ملاقات کا مقصد اپنی روحانی تشنگی دور کرنا ہوتا ہے اس مقصد کے تحت اولیاء الٰہی سے ملاقات کو''زیارت'' کہا جاتا ہے۔

اگر چہ اولیاء الٰہی اور صالح علماء کی زیارت کا بھی ہر زمانہ میں بلند درجہ ہے لیکن سب سے بہتر اور برتر زیارت خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین کی زیارت ہے چنانچہ خوش نصیب ہیں وہ افراد جن کو حیات معصومین میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا کیونکہ یقیناً وہ بہت بڑی سعادت سے شرفیاب ہوئے ہیں لیکن عہد معصومین کے بعد زندگی گذارنے والوں کو بھی اس سعادت سے محروم نہیں رکھا گیا بلکہ انسان معصومین کے مشاہد مشرفہ کی زیارت کر کے اپنی روحانی اور معنوی تشنگی بجھا سکتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ زَارَنِي حَيّاً وَمَيّتاً كُنْتُ لَهُ شَفِيعاً يَوْمَ الْقِيَامَة.[۱]

میری زندگی میں یا میری وفات کے بعد جو بھی میری زیارت کرے گا میں روز قیامت اس کی شفاعت کروں گا۔

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ سَلَّمَ عَلَيَّ فِي شَيْءٍ مِنَ الْأَرْضِ أُبْلِغْتُهُ، وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيَّ عِنْدَ الْقَبْرِ سَمِعْتُه.[۲]

روئے زمین پر کوئی کہیں سے بھی مجھے سلام کرتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں اور جو میری قبر کے نزدیک مجھے سلام کرتا ہے تو میں اس کا سلام سنتا ہوں۔

[۱] بحارالانوار: ج۹۷،ص ۱۳۹، باب ۱۔

[۲] بحارالانوار: ج۹۷،ص ۱۸۲، باب ۳۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِذَا حَجَّ أَحَدُكُمْ فَلْيَخْتِمْ حَجَّهُ بِزِيَارَتِنَا لِأَنَّ ذٰلِكَ مِنْ تَمَامِ الْحَجِّ.[۱]

جب حج کرو تو حج کا اختتام ہماری زیارت پر کرو کیونکہ یہ تکمیل حج کی علامت ہے۔

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ زَارَنَا بَعْدَ مَمَاتِنَا فَكَأَنَّمَا زَارَنَا فِي حَيَاتِنَا.[۲]

ہماری موت کے بعد ہماری زیارت کرنے والا ہماری زندگی میں ہماری زیارت کرنے والے کے مانند ہے۔

لہٰذا مومن روئے زمین پر کہیں بھی رہتا ہو اس کے لئے مناسب وضروری ہے کہ قلب وروح کی گہرائی کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب متوجہ ہو کر آپ کی بارگاہ میں سلام وتحیت کا نذرانہ پیش کرے اسی طرح ائمہ اطہار علیہم السلام کی بھی زیارت کرے یہ عمل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پاک سے محبت کا اظہار اور ان کے دشمنوں سے نفرت وبیزاری کا اعلان ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی عترت ہی خدا کی بارگاہ میں ہمارا وسیلہ اور روز قیامت ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔

---

[۱] بحارالانوار: ج ۹۷، ص ۱۳۹ باب ا۔

[۲] بحارالانوار: ج ۹۷، ص ۱۲۴، باب ۲۔

خلاصہ

انسانی خلقت کا مقصد منزل کمال تک پہنچنا ہے اور خالق کی عبادت و بندگی کے بغیر منزل کمال تک رسائی ممکن نہیں ہے چونکہ دعا کے ذریعہ انسان خدائے بے نیاز کے سامنے اپنے فقر و احتیاج کا اظہار کرتا ہے لہٰذا دعا کے موقع پر عبودیت و بندگی مجسم ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے اسی بناء پر اسلامی علوم میں دعا کا درجہ بہت بلند ہے۔

اسی طرح منزل کمال تک پہنچنے کے لئے اولیاء الٰہی خصوصاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی زیارت بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔

سوالات

۱۔حدیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دعا کو عبادت کی جان کیوں کہا گیا ہے؟

۲۔فقر و احتیاج اور عبودیت وعبادت میں کیا رابطہ ہے؟

۳۔احادیث کی روشنی میں دعا کے آثار بیان کیجئے ؟

۴۔لوگوں کے درمیان باہمی میل جول اور ملاقات کے مقاصد کیا ہو سکتے ہیں؟

۵۔اولیاء الٰہی کی زیارت کے فوائد ونتائج بیان کیجئے ؟

باب۔ ۵۸

دعاوزیارت کے کچھ آداب وشرائط

دعاوزیارت کے بھی کچھ آداب وشرائط ہیں لہذا ہر دعا کرنے والے اور زائرکوان کا خیال رکھنا چاہئے اس سبق میں ہم چند آداب ذکر کررہے ہیں۔

الف: آداب دعا

ا۔معرفت پروردگار

دعا کرنے ولے کے دل میں معرفت پروردگار رہنا چاہئے یعنی اسے یہ معلوم ہو کہ خدا ہر شے پر قادر ہے اور اسی کی ذات تمام اشیاء کا سرچشمہ ہے پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم فرماتے ہیں:

يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ سَأَلَنِي وَهُوَ يَعْلَمُ أَنِّي أَضُرُّ وَأَنْفَعُ أَسْتَجِيبُ لَه.[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ جو یہ علم ویقین رکھتے ہوئے مجھ سے سوال کرے کہ میں ہی نفع نقصان پہنچاتا ہوں میں اس کی دعا کو قبول کرلیتا ہوں۔

امام موسی کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی! آخر کیا بات ہے ہم دعائیں کرتے ہیں مگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ آپ نے فرمایا:

---

[1] بحارالانوار: ج۹۰، ص۳۰۵، باب ۱۷۔

لِأَنَّكُمْ تَدْعُونَ مَنْ لَا تَعْرِفُونَهُ.[۱]

اس لئے کہ تم اسے پکارتے ہو جسے پہچانتے نہیں ہو۔

۲۔امید ورجاء

گذشتہ سبق میں ہم نے پروردگار کا یہ قول نقل کیا تھا:

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

یہاں پر طمع سے مراد یہ ہے کہ انسان ذات پروردگار سے امید رکھے اور اسے اطمینان ہو کہ پروردگار سمیع و مجیب ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ادْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ.[۲]

اس یقین کے ساتھ اللہ سے دعا مانگو کہ وہ قبول کرے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

إِذَا دَعَوْتَ فَظُنَّ أَنَّ حَاجَتَكَ بِالْبَابِ.[۳]

جب دعا کرو تو قبولیت کا یقین رکھو۔

۳۔غیر اللہ سے قطع امید

جو شخص پروردگار کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے اسے دوسرے تمام اسباب سے امید منقطع کر لینا چاہئے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ لَا يَسْأَلَ رَبَّهُ شَيْئاً إِلَّا وَ أَعْطَاهُ فَلْيَيْأَسْ مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ فَلَا يَكُونُ لَهُ رَجَاءٌ إِلَّا عِنْدَ اللهِ فَإِذَا عَلِمَ اللهُ تَعَالَى ذَلِكَ مِنْ قَلْبِهِ لَمْ يَسْأَلْهُ شَيْئاً إِلَّا أَعْطَاهُ.[۴]

اگر تم یہ چاہتے ہو کہ پروردگار تمہاری ہر دعا پوری کرے تو تمام لوگوں سے مایوس ہو کر صرف اللہ کی ذات کو مرکز امید قرار دو جب تمہاری اس قلبی کیفیت کو خدا جان لے گا تو پھر تم جو بھی طلب کرو گے اللہ اسے پورا کر دے گا۔

---

[۱] شرح نہج البلاغہ: ج۱۱، ص ۲۳۰۔

[۲] بحار الانوار: ج۹۰، ص ۳۰۵، باب ۱۷۔

[۳] اصول کافی: ج۲، ص ۴۷۳۔

[۴] اصول کافی: ج۲، ص ۱۴۸۔

۴۔حضورقلب

دعا کے لازمی اور ضروری آداب میں حضور قلب بھی ہے یعنی زبان پر جاری ہونے سے پہلے دل میں بھی وہی دعا ہو اور دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان تک آئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً بِظَهْرِ قَلْبٍ سَاهٍ فَإِذَا دَعَوْتَ فَأَقْبِلْ بِقَلْبِكَ ثُمَّ اسْتَيْقِنْ بِالْإِجَابَةِ.[1]

بددلی سے کی جانے والی دعا کو خداوند عالم قبول نہیں کرتا ہے لہٰذا اگر دعا مانگنا ہے تو دل سے خدا کی جانب متوجہ ہو اور یہ یقین بھی رکھو کہ وہ قبول کرے گا۔

۵۔تضرع اور رقت قلب

رقت قلب اور تضرع کی حالت سے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان واقعاً محتاج اور ضرورت مند ہے لہٰذا جب یہ کیفیت پیدا ہو تو دعا مانگنا چاہیئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِذَا رَقَّ أَحَدُكُمْ فَلْيَدْعُ، فَإِنَّ الْقَلْبَ لَا يَرِقُّ حَتّٰى يَخْلُصَ.[2]

جب کسی پر رقت قلب طاری ہو تو دعا مانگے اس لئے کہ اس موقع پر دل میں خلوص پایا جاتا ہے۔

۶۔بسم اللہ سے ابتداء کرنا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا يُرَدُّ دُعَاءٌ أَوَّلُهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.[3]

ایسی دعا رد نہیں کی جاتی جس کا آغاز بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ہو۔

اور یوں بھی بنیادی طور پر ہر عمل کی ابتداء بسم اللہ سے ہی کرنا چاہیئے۔

۷۔حمد وثنائے الٰہی

دعا سے پہلے حمد وثنائے الٰہی، خدا کی عظمت وجلالت اور دیگر صفات خدا کا تذکرہ کرنا چاہیئے امام جعفر صادق علیہ السلام

---

[1] اصول کافی: ج ۲ ص ۴۷۳۔

[2] اصول کافی: ج ۲ ص ۴۷۷۔

[3] بحار الانوار: ج ۹۰ ص ۳۱۳ باب ۱۷۔

فرماتے ہیں:

إِنَّ كُلَّ دُعَاءٍ لَا يَكُونُ قَبْلَهُ تَمْجِيدٌ فَهُوَ أَبْتَرٌ [1]

جس دعا سے پہلے حمد الٰہی نہ ہو وہ ابتر (مقطوع اور ادھوری) ہے

۸۔ نبیؐ وآل نبیؑ پر درود وسلام

حمد وثنائے الٰہی اور ذکر خدا کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پاکؑ پر درود وسلام بھیجنا چاہئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

صَلَاتُكُمْ عَلَيَّ إِجَابَةٌ لِدُعَائِكُمْ، وَزَكَاةٌ لِأَعْمَالِكُمْ. [2]

مجھ پر صلوات بھیجنا تمہاری دعاؤں کی قبولیت اور اعمال کی پاکیزگی کا سبب ہے۔

امام جعفر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

لَا يَزَالُ الدُّعَاءُ مَحْجُوباً عَنِ السَّمَاءِ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ (عَلَيْهِمُ السَّلَامُ). [3]

جب تک نبی اور آل نبی پر صلوات نہ بھیجی جائے دعا آسمان تک نہیں پہنچتی۔

۹۔ نبیؐ وآل نبیؑ سے توسل

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام رحمت و فیضان الٰہی کا وسیلہ ہیں اور انہیں خدا کی بارگاہ میں حق شفاعت حاصل ہے۔

لہٰذا اپنی دعائیں قبول کرانے کے لئے ان سے توسل کرنا چاہئے انہیں وسیلہ بنانا چاہئے اور خدا کو ان کی عظمت وجلالت اور ان کے حق کا واسطہ دیکر انہیں اپنا شفیع بنانا چاہئے۔

۱۰۔ اعتراف گناہ

دعا مانگنے سے پہلے انسان کو اپنی عاجزی، ناتوانی، گناہوں اور غلطیوں کا اعتراف کرنا چاہئے اور اس اعتراف کے ساتھ ان پر ندامت بھی ہونا چاہئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] بحار الانوار: ج ۹۰ ص ۳۱۷، باب ۱۷

[2] بحار الانوار: ج ۹۱ ص ۵۴، باب ۲۹

[3] بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۳۱۳ باب ۱۷

إِنَّهُ وَاللهِ مَا خَرَجَ عَبْدٌ مِنْ ذَنْبٍ إِلَّا بِالْإِقْرَارِ.[1]

خدا کی قسم کوئی بھی انسان اقرار کے بغیر گناہوں سے پاک نہیں ہوسکتا۔

۱۱۔ پاک اور حلال غذا

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

فَمِنْكَ الدُّعَاءُ وَعَلَيَّ الْإِجَابَةُ فَلَا تَحْتَجِبُ عَنِّي دَعْوَةٌ إِلَّا دَعْوَةَ آكِلِ الْحَرَامِ.[2]

دعا کرنا تیرا کام ہے قبول کرنا میری ذمہ داری لقمہ حرام کھانے والے کے علاوہ میں کسی کی دعا رد نہیں کرتا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُسْتَجَابَ دُعَاؤُهُ فَلْيُطَيِّبْ مَطْعَمَهُ وَكَسْبَهُ.[3]

جو اپنی دعائیں قبول کرانا چاہتا ہے اس کی غذا اور کسب معاش طیب وطاہر ہونا چاہئے۔

۱۲۔ دعا پر اصرار

دعا پر اصرار کرتے رہنا چاہئے اور دعا مانگنے سے تھکنا نہیں چاہئے اور جتنا ممکن ہو گڑگڑانا چاہئے گڑگڑانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کو ہی اول وآخر سمجھتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ صرف پروردگار ہی میری حاجتیں پوری کرے گا اور وہی میری مشکلات برطرف کرسکتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُلِحِّينَ فِي الدُّعَاءِ.[4]

خداوندعالم دعا میں گڑگڑانے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۱۳۔ اجتماعی شکل میں دعا

جب دعا مانگنا ہو اور اپنی حاجتوں کا اظہار مقصود ہو تو اپنے گھر والوں یا دوستوں کو جمع کرکے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا چاہئے۔

---

[1] اصول کافی: ج ۲ ص ۴۸۴

[2] عدۃ الداعی: ص ۱۲۹

[3] بحار الانوار: ج ۹۰ ص ۳۷۲ باب ۲۴

[4] بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۳۰۰ باب ۱۶

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

كَانَ أَبِي إِذَا أَحْزَنَهُ أَمْرٌ أَجْمَعَ النِّسَاءَ وَالصِّبْيَانَ ثُمَّ دَعَا وَأَمَّنُوا. [1]

میرے پدر بزرگوار جب محزون ہوتے تھے عورتوں اور بچوں کو اکٹھا ہونے کا حکم دیتے تھے اور پھر دعا فرماتے اور سب لوگ آمین کہتے تھے۔

۱۴۔ دعا کے ساتھ عمل بھی

توکل اور تواکل میں فرق ہے۔

توکل کا مطلب ہے کہ انسان عمل کرے اور ساتھ ہی ساتھ مشیت الٰہی پر ایمان و یقین بھی رکھے۔

اس کے برخلاف تواکل یہ ہے کہ مشکلات برطرف ہونے کے لئے صرف خدا کو پکارتا ہے اور خود کچھ نہ کرے یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے۔

دعا کرنے والے پر فرض ہے کہ میدان عمل میں بھرپور کوشش اور جدوجہد کرے اور پھر اللہ پر توکل کرے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

الدَّاعِي بِلَا عَمَلٍ كَالرَّامِي بِلَا وَتَرٍ. [2]

عمل کے بغیر پکارنے والا کمان کے بغیر تیر چلانے والے کے مانند ہے۔

۱۵۔ بارگاہ الٰہی میں حاجات پیش کرنا

بارگاہ الٰہی میں حاجات پیش کرنے کیلئے اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام سے منقول و ماثور دعاؤں کا سہارا لینا چاہئے اس لئے کہ معصومینؑ کی دعاؤں میں آداب دعا اور حسن بیان کے علاوہ اصول تربیت اور تزکیہ نفس کا سامان بھی پایا جاتا ہے جن میں دعائے کمیل، دعائے صباح، دعائے ابوحمزہ ثمالی اور مناجات شعبانیہ وغیرہ معروف دعائیں ہیں۔

دعا کے اور بھی آداب ہیں جیسے باطہارت و باوضو ہونا قبلہ رخ ہو کر دعا مانگنا، مناسب جگہ اور وقت کا انتخاب۔

---

[1] اصول کافی: ج ۲، ص ۴۸۷۔

[2] نہج البلاغہ: حکمت ۲۳۷۔

ب: آداب زیارت

۱۔غسل ونظافت

ا۔ائمہ معصومینؑ کی زیارت سے قبل غسل کرنا، پاک وصاف ہونا مستحب ہے اسی طرح زیارت کے وقت باوضو ہونا اور پاک وصاف لباس پہننا مستحب ہے۔

۲۔زیارت پڑھتے وقت قبلہ رخ ہونا۔

اگرچہ پاک وہند میں رسم یہی ہے کہ زیارت پڑھتے وقت جس معصوم کی زیارت پڑھی جارہی ہو اس کے حرم کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوتے ہیں آداب زیارت میں قبلہ کھڑے ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے۔شاید اس کا فلسفہ یہ ہو کہ اوسطاً لوگوں کو معصومین علیہم السلام کے حرم کا معلوم نہیں ہوتا کہ کس سمت ہیں۔

۳۔باادب رہنا۔

زائر کے لئے ادب واحترام کا پاس ولحاظ ضروری ہے جس کی زیارت کررہا ہے اس کے حضور تواضع وانکساری کا انداز اپنائے اور اپنے دل میں یہ تصور کرے کہ گویا خود انہیں حضرت کے سامنے کھڑا ہے۔

۴۔ماثور زیارت پڑھنا

اگرچہ سلام وتحیت کافی ہے مگر روایات میں جو معتبر زیارات ہیں انہی زیارتوں کو پڑھنا چاہیئے۔

۵۔نماز زیارت

زائر کے لئے دو رکعت نماز زیارت پڑھنا مستحب ہے یہ خیال رہے کہ یہ استحباب زیارت ائمہ کے لئے ہے۔

۶۔تلاوت قرآن

قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور جس کی زیارت کررہا ہے اس کی خدمت میں اس تلاوت کا ثواب ہدیہ کرنا مستحب ہے۔

خلاصہ

دعا کرنے والے کو اتنی معرفت ہونا چاہئے کہ جسے وہ پکار رہا ہے اور جو اس کی دعا قبول کرنے والا ہے وہ خدائے عزوجل ہے اسی کے ساتھ دعا کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ ذات پروردگار کے علاوہ ہر ایک سے امیدیں منقطع کر لے دعا کے ساتھ تضرع وزاری بھی ہونا چاہئے اور دل کی گہرائیوں سے خدا کی جانب متوجہ ہو دعا سے پہلے ذکر وحمد وثنائے الٰہی کرے اور محمد آل محمد علیہم السلام پر درود وسلام بھیجے اور مسلسل دعا کرتا رہے گڑگڑانا بھی دعا کے آداب میں شامل ہے۔ دعا کے وقت اپنی کمزوری اور عاجزی نیز گناہوں کا اعتراف اور انہیں ترک کرنے کا عزم کرے دعا کے لئے محمد وآل محمد علیہم السلام کو وسیلہ بنانا بھی آداب دعا کا جز ہے اس لئے کہ معصومینؑ کی شفاعت یقیناً قبول ہوتی ہے۔

سوالات

۱۔ دعا کیلئے معرفت پروردگار کی کیا اہمیت ہے؟

۲۔ دعا کرنے والے کا انداز کیا ہونا چاہئے؟

۳۔ دعا کرنے والے کیلئے غیر اللہ سے امید توڑ لینا کیوں ضروری ہے؟

۴۔ دعا سے پہلے کیا چیزیں ضروری ہیں؟

۵۔ محمد وآل محمد کا وسیلہ کیوں درکار ہے؟

۶۔ کن لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی؟ احادیث کی روشنی میں بیان کیجئے؟

باب۔ ۵۹

سفر کے مقاصد اور فوائد

ہر انسان کسی نہ کسی سبب اور مقصد کے تحت سفر کرتا ہے سفر کے مقاصد صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی دوسری بات یہ کہ سفر کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہی نہیں بلکہ دوسروں سے بھی ہوتا ہے لہٰذا اسلام نے سفر کے بارے میں دو اعتبار سے گفتگو کی ہے۔

۱۔ شرعی نقطہ نظر سے

۲۔ اخلاقی اعتبار سے

شرعی اعتبار سے موضوع بالکل واضح ہے اور اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ سفر کا مقصد جائز وحلال ہے یا حرام؟ اور پھر اسی لحاظ سے اس پر نماز وروزہ وغیرہ کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔

اخلاقی اعتبار سے سفر آپسی تعلقات کے دائرہ میں آتا ہے مثلاً رفیق سفر کیسا ہونا چاہئے؟ سفر میں اپنے طور پر یا دوسروں کے ساتھ خصوصاً ساتھیوں کے ساتھ کن آداب کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔

اس درس میں ہم احادیث کی روشنی میں سفر کے جائز مقاصد اور فوائد ونتائج کا تذکرہ کریں گے آداب سفر انشاءاللہ آئندہ درس میں بیان کئے جائیں گے۔

سفر کے جائز مقاصد

ا۔حصول علم ومعرفت

سفر کے جائز مقاصد میں حصول علم سرفہرست ہے،سفر کا مقصد اگر دینی علوم اور معارف الٰہی حاصل کرنا ہوتو یہ نہایت باعظمت اور اعلیٰ مقصد ہے۔

سفر کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی دو راہیں ہیں:انسان روئے زمین پر آثار کائنات میں غور وخوض کرے مختلف اقوام اور گذشتہ امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے اور خداوند عالم کی نعمتوں اور نشانیوں کے مشاہدہ کی غرض سے سیر وسیاحت کرے۔

یا پھر ایسے شہر کا رخ کرے جہاں بزرگ علماء زندگی بسر کرتے ہوں وہ شہر مرکز علم ہو تو ایسے شہر کی جانب حصول علم کے لئے سفر کرنا بھی قابل مدح وستائش ہے۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.[۱]

آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ خدا نے کس طرح خلقت کا آغاز کیا ہے اس کے بعد وہی آخرت میں دوبارہ ایجاد کرے گا بیشک وہی ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا.[۲]

گذشتہ امتوں کی سرگزشت سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

---

[۱] سورہ عنکبوت:آیت ۲۰۔

[۲] سورہ حج:آیت ۴۶۔

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ.[1]

تم زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔

نیز خداوند عالم کا ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ.[2]

کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے زیادہ زبردست قوت رکھنے والے تھے اور زمین میں آثار کے مالک تھے پھر خدا نے انہیں ان کے گناہوں کی گرفت میں لے لیا اور اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی بچانے والا نہیں تھا۔

مذکورہ آیات کی مانند دیگر آیات بھی سفر اور سیر وسیاحت کے دو مقاصد بیان کرتی ہیں:

۱۔عالم طبیعت میں غور وفکر اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی ان بے شمار نشانیوں کا مشاہدہ جو خالق کی عظمت اور بندوں پر اس کی رافت ورحمت کا پتہ دیتی ہیں۔

۲۔گذشتہ امتوں اور اقوام کے آثار اور ان کے بادشاہوں کے ذریعہ تعمیر کئے گئے قلعے، محلات، یا ان کھنڈرات کو دیدہ عبرت سے دیکھ کر گزشتہ تاریخ سے سبق اور نصیحت حاصل کرنا اور جادہ حق وصراط مستقیم تلاش کرنا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ.[3]

طلب علم کے لئے گھر سے نکلنے والا راہ خدا میں رہتا ہے یہاں تک کہ واپس آجائے۔

آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ بِهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقاً إِلَى الْجَنَّةِ.[4]

جو شخص طلب علم کے لئے راستہ طے کرتا ہے اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

---

[1] سورہ آل عمران آیت ۱۳۷۔

[2] سورہ غافر آیت ۲۱۔

[3] ترمذی ج ۱۰۔

[4] منیۃ المرید ص ۱۰۴۔

۲۔ دین کی حفاظت

اگر وطن میں رہ کر دینی احکام پر عمل اور عقیدہ کی حفاظت ناممکن ہو جائے تو سفر کرنا ضروری ہے اور انسان کے اوپر ہجرت واجب ہو جاتی ہے ظالم اور سرکش افراد کا جبر واستبداد دین کی نابودی اور عقیدہ سے دست برداری کا ذریعہ نہیں بننا چاہئے بلکہ ایسے مواقع پر ہر مسلمان کے لئے لازم وواجب ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر ایسے مقام پر چلا جائے جہاں دینی احکام اور مذہبی رسوم کی پابندی ممکن ہو۔

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا.[1]

جن لوگوں کو ملائکہ نے اس حال میں اٹھایا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم زمین میں کمزور بنا دیئے گئے تھے۔ ملائکہ نے کہا کہ کیا زمین خدا وسیع نہیں تھی کہ تم ہجرت کر جاتے (اور خدا کا فضل تلاش کرتے)۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنے دین اور عقیدے کی حفاظت کیلئے ہجرت کرنے والے مومنین کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ.[2]

اور جو شخص اپنے گھر سے جلا وطن ہو کر خدا اور اس کے رسول کی طرف نکل پڑے اور پھر اسے موت آجائے تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے۔

۳۔ حج وزیارت

اگر انسان مستطیع ہو تو زندگی میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ الحرام بجالانا واجب ہے استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ مکہ تک آمد ورفت کا خرچ موجود ہو۔ اور جسمانی طور پر بھی کوئی عذر یا مانع نہ ہو۔ اس طرح اگر فریضہ حج کی ادائیگی، حرم پیغمبرؐ اور قبور ائمہؑ کی زیارت کے لئے سفر کیا جائے تو یہ مقصد بھی نہایت بلند اور اعلیٰ ہے۔

---

[1] سورہ نساء: آیت ۹۷۔

[2] سورہ نساء: آیت ۹۷

۴۔لقمہ حلال کی تلاش

سفر کے جائز اغراض ومقاصد میں لقمہ حلال کی تلاش بھی ہے اسی طرح تفریح طبع کی خاطر سفر بھی مطلوب ہے بشرطیکہ انسان حرام میں مبتلا نہ ہو۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

مَكْتُوبٌ فِي حِكْمَةِ آلِ دَاوُدَ ع لَا يَظْعَنُ الرَّجُلُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ زَادٍ لِمَعَادٍ أَوْ مَرَمَّةٍ لِمَعَاشٍ أَوْ لَذَّةٍ فِي غَيْرِ مُحَرَّم.[۱]

آل داؤدؑ کی حکمت میں یہ تحریر تھا کہ تین کاموں کے علاوہ انسان سفر نہ کرے۔۱۔توشہ آخرت ۲۔کسب معاش ۳۔غیرحرام لذتیں حاصل کرنے کے لئے۔

سفر کے فوائد

سفر کے فوائد ونتائج کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

سَافِرُوا تَصِحُّوا سَافِرُوا تَغْنَمُوا.[۲]

سفر کرو صحت مند ہو جاؤ گے۔سفر کرو فوائد حاصل کرو گے

سَافِرُّوا فَاِنَّكُمْ اِنْ لَمْ تَغْنِمُوْ مَالاً اَفَدْتُمْ عَقْلاً.[۳]

سفر کرو کیونکہ اگر مال ہاتھ نہ بھی آیا تو عقل میں اضافہ ہوگا۔

نیز آپ سے منقول ہے:

سَافِرُوْا تَصِحُّوْا وَ تَرْزُقُوْا.[۴]

سفر کرو کہ سفر صحت اور رزق کا موجب ہے۔

حضرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منسوب اشعار ہیں جن کا مضمون یہ ہے:

تغرب عن الاوطان فی طلب العلی

---

[۱] بحارالانوار: ج ۳، ص ۲۲۱ باب ۴۵
[۲] بحارالانوار: ج ۳، ص ۲۲۱ باب ۴۵
[۳] مکارم الاخلاق: ص ۲۴۰
[۴] کنزالعمال حدیث ۱۷۴۶۹

و سافر ففی الاسفار خمس فوائد
تفرج هم و اکتساب معیشة
و علم وآداب و صحبة ماجد

اپنے وطن کوعلم وآ گہی اور ترقی کے لئے ترک کرنا چاہئے (اس قسم کے) سفر کرنے میں پانچ فوائد پائے جاتے ہیں۔ہم وغم دور ہوگا،معیشت بہتر ہوگی،علم میں اضافہ ہوگا،ادب حاصل ہوگا اوراچھے ہم نشین ملیں گے۔

اس طرح سفر تقویت روح اور کثرت علم کا ذریعہ ہوتا ہے۔سفر کے ذریعہ وسیع رزق میسر ہوتا ہے مختلف اقوام وقبائل کے آداب ورسوم سے آ گاہی ہوتی ہے۔تجارت اور کسب حلال کے امکانات سامنے آتے ہیں اور سفر کے ذریعہ ہی ایک مبلغ کو تبلیغ کا موقع ملتا ہے مبلغ سفر کے بعد مختلف جگہوں اور معاشروں کو ہدایت کی روشنی دکھا کر انہیں اسلام کے راستہ پر لا سکتا ہے اوراس سفر سے مبلغ کو کتنا اجر ملنے والا ہے اسے صرف خدا ہی جانتا ہے۔[1]

[1] مولائے کائنات سے منسوب دیوان ص ۱۳۹،مستدرک الوسائل ج ۸،ص ۱۵۵

خلاصه

اسلام کی نگاہ میں سفر کے جائز مقاصد یہ ہیں تعلیم، دین اور عقیدہ کی حفاظت، حج بیت اللہ وزیارت قبر وپیغمبر وائمہ طاہرین علیہم السلام رزق حلال کی تلاش، حرام چیزوں سے پرہیز کے ساتھ تفریح طبع۔

سوالات

۱۔معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے سفر کی کتنی صورتیں ہوسکتی ہیں؟

۲۔قرآن مجید کس قسم کا سفر کرنے کے لئے زور دیتا ہے؟

۳۔کچھ لوگ ظلم کا شکار ہو کر ظالموں کے سامنے جھک جاتے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے ...... یہ تذکرہ کس آیت میں ہے؟ آیت بیان کیجئے اور مختصر تشریح بھی کیجئے؟

۴۔امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث کی روشنی ہجرت کے اسباب کیا ہیں؟

۵۔انسان سفر سے کیا فوائد حاصل کرسکتا ہے؟

باب۔ ٦٠

سفر کے آداب

مسافر کی ذمہ داری ہے کہ سفر کے دوران سفر سے متعلق آداب وشرائط اور اخلاقیات کا لحاظ رکھے۔

ا۔ رفیق سفر کا انتخاب

جہاں تک ممکن ہو سکے انسان کو اکیلے سفر نہیں کرنا چاہئے اور سفر کے لئے رفیق اور ساتھی تلاش کرنا چاہئے کیونکہ رفیق سفر کی موجودگی میں راستہ کی تنہائی اور وحشت کے بجائے انس ومحبت کی کیفیت محسوس کرتا رہے گا کبھی سفر میں مشکلات کا سامنا ہو جائے تو ایسے حالات میں کسی ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اس کی مدد کر سکے ان باتوں کے علاوہ تنہا سفر کرنے کے باعث کبھی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَنْ سَافَرَ وَحْدَهُ وَمَنَعَ رِفْدَهُ وَضَرَبَ عَبْدَهُ.[1]

کیا میں تمہیں بدترین افراد سے مطلع نہ کروں؟ لوگوں عرض کیا: اے خدا کے رسول ضرور مطلع فرمائیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بدترین انسان وہ ہے جو تنہا سفر کرے، اپنے ساتھیوں سے دریغ کرتا ہو اور اپنے غلام کو مارتا ہو۔

آپ ہی سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ:

لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَةً اَلْآكِلَ زَادَهُ وَحْدَهُ وَ النَّائِمَ فِي بَيْتٍ وَحْدَهُ وَ الرَّاكِبَ فِي الْفَلَاةِ

[1] من لایحضرہ الفقیہ: ج ٢، ص ٢٧٦۔

وَحْدَهُ.[۱]

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین لوگوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

۱۔ جو اپنے توشہ سفر کو تنہا کھائے

۲۔ گھر میں اکیلا سوئے

۳۔ صحرا میں اکیلا سفر کرے۔

اسی سلسلہ میں امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

الرَّفِيقِ قَبْلَ الطَّرِيق.[۲]

یعنی راہ سے پہلے ہمراہ تلاش کرلو۔

لہذا بہترین رفیق سفر کا انتخاب ضروری ہے اچھا اور بہترین رفیق وہ ہے جو اپنے اخلاق و کردار سے تمہیں متاثر کریں اور تمہارے اخلاق و کردار سے متاثر ہو اس طرح دونوں کے کردار میں نکھار آئے گا۔

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

لَا تَصْحَبَنَّ فِي سَفَرٍ مَنْ لَا يَرَى لَكَ الْفَضْلَ عَلَيْهِ كَمَا تَرَى لَهُ الْفَضْلَ عَلَيْكَ.[۳]

سفر میں اس کے ساتھ ہرگز نہ رہو کہ تم اس کی جتنی عزت کرتے ہو وہ تمہاری اتنی عزت کا بھی قائل نہ ہو۔

۲۔ حقوق کی ادائیگی

جو شخص سفر کا قصد رکھتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کے ذمہ جو حقوق ہیں مثلاً قرض وغیرہ انہیں ادا کرے پھر سفر کے لئے نکلے اور اگر ادا کرنا ممکن نہ ہو تو واجب ہے کہ تحریری شکل میں وصیت کرے تا کہ بعد میں اس کے مال سے ان حقوق کو ادا کیا جا سکے۔ حقوق الناس کے مانند سفر سے پہلے حقوق اللہ بھی ادا کرنا چاہئیں۔

۳۔ لوازمات سفر

سفر سے پہلے ہی اس کے لوازمات اور ضروریات فراہم کرلینا چاہئیں اور ضروری ساز و سامان کے بغیر سفر کرنا

---

[۱] من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲، ص۲۷۷۔

[۲] بحار الانوار: ج۷۳، ص۲۲۹، باب۴۷

[۳] من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲، ص۲۷۸

مناسب نہیں ہے ضروریات سفر کے بغیر اگر سفر کرے گا تو ایسی صورت میں یا تو خود زحمتیں اور پریشانیاں اٹھائے گا یا پھر اپنے ساتھیوں پر بوجھ بن جائے گا اور ان کی نظروں میں اس کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے گی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مِنْ شَرَفِ الرَّجُلِ أَنْ يُطَيِّبَ زَادَهُ إِذَا خَرَجَ فِي سَفَرٍ.[1]

انسان کی شرافت وعظمت اسی میں ہے کہ جب سفر کیلئے جائے تو مناسب زاد سفر اپنے ساتھ لیکر جائے۔

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

مِنَ السُّنَّةِ إِذَا خَرَجَ الْقَوْمُ فِي سَفَرٍ أَنْ يُخْرِجُوا نَفَقَتَهُمْ فَإِنَّ ذَلِكَ أَطْيَبُ لِأَنْفُسِهِمْ وَ أَحْسَنُ لِأَخْلَاقِهِمْ.[2]

جب کوئی قوم یا کاروان سفر کے لئے نکلے تو سب کے لئے مستحب ہے کہ اپنا ہزینہ سفر نکال کر جدا کر دیں اس میں ان کی بہتری ہے اور یہ ان کے حسن اخلاق کے لئے موزوں ہے

یہ نکتہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور سماجی تعلقات اور اخلاقیات کی بنیاد ہے کہ جب تمام رفقائے سفر اپنا زاد راہ آپس میں برابر سے تقسیم کرلیں گے تو کسی کے اوپر بوجھ نہیں پڑے گا جس سے ان کا اخلاق سنور جائے گا اور آپسی احترام ومحبت میں اضافہ ہوگا۔

۴۔ دعا وذکر خدا

سفر سے پہلے دعا اور ذکر خدا کرنا چاہئے یہ چیز صرف سفر سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اسلامی آداب کے مطابق ہر عمل کا آغاز دعا اور یاد خدا سے ہونا چاہئے مسافر کے لئے سورہ حمد، آیۃ الکرسی اور سفر کے بارے میں ائمہ معصومینؑ سے منقول دعا پڑھنا مستحب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ سفر کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

اللهُمَّ خَلِّ سَبِيلَنَا، وَأَحْسِنْ تَسْيِيرَنَا، وَأَحْسِنْ عَافِيَتَنَا.[3]

خدایا ہمارے راستہ کو ہموار، سفر کو بہترین اور ہماری سلامتی کو زیادہ کردے۔

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۸۱۔

[2] من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۷۸

[3] من لایحضرہ الفقیہ: ج ۲ ص ۲۷۱۔

رکاب میں قدم رکھتے وقت اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرماتے تھے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ.[۱]

پاک و بے نیاز ہے وہ خدا جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے ورنہ ہم اس کو قابو میں لا سکنے والے نہیں تھے۔

پھر سات مرتبہ "سبحان اللہ" سات مرتبہ "الحمد للہ" اور سات مرتبہ "لا الہ الا اللہ" کہتے تھے۔[۲]

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

إِذَا خَرَجْتَ مِنْ مَنْزِلِكَ فِي سَفَرٍ أَوْ حَضَرٍ فَقُلْ بِسْمِ اللهِ آمَنْتُ بِاللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ مَا شَاءَ اللهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ[۳]

سفر کے لئے یا کسی بھی کام کے لئے گھر سے نکلو تو کہو "بسم اللہ" میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اسی پر میرا اعتماد ہے جو اللہ چاہے، اس کے علاوہ کوئی قدرت و طاقت نہیں ہے۔

۵۔ صدقہ

فقراء اور محتاجوں کو صدقہ دینا اسلامی احکام کے لحاظ سے مستحب ہے مگر ارادہ سفر کے وقت شریعت اسلامیہ میں صدقہ نکالنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الصَّدَقَةُ تَدْفَعُ الْبَلَاءَ.[۴]

صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔

الصَّدَقَةُ تَسُدُّ سَبْعِينَ بَاباً مِنَ الشَّرِّ.[۵]

صدقہ شر کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے۔

---

[۱] سورہ زخرف: آیت ۱۳۔

[۲] مکارم الاخلاق

[۳] من لا یحضرہ الفقیہ: ج ۲، ص ۲۷۲۔

[۴] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۱۳۷، باب ۱۴۔

[۵] بحار الانوار: ج ۹۳، ص ۱۳۲، باب ۱۴

الصَّدَقَةُ تَمْنَعُ سَبْعِينَ نَوْعاً مِنْ أَنْوَاعِ الْبَلَاءِ أَهْوَنُهَا الْجُذَامُ وَ الْبَرَصُ.[1]

صدقہ ستر قسم کی بلاؤں اور آفات کو روکتا ہے جن میں سب سے معمولی آفت جذام اور برص ہے۔

الصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مِيتَةَ السُّوءِ.[2]

صدقہ بری موت سے بچاتا ہے۔

۶۔مروت

سفر کے دوران تمام مسافر ایک دوسرے کا احترام کریں نیز حسن اخلاق اور مروت شہامت کا مظاہرہ کریں اور سب لوگ برابر سے سفر کے مشکلات برداشت کریں اور ایک دوسرے کو اذیت نہ دیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا اصْطَحَبَ اثْنَانِ إِلَّا كَانَ أَعْظَمُهُمَا أَجْراً وَ أَحَبُّهُمَا إِلَى اللهِ أَرْفَقُهُمَا بِصَاحِبِهِ.[3]

جب دو انسان سفر میں ساتھ ہوتے ہیں تو زیادہ اجر کا مستحق اور عنداللہ زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو اپنے ساتھی کے حق میں زیادہ مہربان ہوتا ہے۔

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

أَمَّا مُرُوءَةٌ فِي السَّفَرِ فَبَذْلُ الزَّادِ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ- وَ الْمِزَاحُ فِي غَيْرِ مَعَاصِي.[4]

سفر میں مروت کا مطلب زادراہ خرچ کرنا، حسن اخلاق کا اظہار اور گناہ سے بچتے ہوئے ہنسی مذاق کرنا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

أَمَّا مُرُوءَةُ السَّفَرِ فَبَذْلُ الزَّادِ وَ قِلَّةُ الْخِلَافِ عَلَى مَنْ صَحِبَكَ وَ كَثْرَةُ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ فِي كُلِّ مَصْعَدٍ وَ مَهْبَطٍ وَ نُزُولٍ وَ قِيَامٍ وَ قُعُودٍ.[5]

سفر میں مروت سے مراد زادِراہ خرچ کرنا، ساتھیوں کی مخالفت سے اجتناب اور ہر بلندی و پستی ہر منزل اور اٹھتے

---

[1] کنزالعمال: ح ۱۵۹۸۲

[2] بحارالانوار: ج ۹۳، ص ۱۳۰، باب ۱۴۔

[3] وسائل الشیعہ: ج ۱۱، ص ۴۱۲۔

[4] بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۲۶۶، باب ۴۹۔

[5] وسائل الشیعہ: ج ۱۱، ص ۴۳۷۔

بیٹھتے کثرت سے ذکر خدائے عزوجل کرنا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَمَّا مُرُوَّةُ السَّفَرِ فَبَذْلُ الزَّادِ وَ الْمِزَاحُ فِي غَيْرِ مَا يُسْخِطُ اللهَ وَ قِلَّةُ الْخِلَافِ عَلَى مَنْ صَحِبَكَ وَ تَرْكُ الرِّوَايَةِ عَلَيْهِمْ إِذَا أَنْتَ فَارَقْتَهُمْ.[۱]

سفر میں مروت یعنی زادِ سفر خرچ کرنا، ایسا مذاق کرنا جس سے اللہ ناراض نہ ہو، ساتھیوں کی مخالفت نہ کرنا اور جدا ہونے کے بعد ان کی برائی نہ کرنا۔

آپؑ ہی سے منقول ہے:

قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: إِذَا سَافَرْتَ مَعَ قَوْمٍ فَأَكْثِرِ اسْتِشَارَتَهُمْ فِي أَمْرِكَ وَ أُمُورِهِمْ وَ أَكْثِرِ التَّبَسُّمَ فِي وُجُوهِهِمْ وَ كُنْ كَرِيماً عَلَى زَادِكَ بَيْنَهُمْ فَإِذَا دَعَوْكَ فَأَجِبْهُمْ وَ إِذَا اسْتَعَانُوا بِكَ فَأَعِنْهُمْ.[۲]

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: جب کسی قوم کے ساتھ سفر کرو اپنے اور ان کے امور میں کثرت سے مشورہ کرو ان کے سامنے خوب مسکراؤ اور ان پر زادِ راہ خرچ کرنے میں اعلیٰ ظرفی سے کام لو اگر تمہیں پکاریں تو جواب دو اگر مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرو۔

۷۔ تحفہ و تحائف

شریعت اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ کوئی مسافر جب اپنے وطن واپس لوٹے تو گھر والوں کے لئے تحفہ و تحائف ساتھ لے جائے اس لئے کہ گھر والے اس کی آمد کا انتظار کرتے ہیں واپسی کی تمنا کرتے ہیں اور اس کے دیدار کے مشتاق رہتے ہیں چنانچہ مسافر کی جانب سے تحفہ و ہدیہ اس کی محبت اور اشتیاق ملاقات کا اظہار بن جائے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِذَا خَرَجَ أَحَدُكُمْ إِلَى سَفَرٍ ثُمَّ قَدِمَ عَلَى أَهْلِهِ فَلْيُهْدِهِمْ وَلْيُطْرِفْهُمْ وَلَوْ حِجَارَةً.[۳]

تم میں سے جب بھی کوئی سفر کے لئے جائے تو واپس آتے وقت گھر والوں کے لئے ضرور ہدیہ لانا چاہئے، چاہے

---

[۱] وسائل الشیعہ: ج ۱۱، ص ۴۳۶۔

[۲] وسائل الشیعہ: ج ۱۱، ص ۴۴۰۔

[۳] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۲۸۳۔

ایک پتھر ہی کیوں نہ ہو۔

ان کے علاوہ اور بھی سفر کے آداب ہیں جن کا سفر میں پاس ولحاظ رکھنا چاہئے مثلاً وصیت لکھنا، دو رکعت نماز پڑھنا، اپنے احباب، اعزاء واقارب سے رخصت ہونا تاکہ جب وہ پلٹ کر آئے تو یہ لوگ اس کے استقبال کو جائیں اور اس سے ملاقات کریں۔

اسی طرح اگر کوئی جماعت یا کاروان سفر کر رہا ہے تو انہیں اپنے درمیان سے کسی ایک کو امیر اور سردار منتخب کر لینا چاہئے اور سب کو اس کی بات تسلیم کرنا چاہئے اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ.[1]

اگر تین آدمی بھی سفر کر رہے ہوں تو کسی ایک کو امیر بنا لینا چاہئے۔

البتہ جسے امیر اور (قافلہ سالار) منتخب کیا گیا ہے اسے یہ خیال رہے کہ اسے اپنے ساتھیوں کی خدمت اور ان کے کاموں کی نگرانی کے لئے منتخب کیا گیا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے:

سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ فِي السَّفَرِ.[2]

سفر میں ہر قافلہ کا سردار ان کا خادم ہے۔

---

[1] کنزالعمال: حدیث ۷۵۴۹۔

[2] بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۲۷۳، باب ۴۹۔

خلاصہ

سفر کے چند آداب ہیں: تنہا سفر نہ کرے، اپنے فرض کو ادا کردے یا اسے اپنے وصیت نامہ میں لکھ دے، اپنے ہمسفر کے اوپر بوجھ نہ بنے، اگر چند مسافر ہوں تو ایک کو اپنا ذمہ دار بنالیں۔

آداب سفر میں یہ بھی ہے کہ دعا پڑھے جتنا ممکن ہو قرآن پڑھے، سفر کے لئے نکلتے وقت صدقہ دینا مستحب ہے، اپنے ہم سفر ساتھیوں کے ساتھ گھل مل کر رہے، سفر سے واپس لوٹتے وقت اپنے گھر والوں کے لئے کوئی ہدیہ ضرور لے کر آئے۔

سوالات

۱۔ بعض آداب سفر ذکر کیجئے؟

۲۔ حدیث شریف "الرفیق قبل الطریق" کی وضاحت کیجئے؟

۳۔ اپنے ہم سفر ساتھیوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے؟

۴۔ سفر سے لوٹتے وقت گھر والوں کے لئے کیسا ہدیہ لانا چاہئے؟

☆☆☆☆☆

تَمَّ بِحَمْدِ اللهِ